مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ

(۱۳۵۲ھ)

ترجمہ و تشریح

محمد یوسف لدھیانوی

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
حضوری باغ روڈ ملتان
514122

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ

(۱۳۵۲ھ)

ترجمہ و تشریح

محمد یوسف لدھیانوی

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
حضوری باغ روڈ ملتان
514122

ترتیب

طبع اول جولائی ۱۹۷۷ء طبع دوم جولائی ۲۰۰۰ء طبع سوم جولائی ۲۰۰۱ء

تبویب

رسالہ خاتم النبیین کے مضامین متفرق اور منتشر تھے، اس کی نہ کوئی فہرست تھی نہ کسی موضوع کا عنوان۔ جس سے نہ تو کتاب کی افادیت کا ٹھیک اندازہ ہو سکتا تھا نہ کسی مضمون کا تلاش کرنا آسان تھا اسلیے مناسب سمجھا گیا کہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ابواب و فصول کی سلک میں منسلک کر دیا جائے پیش نظر تبویب میں کتاب کو دو حصوں اور درج ذیل اٹھارہ فصلوں پر مرتب کر دیا گیا ہے:

حصہ اوّل: نبوت اور منصبِ نبوت ـــ ختم نبوت ـــ خاتم النبیین ـــ تفسیر آیت خاتم النبیین ـــ ختم نبوت اور حدیثِ نبوی ـــ اجماع اُمت اور ختم نبوت ـــ ختم نبوت اور صوفیاء کرام ـــ عیسٰی علیہ السلام۔

حصہ دوم: تحریفات مرزا ـــ تلبیساتِ مرزا ـــ کفریات مرزا ـــ دعاوی مرزا ـــ تناقضات مرزا ـــ عقائد مرزا ـــ عجائبات مرزا ـــ سیرت مرزا ـــ الہامات مرزا ـــ پوری کتاب ۲۴۰ فقروں پر مشتمل ہے اور ہر مضمون کے سامنے فقروں کے نمبرات درج ہیں۔

محمد یوسف لدھیانوی

۱— نبوت اور منصب نبوت

۲۔ ختمِ نبوت

۳ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

۴ ــــ تفسیر آیت خاتم النبیین

۵ — ختم نبوت اور قرآن کریم

آیات ختم نبوت

۱۱۔ لکن الراسخون فی العلم منهم الایة : ۱۵۴
۱۲۔ یایها الذین آمنوا آمنوا باللہ و رسولہ الایة : ۱۵۴
۱۳۔ ولقد اوحی الیک و الی الذین من قبلک : ۱۵۴
۱۴۔ الم تر الی الذین .... من قبلک ۱۵۴
۱۵۔ کذالک یوحی الیک و الی الذین من قبلک : ۱۵۴
۱۶۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول الایة : ۱۵۷
۱۷۔ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی : ۱۵۷
۱۸۔ وما ارسلنا قبلک من المرسلین : ۱۵۷
۱۹۔ اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیآء : ۱۵۷
۲۰۔ و مبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد : ۱۲۷

آیات ختم نبوت کی تعداد سو ہے : ۱۵۹
آیاتِ قرآن کا مطمح نظر یہ ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی اور کوئی وحی نبوت نہیں : ۱۵۴
آپؐ کے بعد قرآن کریم قیامت تک کسی نبوت اور کسی وحی نبوت کا پتہ نشان نہیں دیتا : ۱۵۴
قرآن کریم کی نظر میں اُمت محمدیہ آخری اُمت ہے : ۴۹
قرآن کریم اُمت محمدیہ کا دامن قیامت تک وسیع کرتا ہے : ۱۵۶
قرآن کریم بطور طرد و عکس کے ختم نبوت کی دلیل پیش کرتا ہے : ۱۵۷
قرآن کریم من قبلُ کی قید سے دورِ مابعد میں نبوت کی نفی کرتا ہے : ۱۵۷
قرآن کریم نے ختم نبوت اور اس کی علت کو یکجا بیان کیا ہے : ۸۰
قرآن کریم مقام مدح میں بھی بے پیمانہ انداز اختیار نہیں کرتا : ۹۰
قرآنی محاورات کو سوقیانہ محاوروں پر ڈھالنا جہل و حماقت ہے : ۸۷
قرآن کریم میں استفادۂ نبوت کا مضمون داخل کرنا خود غرضی ہے : ۱۰۴
تعدد قرأت کا نکتہ : ۷۷
قرآن کریم میں تاویل فاسد کفر ہے : ۸۹
قرآن کریم میں خود غرضی کے لیے قیدیں لگانا الحاد و زندقہ ہے : ۱۴۴

۶۔ ختم نبوت اور حدیث نبوی

۷— اجماع اُمت اور ختم نبوت

۸— ختم نبوت اور صوفیاء کرام

۹— عیسیٰ علیہ السلام

حصہ دوم قادیانیت

۱۔ تحریفات مرزا

۲۔ تلبیسات مرزا

۳۔ کفریات مرزا

۴ — دعاوی مرزا

۵ — تناقضات مرزا

۶۔ عقائد مرزا

۷۔ عجائبات مرزا

۸ — سیرت مرزا

الہامات مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ

(از جناب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی عمّ فیضہٗ)

خاتم النبیین، جس کے تعارف کے لیے یہ چند سطور تحریر کی جا رہی ہیں حضرت استاذ شیخ الاسلام سیّد محمّد انور شاہ قدّس اللہ سرّہٗ کی سب سے آخری اور نہایت محبوب تصنیف ہے۔ استاذ مرحوم کو تدریس حدیث کے غیر منفک مشغلہ کے ساتھ اسلام اور اس کے بنیادی عقائد کے خطرناک ترین حریف نبی قادیاں کی ملحدانہ تعلیمات کے استیصال سے جو قدرتی شغف تھا اس نے آپ کو بستر علالت پر بھی چین نہ لینے دیا۔ مرض کی غیر معمولی شدّت اور تسلسل کے باعث اگرچہ تمام اعضاء صحت و توانائی کو آخری جواب دے چکے تھے، تاہم تحفّظ دینِ محمّدی کے جذبات میں ڈوبا ہو یہ وجود مقدّس دمِ واپسیں تک دین الٰہی کی خدمت میں اس شان سے منہمک رہا گویا علالت و نقاہت کا کہیں آپ کے پاس بھی گذر نہیں۔ وفات سے چند روز قبل رسالہ تصنیف و تسوید سے فراغت ہوئی۔ ابھی تبییض کی بھی نوبت نہ آئی تھی کہ

پیغامِ اجل آ پہنچا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تمنّا تھی کہ اس تحریر کو خاص اپنے مصارف سے طبع کرا کر کشمیر اور ان ممالک میں خصوصیت سے تقسیم فرمائیں جہاں میں فارسی زبان مروّج ہے۔ اور جہاں نادار و مفلس مسلمانوں کی سادہ لوحی کے سبب قادیانی الحاد و ارتداد کے ناپاک جراثیم پھیلتے جا رہے ہیں۔ ایک دفعہ راقم الحروف کی موجودگی میں حضرت مرحوم نے مسودہ کی کتابت کے لیے ہمارے علاقہ کے ایک نامور کاتب کو طلب فرمایا حضرت نے انتہائی ضعف کے باوجود کاتب صاحب کے سامنے جو رقت آفریں اور درد انگیز کلمات فرمائے ان میں ایک جملہ یہ تھا "مولوی صاحب! اس وقت زندگی کی آخری منازل سے گذر رہا ہوں میرے پاس آخرت کا کوئی ذخیرہ نہیں، یہ دو چار تحریریں ہیں جو میرے لیے سامانِ آخرت ہیں، چاہتا ہوں کہ اس رسالہ کو ذاتی مصارف سے بہترین کتابت و طباعت کے ساتھ شائع کردوں اور کتاب مفت تقسیم کی جائے۔" افسوس یہ تمنا آپ کے ساتھ ہی گئی اور آپ کی حیات میں یہ متبرک کتاب جس کی سطر سطر میں اسلامی جوش و خروش اور ایمانی غیرت کے نقش و نگار چمک رہے ہیں منطبع نہ ہو سکی۔

مجلس علمی کی استدعا پر ورثائے حضرت مرحوم نے بکمال عنایت کتاب کا مسودہ مجلس کے سپرد کر دیا اور شکر ہے کہ مہینوں کی مسلسل محنت کے بعد آج یہ مبارک تحریر مجلس کی طرف سے شائع ہو رہی ہے۔ مسودہ ایسی حالت میں تھا کہ اس کی قابلِ اطمینان کتابت حضرت کی موجودگی ہی میں ہو سکتی تھی تاہم امکانی کوشش سے جو کچھ ہو سکا وہ توقع سے بڑھ کر ہے۔ جن اصحاب کو

حضرت کے طریق تسوید و تصنیف سے واقفیت ہے وہ ان مشکلات کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں جو مضامین کتاب کی ترتیب و کتابت کے سلسلہ میں پیش آئی ہیں، کتاب کے مقصد کے متعلق حضرت مرحوم نے دیباچہ کتاب میں حسب ذیل سطور تحریر فرمائی ہیں۔

"اس مقالہ ایست در ختم نبوّت و تفسیر کریمہ خاتم النبیین کہ در ردّ الحاد و زندقہ و کفر و ارتداد کادیانی علیہ ما علیہ صورت تحریر بست۔"

قدیم و حدیث تفاسیر کے ذخیرہ کو سامنے رکھو پھر اندازہ ہوگا کہ عصر حاضر کے اس فقید المثال محدّث و مفسّر نے ان چند اوراق میں مدلول کلام الٰہی کی تفہیم و تسہیل میں حقائق و معارف کے لعل و یاقوت کس سخاوت سے بکھیرے ہیں۔

ہمارے ملک کی عام زبان چونکہ اُردو ہے۔ فارسی کا ذوق عوام میں تو کیا علماء میں بھی قریب قریب ناپید ہے اس لیے ضرورت ہے کہ فارسی ایڈیشن کی اشاعت کے متصل ہی اُردو ایڈیشن کی اشاعت کا بندوبست کیا جائے لہٰذا مجلس کی طرف سے اس رسالہ کی اُردو شرح بہت جلد مسلمانوں کی خدمت میں پیش کی جائے گی اور فارسی ایڈیشن کے تمام منافعے اُردو ایڈیشن کی تیاری پر صرف کیے جائیں گے۔ کتاب کا اُردو ایڈیشن خدا نے چاہا تو قادیانی لٹریچر اور الحاد و زندقہ کی فتنہ سامانی کے لیے پیامِ موت ثابت ہوگا اور اس کے . . . . مطالعہ کے بعد ہی اصل تحریر کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ بالکل ممکن تھا کہ عام مذاق کے پیشِ نظر ان جواہر پاروں کو فارسی کی جگہ

اردو کے قالب میں سطحِ تعارف پر رکھا جاتا، لیکن مصنف کے حقائق آگاہ قلم سے
جو مضامین بہاری زبان میں نکلے ہیں۔ ظلم ہوتا ہے اگر محض قبولِ عام کے لیے
ان کی حقیقی لطف اندوزی ابدی و سرمدی برکت اور قدرتی زورِ بیان کی کیف
آفرینیوں سے اربابِ ذوق اور وابستگانِ دامنِ انوری کو محروم کیا جاتا۔ پھر
اس تحریر کی اشاعت کا اولین مقصد جیسا کہ استاذ رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا
ظاہر فرمایا یہ تھا کہ باشندگان کشمیر و بلوچستان خصوصی طور پر اس سے منتفع
ہوں۔ آخر میں یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ جہاں تک فہمِ مطالب کا تعلق ہے
کتاب کو ابواب و فصول پر تقسیم کرنا مفید ہوتا، لیکن اس خیال سے کہ اردو
ایڈیشن میں مطالب کی تشریح کے ساتھ اس ضرورت کو بھی بطریقِ احسن پورا
کر دیا جائے گا۔ اصل مسودہ میں یہ معمولی تغیر بھی مناسب نہ سمجھا گیا۔ کتاب کا دوسرا
حصہ زیادہ تر ملّتِ مرتدہ قادیانیہ سے ہنگامہ خیز سوالات پر مشتمل ہے، پر کسی
تقریب سے جابجا ضمنی مباحث آگئے ہیں۔ یہ وہ جواہر ریزے ہیں جنکا نشیمن
کتابوں کے دفتر میں نہیں کاملین کا سینہ ہی ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ علم و دولت کے
اس بیش قیمت خزینے سے مسلمانوں کے دامن کو دامانِ باغباں بنائے۔ آمین۔

پیش لفظ

حضرت العلامہ مولانا سید محمد یوسف بنوری مدظلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین، وعلی آلہ الطاہرین وصحبہ اجمعین۔

امابعد: دینِ اسلام کی اساسی خشت ختم نبوت کا عقیدہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے اس کائنات کی ہدایت کے لیے رشد و ہدایت کا جو سلسلہ جاری فرمایا وہ نبوت و رسالت کا سلسلہ ہے۔ اس کی ابتدا حضرت آدم (علیہ صلوات اللہ وسلامہ) سے ہوتی ہے، اور اس عمارت کی تکمیل کی آخری خشت حضرت سید العالمین خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود ظہور پُرنور ہے۔ اللّٰھم صلّ علیہ صلوٰۃ نکرم بھا مثواہ وتشرف بھا عقباہ، وتبلغ بھا یوم القیامۃ مناہ ورضاہ، وبارك وسلّم۔

ختم نبوت کے اس عقیدہ پر خدا تعالیٰ کی سب سے آخری آسمانی کتاب قرآن کریم کی بے شمار تصریحات موجود ہیں اور جس طرح یہ ثبوت کے اعتبار سے قطعی ہے اسی طرح دلالت کے لحاظ سے بھی قطعی اور ہر شک و شبہہ سے پاک ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی مسئلہ میں قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ بھی اگر قطعی الدلالت ہو تو مضمون کی قطعیت کے لیے کافی ہے۔ چہ جائیکہ قرآن کریم کی ایک سو سے زائد آیات ختم نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس قطعیت کی نظیر قرآن کریم میں بھی کم ملے گی۔ اسی طرح عقیدۂ ختم نبوت پر احادیثِ نبویہ بھی تواتر کو پہونچ گئی ہیں، اور تواتر بھی ایسا ہے کہ جس کی نظیر احادیث متواترہ کے ذخیرہ میں نہیں، دو صد احادیث سے یہ عقیدہ ثابت ہوا ہے گویا قرآن و احادیث میں اس قطعیت کی نظیر کسی اور مسئلہ میں نہیں ملے گی پھر

اُمّت محمدیہ کا اس پر اجماع بھی ہے، اور نہ صرف اُمّت محمدیہ کا اجماع! بلکہ تمام کتب سماویہ کا اس پر اجماع ہے اور تمام انبیاء کرام کا اس پر اجماع ہے۔ عالم ارواح میں تمام انبیاء کرام علیہم صلوات اللہ وسلامہٗ کا یہ عہد و پیمان ہے۔

پس جس طرح توحید الٰہی تمام ادیان کا اجماعی عقیدہ ہے اسی طرح ختم نبوت کا عقیدہ بھی تمام کتب الٰہیہ، تمام انبیاکرام اور تمام ادیان سماویہ کا متفق علیہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔ آغاز انسانیت سے لے کر آج تک اس پر ہمیشہ اتفاق رہا ہے کہ خاتم النبیّین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے، اور سلسلۂ نبوت ورسالت آپ کی ذات گرامی پر ختم ہو جائے گا۔ اصولی و اعتقادی مسائل میں انبیاء کرام کے درمیان اختلاف نہیں ہوا، بلکہ وہ ہر دَور میں متفق علیہ رہے ہیں۔ پس جس طرح دیگر عقائد دینیہ تمام نبوتوں میں مشترک ہیں ٹھیک اسی طرح حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰی علیہ صلوات اللہ وسلامہٗ کا آخری نبی ہونا اور آپ ہی کی نبوت پر دنیا کا خاتمہ ہونا تمام انبیاء کرام کی شریعتوں اور آسمانی کتابوں کے مسلّمات میں سے رہا ہے، یہی وجہ ہے کتب سماویہ میں اس کی ان گنت پیش گوئیاں کی گئیں، آپ کا نام آپؐ کے القابؐ آپکا ملک، آپؐ کی جائے ولادت، آپؐ کے دار ہجرت وغیرہ کی خبریں دی گئیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر اور تمام اقوام عالم پر اپنی حجّت پوری کر دی۔

اور اسلام کی پوری تاریخ میں اس اجماعی عقیدے کا ظہور اس طرح ہوتا رہا کہ جب کبھی کوئی مدّعی نبوّت کھڑا ہوا، اس کا سر قلم کر دیا گیا، یہ اس عقیدے کا عملی ثبوت تھا جو اسلام کے ہر دَور میں ہوتا رہا اور اور جس پر اُمت کا تعامل مسلسل جاری رہا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے دَور میں اسلامی جہاد کا آغاز ہی مسیلمۂ کذّاب کے مقابلہ میں جنگ یمامہ سے ہوا، جس میں سات سو حرف حُفاظِ قرآن شہید ہوئے، جو صحابۂ کرامؓ میں "اہل القرآن" کے لقب سے مشہور تھے۔ گویا اسی عقیدے کی حفاظت کے لیے سب سے زیادہ صحابہ شہید ہوئے، اور اسی بنیاد کو مضبوط کرنے کے لیے اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خون کی قربانیاں پیش کیں۔

معرکہ حق و باطل سب سے پہلے اسی عقیدہ کی خاطر برپا ہُوا، اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس خون سے اس باغیچہ کو سیراب کیا گیا۔ یہ حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ تھی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دَور میں اسود عنسی اور مسیلمہ کذّاب کے فتنہ کی سرکوبی کرا کے قیامت تک آنے والی اُمت کو دو ٹوک اور غیر مبہم انداز میں بتا دیا گیا کہ خاتم النّبییّن صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو لوگ دعوائے نبوت کے ساتھ اُٹھیں اُمّت کو اُن سے کیا سلوک کرنا ہوگا۔

الغرض یہ عقیدہ اتنا بنیادی اور اتنا اہم ہے کہ اسے عالم ارواح سے لے کر آج تک ہر آسمانی دین میں مسلسل دہرایا جاتا رہا، اور قولاً، عملاً، اعتقاداً اس کی مسلسل تاکید و تلقین کی جاتی رہی۔ بدقسمتی سے برطانوی اقتدار میں جھوٹی نبوت کا فتنہ کھڑا کیا گیا اور یہ سمجھ کر کہ "ختم نبوّت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ اس کے متزلزل ہو جانے سے اسلام کی عمارت منہدم ہو جائے گی" اس پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی گئی، اس کے لیے مدّعی نبوّت مرزا غلام احمد قادیانی ـــــ علیہ ما علیہ ـــــ کا انتخاب کیا گیا، متحدہ ہندوستان اسلامی حکومت کے سائے سے محروم تھا، ورنہ مرزا کا حشر بھی اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب وغیرہ سے مختلف نہ ہوتا اس لیے مسلمان سوائے دینی بحثوں اور مناظروں کے کچھ نہیں کر سکتے تھے، برطانوی حکومت اپنے تمام لامحدود وسائل سے اس فتنہ کی پرورش اور اپنے خود کاشتہ پودا مرزا غلام احمد قادیانی کی حفاظت کرتی رہی۔

اُمّت کے جن اکابر نے اس فتنہ کے استیصال کے لیے محنتیں کی ہیں ان میں سب سے زیادہ امتیازی شان حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمہ اللہ کو حاصل تھی اور دارالعلوم دیوبند کا پورا اسلامی اور دینی مرکز انہی کے انفاس مبارکہ سے اس شجرہ خبیثہ کی جڑوں کو کاٹنے میں مصروف رہا۔ قادیانیوں کے شیطانی وساوس اور زندیقانہ دسائس کا امام العصر نے جسطرح تجزیہ کر کے ان پر تنقید کی اس کی نظیر تمام عالم اسلام میں نہیں ملتی، حضرت مرحوم نے خود بھی گراں قدر علوم و حقائق سے لبریز تصانیف رقم فرمائیں، اور اپنے تلامذہ مدرسین دیوبند سے بھی

کتابیں لکھوائیں۔ اور ان کی پوری نگرانی و اعانت فرماتے رہے ہیں۔ میں نے خود حضرت رحمہ اللہ سے سُنا کہ جب یہ فتنہ کھڑا ہوا تو چھ ماہ تک مجھے نیند نہیں آئی، اور یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں دینِ محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کے زوال کا باعث یہ فتنہ نہ بن جائے۔ فرمایا چھ ماہ کے بعد دل مطمئن ہو گیا کہ انشاء اللہ دین باقی رہے گا، اور یہ فتنہ مضمحل ہو جائے گا۔" میں نے اپنی زندگی میں کسی بزرگ اور عالم کو اس فتنہ پر اتنا دردمند نہیں دیکھا جتنا کہ حضرت امام العصرؒ کو۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دل میں ایک زخم ہو گیا ہے۔ جس سے ہر وقت خون ٹپکتا رہتا ہے، جب مرزا کا نام لیتے تو فرمایا کرتے تھے: "لعین ابن اللعین لعینِ قادیاں"۔ اور آواز میں ایک عجیب درد کی کیفیت محسوس ہوتی۔ فرماتے تھے کہ "لوگ کہیں گے کہ یہ گالیاں دیتا ہے فرمایا کہ ہم اپنی نسل کے سامنے اپنے اندرونی دردِ دل کا اظہار کیسے کریں، ہم اس طرح قلبی نفرت اور غیظ و غضب کے اظہار کرنے پر مجبور ہیں۔ ورنہ محض تردید و تنقید سے لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ تو علمی اختلافات ہیں جو پہلے سے چلے آتے ہیں۔" مرضِ موت میں جب تمام قوتیں جواب دے چکی تھیں اور چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھے ایک دن (یہ جمعہ کا دن تھا) جامع مسجد میں ڈولی میں لائے گئے اور اپنے شاگردوں اور علماء اور اہلِ دیوبند کو آخری وصیّت فرمائی کہ دینِ اسلام کی حفاظت کی خاطر اس فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لیے پوری کوشش کریں اور فرمایا "میرے تلامذہ کی تعداد جنہوں نے مجھ سے حدیث پڑھی ہے دو ہزار ہو گی ——— ان سب کو میں وصیت کرتا ہوں کہ اس فتنہ کے خلاف پوری جدوجہد کریں۔" حضرت رحمہ اللہ کی یہ وصیّت "دعوت حفظ ایمان" کے نام سے ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع ہو گئی تھی۔

حضرت رحمہ اللہ نے اپنی آخری زندگی میں مسلمانانِ کشمیر کو اس فتنے سے بچانے کے لیے آخری تصنیف فارسی زبان میں تالیف فرمائی، کشمیر میں فارسی زبان عام تھی اور وہاں کی علمی زبان فارسی ہی تھی، اس لیے آیت خاتم النبیین کی شرح فرمائی حضرت مرحوم کا دل و دماغ جس طرح علوم و معارف سے بھرا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ قلم سے اسی انداز کے علوم و حقائق نکلیں گے۔

زبان فارسی ہو یا اُردو، علوم انوری کے جواہرات اپنی پوری تابانی کے ساتھ ظاہر ہوں گے۔ ہر شخص نہ اس کی تہوں تک پہونچ سکتا تھا، اور نہ یہ علوم اس کے قبضہ میں آ سکتے تھے۔ اس کے لیے حسبِ ذیل امور کی ضرورت تھی۔

۱۔ عام فہم شستہ اُردو زبان میں ترجمہ کیا جائے۔

۲۔ مترجم ذکی و محقق عالم ہو کہ علمی اشارات و لطائف کو بخوبی سمجھتا ہو۔

۳۔ حضرت امام العصر رحمہ اللہ کے طرزِ تحریر سے مناسبت رکھتا ہو۔ اور اس کے سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔

۴۔ قادیانیت کے موضوع سے دلچسپی رکھتا ہو اور قادیانی مذہب کے لٹریچر سے پوری طرح باخبر ہو۔

۵۔ علمی دقائق کی تشریح پر اُردو میں قادر ہو، اور قلمی افادات سے عوام کو مستفید بنانے کی قابلیت رکھتا ہو۔

۶۔ تالیفی ذوق رکھتا ہو، تصنیفی ملکہ حاصل ہو، تاکہ مناسب عنوانات سے مضمون کو آسان کر سکتا ہو۔

۷۔ حضرت امام العصر رحمہ اللہ سے انتہائی عقیدت و محبت ہو کہ مشکلات حل کرنے میں گھبرا نہ جائے اور غور و خوض سے اکتا نہ جائے۔

۸۔ محنت و عرق ریزی کا عادی ہو، دل کا درد رکھتا ہو، قادیانیت سے بغض ہو۔

۹۔ اپنے علمی کاموں میں محض رضائے حق کا طالب ہو، حُبِّ جاہ و ثنا سے بالاتر ہو۔

۱۰۔ عام علمی مہارت اور دینی ذوق کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ عربیت و بلاغت کے سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہو اور معانی و بلاغت کی نکتہ سنجیوں سے واقف ہو۔

یہ دس امور تھے جو ارتجالاً زبانِ قلم پر آ گئے "عشرہ کاملہ" کے بعد اب مترجم صحیح ترجمہ پر قدرت پا سکتے ہیں۔ مجھے کسی سے توقع نہ تھی کہ یہ خدمت صحیح طور پر انجام دے سکے گا،

میری خود بھی ہمت نہ تھی کہ اس لق و دق صحراء میں قدم رکھوں، اگرچہ عرصہ دراز سے احساس تھا کہ اس کے ترجمہ و تشریح کی ضرورت ہے، جس وقت شباب تھا اور فرصت بھی تھی، دماغ میں تازگی تھی اور عہد انوری کی صحبتوں کی یاد تازہ تھی اس وقت ترجمہ نہ کر سکا اور اس سعادت سے محروم رہا۔ حالانکہ 'نفحۃ العنبر' میں ۴۵ برس پہلے لکھ چکا تھا کہ خدا کی قسم! انوری علوم کے باغ و بہار اور وہبی علوم کا نمونہ اگر دیکھنا ہو تو رسالہ "خاتم النبیین" ملاحظہ کیا جائے۔[1]

الحمد للہ کہ یہ سعادت میرے ہم نام اور میرے ہم کام میرے مخلص رفیقِ کار مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی کے حصہ میں آئی جو اس "عشرہ کاملہ" سے متصف تھے باکمال سے تھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ اِس کے ترجمہ و تشریح کے فرض سے نہایت کامیابی کے ساتھ عہدہ برا ہوئے اور اس علمی و دینی خدمت کا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بارگاہِ قدس میں قبول فرمائے اور مترجم کے لیے سعادتِ دارین کا وسیلہ بنائے اور حضرت مولانا انور شاہ رحمہ اللہ کی شفاعتِ مقبولہ کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ ——— کراچی

امیر مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت

جمعہ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ

---

[1] "نفحۃ العنبر" کا متعلقہ اقتباس حسب ذیل ہے۔

"اودع الشیخ فیہا نکات واسرارا وجبتیۃ ما یبھت الالباب والبصائر، ویروع القلوب والخواطر، احتوت علیٰ حقائق سامیۃ ربانیۃ، وبدائع حکم الٰہیۃ یبھت لہا الخیال وتحار لہ العقول، سنحس او ان مطالعتہا ان المرتبۃ السمٰی یمطل بدیہا، او ان البحر الذاخر یسیح بلجبہ، وایم اللہ ان محاسنہا الجلیۃ تاخذ بالقلوب، لا ادری بای وصف اصفہا، درر فاق بہا تہا، وغرر شاع ضوءھا وسناءھا وزہر فاح اریجہا وراق زہاتہا، للّٰہ من حکم یمانیۃ سمح بہا صدرہ و للّٰہ من معارف عالیۃ نشرت من سنی قلمہ۔"

دیباچۂ مترجم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد للہ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد:

حجۃ الاسلام حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری (۱۳۵۲ھ) کی آخری تصنیف "خاتم النبیین" جو عقیدۂ ختمِ نبوت پر علوم و حقائق کا بے مثال خزینہ ہے۔ ۱۳۵۴ھ میں جب پہلی بار شائع ہوئی تھی تب حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی زید مجدہم نے اپنے مقدمہ میں اس کے ترجمہ و تشریح اور تبویب کی ضرورت کا اظہار فرمایا تھا، یہ گویا ایک قرض تھا جو مسلسل چالیس پینتالیس برس سے وابستگانِ دامنِ انوری کے ذمہ چلا آتا تھا۔ ۱۳۹۵ھ کے وسط میں حضرت شیخ علامہ مولانا سید محمد یوسف بنوری مدظلہ کی جانب سے ایما ہوا کہ یہ ناکارہ اس خدمت کو بجالائے۔ یعنی "قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند"

اپنی کم سوادی و ہیچمیرزی کے باوجود تعمیلِ ارشاد کی سعادت سے محرومی گوارا نہ ہوئی۔ توکلاً علی اللہ اس کے لیے کمربستہ ہوگیا، اور توفیقِ خداوندی شعبان، رمضان اور عشرۂ شوال ۱۳۹۵ھ میں اس کے ابتدائی مسودہ کی تکمیل ہوئی۔ اکابر کی تصحیح اور نظرثانی کی غرض سے اس کا قسط وار سلسلہ ماہنامہ "بینات" میں شروع کر دیا گیا اور اب کافی اصلاح و ترمیم کے بعد اسے مستقل شائع کیا جارہا ہے۔ جدید اشاعت میں درج ذیل امور کی رعایت کی گئی ہے:

الف: فارسی متن میں کافی غلطیاں تھیں ان کی تصحیح پر حتی الامکان توجہ کی گئی ہے۔

ب: قرآن کریم کی آیات، احادیثِ طیبہ اور دیگر نقول کے بیشتر حوالوں کی تخریج کی گئی۔

ج: کتاب کے منتشر مضامین کو "تبویب" کے عنوان سے مرتب کر دیا گیا۔

د: کتاب کے آخر میں آیات، احادیث، اسماء، اماکن اور کتابیات کا اشاریہ شامل کیا گیا۔

ہ: فارسی متن اور اردو ترجمہ دونوں کو الگ الگ کر دیا گیا اور دونوں میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے کتاب کو ۲۳۰ فقروں میں تقسیم کر دیا گیا (تبویب اور اشاریہ میں بھی انہی فقرہ نمبروں کا حوالہ دیا گیا ہے)

و : ترجمہ کو عام فہم بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ تشریحی الفاظ کا اضافہ قوسین ( ) کے درمیان کیا گیا ہے۔ بعض جگہ "تشریح" کا عنوان دے کر شرح کی گئی ہے۔ اور بعض مقامات پر حواشی ہیں۔

کتاب کے ترجمہ و تشریح اور تخریج و تبویب میں اس ناکارہ کو جو تعب اٹھانا پڑا اس کی داستان سرائی مقصود نہیں، نہ اسے الفاظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اپنی معذوری کا اظہار ضروری ہے بس یوں سمجھئے کہ کسی ناتوان آدمی کو ایک بھاری پتھر اٹھانے پر مامور کر دیا جائے اور وہ مسکین اس مہم پر اپنی ساری توانائیاں صرف کر ڈالے۔ اس کے باوجود اگر اسے کامیابی نہ ہو تو ملامت کا نہیں بلکہ عفو و ترحم کا مستحق ہے۔ اسی طرح "خاتم النبیین" میری استعداد سے بہت بلند و بالا تھی پس اگر میرے کوتاہ قلم کو کسی جگہ ادائے مطالب میں لغزش ہوئی ہو، یا کسی تعبیر میں کوئی سقم نظر آئے تو مجھے اپنی بے بضاعتی کا اعتراف ہے اور میں اہل علم سے عفو و اصلاح کا خواستگار ہوں۔ اور اگر کہیں ناگاہ کوئی بات ٹھکانے کی نکل گئی ہو تو یہ حق تعالیٰ شانہ کی عنایت اور میرے اکابر کی کرامت ہے ع ورکنہ: من ہماں خاکم کہ ہستم"

مصنف امام نے جگہ جگہ مرزا غلام احمد قادیانی کو "ایں شقی" اور "ایں لعین" جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے، اور مترجم نے بھی اسی کا تتبع ضروری سمجھا ہے مترجم اس سلسلہ میں کسی معذرت کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ کیونکہ دعویٰ نبوت کی وجہ سے جو حیثیت مسیلمہ کذّاب اور اسود عنسی کی تھی وہی مرزا قادیانی کی ہے اور جن القاب و خطابات کے وہ مستحق تھے وہی استحقاق مرزا قادیانی کو بھی حاصل ہے

امام کی اس امانت کو اردو قالب میں پیش کرتے ہوتے ہیں بارگاہِ ربّ العزت میں سجداتِ شکر بجا لاتا ہوں۔ اور اس کریم مطلق سے ملتجی ہوں کہ اپنے مقبول بندوں کے طفیل اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور اسے اپنے بندوں کی ہدایت اور اس ناکارہ کی نجات و مغفرت کا ذریعہ بنائے۔

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم
بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

بندہ محمد یوسف لدھیانوی عفا اللہ عنہ و عافاہ
خادم مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان
تغلق روڈ ملتان

۳۰ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ

خاتم النبیین

تالیف : امام العصر حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱ـــــ حمد و شکرِ نامحدود مر ربِّ معبود را کہ خالقِ کون و مکان و زمین و زمان است، وصلوٰۃ و سلامِ نامعدود بر سرورِ کائنات و ہر موجود کہ رسول اللہ و خاتم النّبیّین و غایتِ کُنْ فکَان است. و بر آل و اصحابِ وے، و کافۂ اُمّتِ مرحومہ و انجابِ وے۔

۲- خدائے کہ داورِ روزِ جزا است | بخود آئیِ خویش، نامش خدا است
بدستِ وے ایں ہست بالا و پست | بوے ہست شد ہرچہ موجود ہست
وگر نیک بینی ہموں ذاتِ اواست | دگر جملہ ایں دفتر، آیاتِ او است
بایں بارگہ ایں کہ بانگِ درا است | پس از نوبت خواجۂ دوسرا است
محمد کہ بُد فتح و ختمِ پیام | علیہ الصّلوٰۃ وعلیہ السّلام
وجودش کہ خود آیت و رایت است | ہمہ بود تمہید و اُو غایت است

۳ـــــ سپس بندۂ ہیچ میرز محمّد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ بعالی خدمتِ کافّۂ اہلِ اسلام از خواص و عوام عرض می دہد، کہ ایں مقالہ ایست در ختمِ نبوّت و تفسیر کریمۂ خاتم النّبیّین، کہ در ردِّ الحاد و زندقہ و کفر و ارتدادِ کادیانی۔ علیہ ما علیہ۔ صورتِ تحریر بست۔ واگرچہ ایں شخص بہرۂ از علم و عمل نداشت۔ و از فرق تا قدم از فضائلِ علم و فہم و تقویٰ و طہارت محض فارغ و عاری بود۔ و ہیچ حقیقتے را از حقائقِ عُرفاً صحیح نہ فہمیدہ، ترکیب وے از خبط و خلط و جہلِ مرکّب و ذلّ

وخواری بوده، لیکن دعوئ نبوّت و مسیحیت کرده تهلکهٔ در اُمّتِ مرحومه گذاشت

۴ـــــــ مانکسانیکه در نظمِ قرآنِ حکیم و حوارِ لغتِ عَرَبِ عُرباء ذوقے دارند ازیں مقال محظوظ و مرزوق توانند شد ـ و ہرکہ اعجازِ نظمِ تنزیل در مفردات و ترکیب و تقدیم و تاخیر و تعریف و تنکیر و حذف و ذکر و اظہار و اضمار و فصل و وصل و ایجاز و اطناب دیده و فهمیده باشد ہر آئینہ در اعانتِ حقّ داد و ادراکِ مراد شکوخ نخورد ـ و باین و آں ہر چہ است در یدِ قدرت است مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ حق تعالیٰ حق و اہلِ حق را نصرت و معونت دہاد ؎

دردِ سرِ ما ہمیں سرِ ما است　　بارے کہ بدوشِ ما است دوش است

۵ـــــــ (۱۳۵۱ ہجری)

حضرتِ حق! دینِ حق استاده دار　　تا ز سرِ کفر برآرد دمار

نجم پئے رجمِ شیاطین فرست　　زیرِ زمین ہمچو خراطین فرست

ہست چہ در دستِ منِ مستہام　　ہم تو کنی ہرچہ کنی بے کلام

من نہ پئے خویش در آویختم　　بہرِ رضاءِ تو سر انگیختم

نالہ کہ در سینہ نگنجد درون　　از پئے تنفیس برآمد برون

اے ملک مالک و اے بے نیاز!　　کارِ تو از تست نہ از خانہ باز

خود تو پئے دینِ خود امداد کن　　بیخ و بُنِ ردّت و الحاد کن

۶ـــــــ باید دانست کہ در اجرائے سلسلۂ ابوتِ نبوّتِ بلا فصل تلازم عقلی و یا شرعی نیست، لیکن مشیئتِ اَزلیہ نبوّت اولاً در ذُرّیتِ نوح علیہ السّلام نہاد، سپس در ذُرّیتِ ابراہیمؑ، و ایشاں دعاء ہم کرده اند کہ

وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ [1] وابوت چوں بسوئے معانی مضاف باشد متضمنِ اجراء آں سلسلہ بود، چنانکہ در "فتوحات" از بابِ ثالث عشرہِ ثلثمائۃ آوردہ "کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم ابِ روحانیِ ما ہستند، و آدم علیہ السلام ابِ جسمانی، و نوحؑ کہ آدمِ ثانی اند اول آباء در رسالت اند، و ابراہیمؑ اول آباء در اسلام" — پس ایں کلمہ ناظر بسوئے ایں مرام ہم است — و بریں تقدیر خیال رفتے کہ شاید ایں سلسلہ من بعد در ذُرّیتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نہند، لاجُرم گفتہ شد کہ سلسلۂ ابوت نیست، و لیکن سلسلۂ نبوّت دائم بلا فصل است، و تجدیدِ وے نخواہد شد، و ابوت کہ متضمنِ اجراء کدام سلسلہ می باشد، و در ایں جا اگر بودے مناسبِ اجراءِ سلسلۂ نبوت بودے، موجود نیست، بلکہ بجائے آں ختم نبوت است. پس ایں است وجہِ اتّساقِ کلام کہ در "لکن" شرط نہادہ اند، و بسیارے را ازاں ذہول و غفلت واقع شدہ، و نہ دانستہ کہ ابوت مناسبِ اجراء است و اَب بمعنے اصل از ہمیں متفرع۔

۷ ——— واکنوں حاصلِ آیۃ آنست کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم برائے نبوت نیستند، بلکہ برائے ختم آں۔ و اجراء بالاستفادہ را بالاولیٰ نافی است، کہ ابوت دراں صورت اَوضح است، برخلاف استقلال — فافہم۔

۸ ——— واگرچہ در زمانِ سابق بآمدنِ نبیِ لاحق نُبوّتِ نبیِ متقدم بحال ماند، تاہم صادق بود کہ نبیِ دیگر رسید، و ایں عُہدہ تازہ شد، برخلافِ عہدِ خاتم الانبیاءؑ

---

[1] البقرہ: ۱۲۹

کہ من بعد کسے نیاید۔ ولہذا فرمودند خاتم النّبیین۔ یعنی خاتمِ اشخاص ۔ و
ازاں لازم آید کہ خاتمِ نبوّت ہم شوند، وچوں تجدید نکردہ شود دائم بلا فصل ماند۔

۹ــــــ وایں ہم احتمال نماند کہ خاتمِ نبوّتِ مستقلہ باشند، ولیکن باتباعِ ایشاں جاری ماند، بلکہ خاتمِ اشخاص ہستند، واوشاں باہم باعتبارِ شخصیت تغایر دارند، یعنی نبوّتِ اوشاں اصالۃً باشد یا باتباع، در ہر حال من حیث الشخصیت اشخاصِ متغائرہ ہستند، و وجوہِ متمایزہ ۔ نہ اینکہ در صورتِ اتباع تغایرِ شخصی ازنظر مطروح شد۔ بلکہ در تعداد ہمچناں ہستند کہ بودند، ونصِّ قرآن بنظرِ ختمِ ہمیں عدد و اختتامِ ہمیں سلسلہ آمدہ، و بسوئے تقسیمِ نبوّت دا بداءِ اقسام اصالۃً واتباعًا تعرض نفرمودہ، پس اہدارِ منطوقِ قرآن ۔ واعتبارِ آنچہ در نظرِ وے مطروح است اخلاءِ قرآن از محطّ و مقصودِ وے است، کہ اکبر الحاد است۔

۱۰ــــــ سپس تقسیمِ نبوت بسوئے اقسام، کہ نبوتِ انبیاءِ بنی اسرائیل کہ بر شریعتِ موسوی بودند، ثمرۂ اتّباع نبودہ[1] بخلافِ سلسلۂ محمّدیہ کہ ثمرۂ

---

[1] علماء رح گفتہ اند کہ قولِ وے تعالیٰ 'خاتم النبیین' از جانبِ حضرتِ حق وصیت است، وایقاظ و تنبیہِ عالمین را کہ ایں پیغمبر آخرین پیغمبر است، وآخرین حجت کہ تمام کردہ شد و دین شے آخرین دین و آخرین پیغامِ خدا۔ نشود کہ از وے محروم مانید۔ ہمچو قولِ محتضرِ قوم کہ ایں کلامِ من باشما آخرین کلام و آخرین عہد و وصیت است، مبادا کہ ضائع کنید، و وقت فوت سازید۔ ومعلوم است کہ رسول برائے امّتِ خود ہستند وخاتم باعتبار سابقین۔ وایں نکتہ کہ علماء رح ارشاد کردند بغایت لطیف است، واتساقِ نظم ازاں واضح می شود کہ من بعد منتظرِ کسے نمانید۔ منہ۔

(حاشیہ لہ اگلے صفحہ پر)

اتباعِ آن حضرت است، کلامے بے معنیٰ و تسویلے از جانبِ خود است۔ خصائصِ فاضلہ در ہر جا موجود باشند، پس آن خصائص و مزایا بمنزلۂ شرطِ بے تاثیر و موقوف علیہ محض ہستند و یا بمنزلۂ سبب و علتِ مؤثرہ و ایں ہم امورِ غیبیہ است۔ و دینِ سماوی آن کہ ایں منصب از مواہب است نہ از مکاسب۔ پس حالِ نبوّت اگر من بعد ہم جاری بودے، یکساں بودے، چنانکہ در چشمۂ مسیحی ص ۴۲ خود ہم من حیث لا یدری التزام کردہ۔

۱۱۔۔۔۔۔ واعجب ازاں اینکہ خود را اسرائیلی ہم می گوید[1] پس فرقِ مسیحِ اسرائیلی و مسیحِ محمدی، چنانکہ می سراید، از میاں برخاست۔

۱۲۔۔۔۔۔ و چوں انبیاء بنی اسرائیل کہ بر شریعتِ توراۃ بودند شریعتِ جدید نداشتند پس نبوّتِ ایشاں بغیر تشریع بود، و ہمچنیں ایں ملحد بعد خاتم الانبیاءؐ جاری دارد، فرقے در منصب سپرد کردہ بایشاں ہیچگونہ نماند، و با اُمّت علاقہ مساوی در خارج و عیانِ حق افتاد۔ اعتبارِ ذہنی را کہ او ایجاد کردہ بامت چہ کار و چہ اعتبار، کہ امرِ ذہنی درونِ اذہانِ معتبرین است لاغیر، اندرِ خانہ خود ہر چہ تراشند تراشیدہ باشند، کہ بمحاورۂ ہندی 'من مانی' است، یعنی سخنے کہ فقط دل فرض کردہ، و حدیثِ نفس راندہ باشد، و تمنّا داشتہ

(حاشیہ[1] صفحہ گذشتہ) و تناقض کادیانی دریں مضمون از رسالۂ 'مراق مرزا' ص ۱۱ (یہ اعتقاد رکھنا پڑھتا ہے کہ ایک بندہ خدا کا عیسیٰ نام جس کو عبرانی میں یسوع کہتے ہیں تیس برس تک موسیٰ رسول اللہ کی شریعت کی پیروی کر کے خدا کا مقرب بنا)۔ منہ

[1] (خدا نے مجھے یہ شرف بخشا ہے کہ میں اسرائیلی بھی ہوں) ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۵۔ منہ

وبس، دخولِ ہشے خواستہ وگرہیچ۔

۱۳ـــــــ وحدیثِ مشہور کہ نبوت را بعمارت حسی تشبیہ دادہ ہمہ ایں اعتبارات واختراعاتِ ذہنی را استیصال کردہ، واز ذہن برحس رسانیدہ، کہ حالِ حیثیات واعتبارات نیست۔

۱۴ـــــــ وچوں مالکِ عمارت عمارت را باتمام رسانیدہ ختم کند، مزدوراں را نمی رسد کہ مناقشہ کنند کہ ختمِ عمارت نقیصہ است۔

۱۵ـــــــ البتہ بقاءِ شریعتِ سابقہ ویا تجدیدِ امرے معلوم الحال ومفہوم است، وہمچنیں بآمدنِ نبیِ لاحق در بنی اسرائیل بسا اینکہ اُمتِ نو نشمردند، وگاہے ایں علاقہ ہم تبدیل می تواں شد، زیراکہ بقاء وتبدیل ہر دو در احتمل است۔ پس علاقۂ بقاءِ شریعت وتجدیدِ آں، وہمچنیں علاقۂ اُمّتِ کسے بودن، تبدیل تواں شد۔ وایں فروق معقول المعنی ہستند واثرے دارند۔ بخلافِ فرقِ ایجاد کردۂ ایں ملحد، کہ ہیچ اثرے واثارۃً در دینِ سماوی ندارد۔ محض اختراع واتّباعِ ہوا است، وکسے را حق نیست کہ باتّباعِ ہوائے نفسِ خود رجم بالغیب کند، وحاکم آں شود، کہ سواءِ دلیلِ قاطع مسموع نیست۔

۱۶ـــــــ در سابق ہم تواں گفت کہ نتیجۂ اتّباع بود، ودر لاحق ہم تواں گفت، ودر خارج وشاہد درمیانِ ہر دو فرقے نیست۔ صرف اعتبارے ذہنی است کہ بایجادِ کسے در دین داخل نتواں شد، ونہ تفریع برآں درست۔

۱۷ـــــــ اہلِ حق، ہم کمالات وفیوضِ نبوّت را جاری گفتہ اند، وبابِ نبوّت را حسبِ نصِ قرآن وتواترِ احادیث کہ غیر محصور بدوں کدام تقیید و

اشتراط آمدہ اند، مسدود۔ پس چنانکہ ایں ملحد محلِ نص از خود تراشیدہ نبوت مستقلہ را او ہم بحسب زعمِ خود اتباعاً للنص ممنوع می دارد، و تقییداز جانب خود برائے نفسِ خود پیدا کند، آیا اہلِ حق را حق نیست کہ بتواتر احادیث علی رؤس الاشہاد و علیٰ اعین الناس بدون ذکر کدام حرف تقیید، و اجماعِ بلافصل از صدرِ اول، تحریفِ وے را مانند کالائے بد بر ریش وے می زنند؟

۱۸ـــــــــ و معلوم باد کہ درمیانِ رسول و نبی تبایُن نیست، لقولہ تعالےٰ وَكَانَ رَسُوْلًا نَبِيًّا [1] و نہ نسبتِ مساوات، لقولہ تعالےٰ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ [2] پس چوں ایں دو نسبت نیست لابد دگر نسبتے است، وآں از ہمیں کریمۂ مَاكَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ [3] مستفاد است، کہ عموم نبی و خصوص رسول است۔ رسول نزد جمہورِ علماء آں کہ کتاب و یا شریعتِ جدید دارد، ویا بشریعتِ قدیمہ بسوئے قومے جدید فرستادہ شود، چنانکہ اسمٰعیل بسوئے جرہم [a] و نبی کہ صاحبِ وحی باشد عام ازیں قیود۔ وجہِ ایں استفادہ آں کہ اگر مساوات بودے پس مقام مقامِ ارجاعِ ضمیر بود، نہ مقامِ اظہار۔ و در خاتم النبیین کہ اسم ظاہر آوردند برائے ہمیں نکتہ آوردند کہ محطِّ فائدہ بکلمۂ عمومِ عمومِ اختتام باشد، و من بعد انقطاعِ کلی متعلق شود۔ پس ایں صیغہ

---

[a] حضرت شاہ عبدالقادر در موضح القرآن از سورۂ مریم فرمودہ کہ رسول آنست کہ کتاب دارد، ویا امت۔ و ایں مختصر است۔ منہ۔

[1] سورۂ مریم : ۵۱ [2] الحج : ۵۲ [3] الاحزاب : ۴۰ -

برعمومِ نبی و خصوصِ رسول دلالت کرد۔ و معلوم است کہ مادۂ افتراقِ ایں عموم از خصوص صورتِ وحی بدون شریعت وکتاب است ، و بسبب ہمیں مادۂ افتراق تبدیلِ عنوان از اضمار بسوئے اظہار شدہ۔ پس بعد فہم ایں نکتہ جزیلہ آیت نص بر انقطاعِ نبوتِ غیر تشریعیہ است اُزیَدْ از انقطاعِ نبوتِ تشریعیہ۔ زیرا کہ اظہار بجائے اضمار برائے افادۂ ہماں اوّل واقع شدہ ، کہ ایں ملحد بسببِ قلتِ علم وکثرتِ جہل بسوئے آں ہدایت نیافتہ والحمدللہ الذی عافانا مما ابتلاہ بہ

۱۹ــــــ وخاتم الانبیاءؐ باعتبار عددِ انبیاء کہ مبنی بر تغایرِ اشخاص است ، نہ بلحاظ دگر ، خاتم ہستند۔ وچنانکہ ابوتِ ایشاں بحقِ رجالِ بالغین بہر قسم منقطع است ، و تبنّی ہم ابطال شد ، نبوّت ہم در آنہا بہیچ قسم نماند ، و مقدّر نہ شد۔ و توارُث و استفادۃ آں نماند۔

البتہ نبوّتِ شخصیِ ایشاں در بدل دائم و قائم است کہ مُورِث خود موجود است چنانکہ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ آمدہ [1] ولہٰذا در ہمیں سورہ فرمود وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ [2] پس دگر علاقہ را باقی داشت ، نہ ایں سلسلہ را۔

۲۰ــــــ وحاصلِ آیت مع لحاظِ قصۂ تبنّی آں کہ شما کہ سلسلۂ ابوت را جاری می فہمید ، کہ مناسبِ اجراءِ نبوّت است ، در تقدیرِ ما ختمِ نبوّت ، نہ اجراء بر وے است۔ و بہمیں وجہ لفظِ ابوت را گرفتہ ، نہ لفظ تبنّی را۔ وکدام فرزند

---

[1] رواہ البیہقی وابویعلیٰ والبزار من حدیث انسؓ وصححہ البیہقی (فتح الباری ص ۳۵۲ ج ۶) وقال الہیثمی رجال ابی یعلیٰ ثقات (مجمع الزوائد ص ۲۱۱ ج ۸) [2] الاحزاب ۶:

بر وقتِ نزول موجود ہم نبوده ـــــ پس ترکِ لفظِ تبنّی برائے ہمیں نکتہ است لاغیر، ور نہ حقِ مقام ابطالِ تبنّی بود۔

۲۱ ـــــ وشاید لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَاهُ صَدَقَةٌ[1] از ہمیں کریمہ ماخوذ است، یعنی نہ توریثِ مال خواہد بود، و نہ توریثِ نبوّت، کہ از آں میسر شود۔ چناں کہ در یَرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ آلِ یَعْقُوْبَ[2] وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ[3] ہر دو احتمال نوشتہ اند، ایں جا ہر دو نیستند، البتّہ یک رسالت و ختمِ نبوّت است کہ تا آخر سے کے ماند، در سایۂ عاطفتِ وے ہمیشہ برخورید، و منتظرِ توریث نمانید۔

۲۲ ـــــ وشاید از ہمیں تناسب بحقِ حضرت علیؓ حدیث اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ـــــ[4] آمده، کہ مشارِ استثناء تشبیہ ذاتِ علیؓ با ذاتِ ہارونؑ نیست، زیرا کہ لفظِ حدیث ایں نیست کہ اَنْتَ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ بل اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی کہ تشبیہ علاقہ با علاقہ است، یعنی چنانکہ موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام را خواست۔ من ترا خواستہ ام، ولیکن ازیں اخوت، نبوّت موروث نیست، و در خصائص صـ۲۴۹/۲ از طبرانی آورده اِلَّا اِنَّهٗ لَا نُبُوَّةَ وَلَا وِرَاثَةَ۔

۲۳ ـــــ از اثباتِ ابوت توہمِ توریثِ نبوّت بود، و چوں نفیِ آں کردند

---

[1] اخرجہ الشیخان من حدیث ابی بکرؓ مشکوٰۃ ص ۵۵۰ [2] مریم: ۶ [3] النمل: ۱۶

[4] اخرجہ الشیخان عن سعد بن ابی وقاصؓ۔ مشکوٰۃ ص ۵۶۳۔

استدراک بختم آں مناسب افتاد ۔ وظاہر است کہ اگر نبوتِ حضرتِ علیؓ مقدّر بودے ہر آئینہ باتباعِ آنحضرتؐ بودے ، ولیکن آں ہم مقدر نیست ، پس ادعاءِ ایں قسم ہم محض الحاد است ، وبرائے تمشیۂ ہوائے خود۔

۲۴ــــــ وچوں صاحبِ اختیار و مالکِ زمامِ امر حکم کند کہ فلاں سلسلۂ ممتدہ را بر فلاں حد ختم خواہد کرد کسے اگر اجراءِ آں بتاویل ، کہ مساوی تحریف بود ، تجویز کرد ، با صاحبِ اختیار و مالکِ امر معارضہ می کند و تمسخر با کلامِ وے زیرا کہ وے خود امتداد بیان کردہ حد می نہد ، و ایں متمرّد در مواجہۂ وے کلامِ وے را بر خلافِ مرامِ وے فرد می آرد۔

۲۵ــــــ پس دودِ نبوّت درسابق باقی بود و بر خاتم الانبیاءؐ ختم شد ، و زمانہ تا آخر مشمول بہ نبوّتِ اوشاں گردید ۔ ودرختم کردن کدام کار با صاحبِ اختیار چہ مناقشہ است بہ آخر بہ کدام وقت ختم کردوے ؟ ومن بعد سوال ہمچناں است کہ در حدیث آمدہ خلق اللّٰہ کل شیء فمن خلق اللّٰہ[1] لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔

۲۶ــــــ وانتہاءِ امر گاہے بسببِ فقدانِ قابل باشد کہ نقص است ، وگاہے بسببِ ارادۂ فاعل کہ بر کمال رسانیدہ ختم کند ، و ایں کمال است۔

۲۷ــــــ ویحتمل کہ مرادِ صدّیقہ قُوْلُوْا خَاتَمَ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا

---

[1] متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ ۔ مشکوٰۃ ص۱۸

لَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ[1] بلحاظِ ایں امر باشد کہ معاذ اللہ نبوتِ آنحضرتؐ ہم تمام شد، و حکم وے باقی نماند، و یا مانند زمانۂ فترت گردید۔ چنانکہ محتمل است کہ بلحاظِ آمدنِ حضرتِ عیسیٰ علیہ السّلام فرمودہ باشد۔

۲۸ـــــــ تعلّم تلمیذ علم استاذ را و استفادۂ کمالات حسبِ فطرتِ خود، عادتِ عالم است، و ہمچنیں استفادۂ مُرید از مُرشد موجود و معہود۔ و انعکاسِ نبوّت و استفادۂ آں بصحبت و ریاضت و اتّباع در تاریخِ دینِ سماوی حقیقتے ندارد، و عنوانے است کہ تحت آں مَعْنُوں نیست، و نہ کدام حکم مرتب ـــــ مانندِ آنکہ بدعوائے اتحاد با بادشاہ ادعائے لقب وے کند و سزائے بغی را سزاوار رسد۔

۲۹ـــــــ و معلوم باد کہ اجرائے نبوّت باستفادہ از حضرتِ خاتم الانبیاءؐ من حیث العربیّت ہم در آیۂ کریمہ باطل است، چہ کلمۂ 'لکن' برائے قصرِ قلب است، و ما بعدِ آں در بدلِ ما قبل می باشد، و در میانِ ہر دو تبادل و تدافع شرط است، تا بدل و مُبْدَل منہ جمع نشوند، چنانکہ در کتبِ معانی و نحو بتفصیل مذکور است ـــــ و در میانِ ابوّت و ختمِ نبوّت بلا واسطہ ہیچ تدافع نیست کہ ثانی در بدلِ اول افتد، و شرطِ استعمالِ 'لکن' موفّر شود، بلکہ ہر دو جمع می توانند شد۔ پس تفسیرِ آیت ہماں است کہ از ما گذشت کہ از ابوّت اجرائِ نبوّت متوہم بود، پس ابوّت را نفی کردہ در بدلِ وے ختمِ نبوّت نہادند، چہ در بقاءِ ابوّت و ختمِ نبوّت گونۂ حسبِ سُنّتِ سابقہ تدافع بود، فاعلم و افہم۔

---

[1] در منثور ص ۲۰۴ ج ۵۔

۴۰ ـــــ و فی الحقیقت نبوت برائے تکمیلِ نفسِ ذواتِ انبیا نیست؛ کہ آں تکمیل ولایت است، کہ جزء مندرج در نبوت است، بلکہ برائے تشریع و یا حفظ و ابقاء آں و سیاستِ امت۔ و در ینجا شریعت خود کمال یافت؛ و حفظ را خود حضرتِ حق متکفّل کہ اِنّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ [۱] و اکنوں نہ تشریع ماند، و نہ حاجتِ حفظ۔ چناں کہ می بینی کہ در خارج محفوظ است، و جزء تکمیلِ نفسی ولایت است۔

۴۱ ـــــ و شاید لفظِ ختم در عُرف لغت باشخاص اَنسَب باشد، و انقطاع بوصف رسالت و نبوت، نہ اشخاص۔ ختم امتدادِ ما قبل را می خواہد و ایں امر در مفہومِ انقطاع معتبر نیست، پس قرآن فرمود کہ اشخاص ختم شدند، و حدیث فرمود کہ ایں عُہدہ باقی نماند، و یا منقطع شد۔

۴۲ ـــــ صورتِ عالم نہ از ابتداء کمال گرفتہ اند، و نہ بہ تماثلِ ادوار و اکوار، بلکہ برطورِ تربیت از تمہید بسوئے مقصود، چنانکہ در جواہر و اَحجار و نباتات و اشجار و حیوانات و انسان مشہود است۔ و چوں مخلوق را از نفسِ واحدہ آغاز کردند، سپس بر وفور و کمال رسانیدند، معلوم شد کہ ذاتِ اکمل را ہماں وقت خواہند آورد، نہ بر عکسِ ایں۔ و چنانکہ ابتداء بآدمِ صوری و زمانی است، نہ کدام اعتباری و اضافی۔ ہمچنیں انتہا بخاتم الانبیاء صوری و معنوی ہر دو گونہ باید بود، یعنی من بعد انقطاعِ اصلِ نبوت و کمالِ آں ہر دو باید، نہ اضافی و یا معنوی فقط۔ و ہمیں است مُؤدّی حدیثِ عرباض بن ساریہؓ عن

---

[۱] الحجر: ۹
۱۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اِنّی عند اللہ مکتوبٌ خاتم النّبیّین وَ اِنَّ آدمَ لمنجدلٌ فی طینتہٖ[1] مراد آنست کہ در ہدایت امر نہایت بر من مرعی بود، من حیث الزمان و من حیث الکمال ہر دو۔ واگر اضافی گیریم نہ حقیقی، مقابلہ با آدم علیہ السّلام فوت شود، و حدیث بے ربط می گردد۔ و ایں مضمون در احادیث متکرر است۔

۴۳ ـــــ و مخفی مباد کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ہمہ دائرہ نبوّت و مقام و مسافت آں را از اوّل تا آخر سطے فرمودہ اند، و لہٰذا در اوّل و آخر ظہور یافتند، و حاوی ہمہ ایں دورہ شدند۔ و بریں تقدیر آمدنِ کسے دگر بعد ایشاں، اگرچہ باستفادہ از ایشاں باشد، منقصت است کہ بذاتِ خود آں مرحلہ را سطے نفرمودہ اند۔ ایں نکتہ را خوب باید فہمید و سنجید کہ ایں غبی شقی ازاں محروم ماندہ است۔

۴۴ ـــــ در فتوحات از باب ثانی و ثمانون و ثلثمائۃ چیزے از چنیں خواتم و فواتح آوردہ و زیرِ سیادتِ آں خواتم سابقین را نہادہ، نہ استفادہ از وشاں من بعد، کہ ختم علی الاطلاق صادق نماند۔

۴۵ ـــــ و ایں امر ہم قابلِ لحاظ است کہ منتہیٰ[1] کمال اگر باعتبارِ 'لِمٌ' مبداء است، باعتبارِ 'انٌ' مستند است، کہ مؤخّر باشد۔ و شاید در قوسِ نزولی و عروجی کہ مقرر صوفیۂ کرام است۔ و شاید در یتنزل الامر بینھن[2] و بازمن اللہ ذی المعارج[3] اشارہ بسوئے آنست۔ ایں گونہ واقع شود۔ و شاید در سُنّت اللہ در ہمچو خواتم صورت ختم معنوی یعنی ختم کمالات

---

[1] رواہ فی شرح السنۃ، و رواہ احمد عن ابی امامۃ رض۔ مشکوٰۃ ص ۵۱۳ [2] الطلاق: ۱۲ [3] المعارج: ۳

ہمیں ختم زمانی آمدہ، چہ ہر معنی را صورتے است مناسبہ، وہمچنیں مرتبہ و مکانہ را۔ وچوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را فاتح و خاتم گردانیدن بود ہمیں صورت بود۔ فیلسوفِ اشراق شہاب الدین مرجعِ جملہ اقسامِ تقدّم وتاخّرِ زمانی می نہد۔

۳۶ـــــــ واین امر ہم باید فہمید کہ مدلولِ لفظِ ختم را تعلق بما قبل است نہ بما بعد، پس بحسبِ مدلولِ آیت تعلقے کہ آنحضرتؐ را بانبیاء است ہمگی تعلق خاتمیت است، وآں با سابقین باشد، نہ بالاحقین۔ واو شاں زیرِ سیادت مانند، کہ اتباعِ سابق لاحق را اوضح است در کمالِ لاحق بہ نسبت عکسِ این۔ و رعیت پیشتر باشد، سلطان بعدِ شاں۔ چنانکہ انبیاءؑ لیلۃ الاسراء بعد اجتماع در بیت المقدس برائے صلوٰۃ بسوئے امام می دیدند۔ غرض اینکہ ہر چیزیکہ از مقتضیاتِ اجتماع باشد بعد وے آید، نہ قبل وے۔ چنانکہ در بابِ آدم علیہ السلام ہم سامان پیشتر آوردند و خلیفہ من بعد۔

۳۷ـــــــ واختتامِ کمال بر کسے واتمامِ مقصد بر وے فی نفسہٖ فضلِ تام است، ومعارضِ تمویہِ نبی ساز بودن۔ پس اگر این دو امر را جمع کردن است صورتِ وے ہمیں است کہ سابقین را زیرِ سیادت دہند، وختمِ کمال کنند، چہ بآوردنِ لاحقین ثابت خواہد شد کہ مقصد ہنوز تمام نشدہ، بلکہ زیرِ کار است۔

۳۸ـــــــ فی الجملہ چوں در زمانِ انبیاءِ سابقین زمانہ ممتد بود، یکے را بعدِ دیگرے برائے تکمیلِ کار آوردند، وچوں ارادۂ انقراضِ عالم نمودند نوبت

بخاتم الانبیاءؑ رسید، و این سلسله را ختم فرمودند۔ و اکنون این شبہہ کہ نبوت دہی ساز" نماند شبہہ شیطانیۃ و قیاسِ سوقیانہ و احمقانہ است، و مزاحمت است با صاحبِ امر کہ مالک الملک است۔

۳۹ـــــ و این اولاً ابلیس آغاز کردہ، کہ برائے او ناب خود ازث گذاشت۔ حق تعالےٰ فرمودہ کہ ما خاتم الانبیاءؑ را ختم نبیین گردانیدیم، این شقی می گوید کہ برائے تراشیدنِ انبیاء آمدند۔ و این گونہ صریح معارضہ و مناقضہ حضرتِ حق ابلیس کردہ کہ ازثِ وے باین شقی رسید۔

۴۰ـــــ وقیاسِ نبوّت بر قوتِ مولّدہ، کہ برائے ابقاءِ نوع می باشد، و در انواعِ متناسلہ نہادہ اند، می کند۔ حق تعالےٰ اعلانِ ختم عہدۂ نبوت می فرماید، و ہمیں نوع را ختم می کند۔ واللہ یقول الحق و ھو یھدی السبیل۔

۴۱ـــــ پس نحوے در مجموعِ شخصِ اکبر، کہ مجموعِ عالم است، نظام نہادہ اند، و کمالِ عالم را بر سرورِ کائنات ﷺ ختم کردند، "اول الفکر آخر العمل"۔ احقر در نعتے گفتہ است:

اے ختمِ رُسل اُمتِ تو خیر اُمم بود
چوں ثمرہ کہ آید ہمہ در فصلِ اخیری

۴۲ـــــ و معلوم است کہ ہر کثرتے کہ راجع بسوئے وحدت نباشد، و در دسے منسلک نگردد مانندِ شیرازۂ منتشر است کہ در صددِ تلاشی است، و در ہر چیزے کہ وحدت قوی است گامی تر است، و صورتِ نوعیۂ وے

اشرف ۔ در روحِ انسان، سپس ہیکلِ وے، سپس دگر کائنات و موالید درجہ بدرجہ تامل باید کرد، مانندِ قماش و سامانِ متفرق نیستند، و نہ مانندِ عناصر کہ مادہ است، وازیں جا فیلسوف می گوید کہ از مادہ کثرت است و از صورت وحدت۔

۴۳ ـــــ تمت تمام شد و کار بنظام شد، و بحث اندریں کہ آں "دینِ دینِ لعنتی است کہ "نبی ساز" نباشد، امتانِ سابقہ را ہم با انبیاء خویش می رسید کہ وجہِ اختصاصِ شما چیست ۔ و ہمیں معارضہ ابلیس با حضرتِ حق جل وعلا شانہ کرد کہ چرا انتہاءِ امر بر اصطفاء و اجتباء حضرتِ تو باشد؟ کہ ایں بحث بطورِ ارث از ابلیس بسوئے ایں مدعی رسیدہ۔ وحقیقۃ الامر آنکہ چنانکہ امم سابقہ در اظلال انبیاء سابقین می گذارند و حسبِ مشیتِ الٰہیہ مراتبِ قرب غیر از نبوت می یافتند با انبیاء۔ ہر یک شخص از امت مبارات نکرد و نیاویخت۔ پس چنانکہ نسبتِ آں نبی دراں زماں با امتِ خود، کہ مشتمل بر نبی نبود، متحقق بودے، اکنوں مشیتِ الٰہیہ ایں است کہ ہماں نسبتِ واحدہ تا آخر زمان ماند و ایں علاقہ باہمہ امت بلا واسطہ تا ختمِ عالم ماند۔

۴۴ ـــــ و حدیثِ ترمذی از ہمہ غم و ہم شفاءِ صدورِ مومنین کردہ
إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ قَالَ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ لٰكِنَّ الْمُبَشِّرَاتِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ فَقَالَ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ هِيَ جُزْءٌ مِنْ أَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ ۔ ہذا حدیث حسن صحیح[1] پس ایں حدیث بس ہمیں کرب کردہ۔ و صاحبِ فتوحات در بابِ ثالث و عشرون

---

[1] ترمذی ابواب الرؤیا ص ۴۲ ج ۲ عن حدیث انس رض

و ثلثمائۃ ہم چیزے دریں باب فرمودہ۔

۴۵ـــــــ و چوں زیرِ سیادتِ آنحضرتؐ ہمہ انبیاءِ سابقینؑ ہستند، و در محشر تحتِ لواءِ وے، و نیز نبی الانبیاء ہستند، چنانکہ علماء و عرفاء تصریح فرمودہ اند۔ پس انبیاءِ سابقین در ماتحتی آمدہ دریں باب از انبیاءِ لاحقین مستغنی کردند، و دگر حاجتے نماند، و صادق آمد کہ سبقیے ہستند کہ ماتحت انبیاء دارند، مگر سابقین نہ بعد اوشاں۔ نظامی فرماید ؎

کنت نبیا کہ علم پیش برد   ختم نبوّت بمحمد سپرد

۴۶ـــــــ و ہمین است مؤدّیٰ حدیث نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ[1] وحدیث كُنْتُ اَوَّلَ النَّبِيِّيْنَ فِي الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ کہ ابن ابی شیبہ و ابن سعد وغیرہم روایت کردہ۔ و تفسیر وے در حدیث دگر آمدہ قال اِنِّيْ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِيْ طِيْنَتِهٖ ۔ رواہ فی شرح السنۃ واحمد فی مسندہ کما فی المشکوٰۃ[2]۔ و مراد از مکتوب نہ محض مقدّر بودنِ نبوّت است، زیرا کہ در ہمہ انبیاء مشترک است، بلکہ تشریف بایں خلعت و اختصاصِ الٰہی است۔ و ازیں جا معلوم شد کہ نبوت از مواہبِ ربّانیہ است، نہ از مکاسب۔ و ہر وقت کہ از نشأت خواہند ایں تشریف ارزانی دارند، و بایں منصب استادہ فرمایند۔ واخرج مسلم من حدیث عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاصؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ كَتَبَ مَقَادِيْرَ الْخَلْقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

---

[1] اخرجہ الشیخان من حدیث ابی ہریرۃؓ۔ مشکوٰۃ ص ۱۱۹ [2] ص ۵۱۳

بِخَمْسِينَ اَلْفَ سَنَةٍ - وكَتَبَ فِي الذِّكْرِ اَنَّ مُحَمَّدًا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ؕ كذا في المواهب اللدنّية و لم اجده تامّا كذلك في النسخة الحاضرة من صحيح مسلم، والله اعلم - وعن عليؓ في شمائله صلى الله عليه وسلم "بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ؕ رواه الترمذی في الشمائل - وخاتم بمعنی ما يختم به الشئ اگرچه در ابتداء وضع آخرين آيد، وليکن در نظرِ ثانی اول افتد، و بسوئے ايں اشاره از حضرت عيسیٰؑ در مسند طيالسی ص ۳۵۴ آمده است -

۴۷ ـــــــــ سپس ايں شُبهه که دينِ کامل آنست که "نبی ساز" باشد، گفته آيد که اگر کار بر علّيت بالطبع و ايجاب ذاتی است، چنانکه ابليس بحث کرده، وبطورِ ارث اولادِ وے را رسيده، پس آں امرے است که خدا آں وقت تسليم نه کرده - واگر حوالۂ مشيّت و اراده است پس آں تشريف و اختصاص است که بر بالائے ہر کسے راست نيايد - وايں جا صورتے دگر است، که امرِ نبوت را بر کمال رسانيده اختتام کردند، ونخواستند که بر انحطاط ختم کنند، وايں اختتام در اِبّان ختم عالَم است، و بر وقتِ ختم کار و ترکِ وے بعد اتمامِ مقصد - ونخواستند که علاقۂ اُمّت با حضرتِ رسالت و نُبوّت واسطه در واسطه باشد، بلکه يک علاقه فراگيرد - ونخواستند که کدام جزء از اجزاءِ ايمانِ اُمّت فرو گذاشت شود، که بانکارِ کدام دگر مدّعی کافر شوند، بلکه تمام سلسلۂ انبياءِ سابق باشد که ايمان بر ناتم، متضمّنِ ايمان برجمه باشد، وکدام جزءِ ايمان

ازیں باب باقی نماند۔

۴۸ ـــــ در موضع از سورۂ اعراف ذیل وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیَاتِنَا یُؤْمِنُوْنَ[1] اشارہ بسوئے ایں معنے رفتہ و در سورۂ حج۔ و ہمیں است مؤدّیٔ کریمہ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا[2]

(هٰذه اکبر نعم الله علی هٰذه الامة حیث اکمل تعالٰی لهم دینهم، فلا یحتاجون الی دین غیره ولا الی نبیّ غیر نبیّهم، صلوات الله وسلامه علیه، ولذا جعله خاتم الانبیاء وبعثه الی الانس والجنّ) (تفسیر ابن کثیر)

پس اہلِ حق ایں اختتام را رحمت ونعمت شمردہ اند و هو قوله تعالٰی وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ[3]

۴۹ ـــــ وحق تعالٰی در آیاتِ کریمہ ہمہ اُمَم را یک طرف و ایں اُمّتِ مرحومہ را دگر طرف دارد۔ و ہمہ اُمّت را تا آخریک اُمّت اعتبار واعتداد کند۔ کنتم خیر امة اخرجت للناس[4] الخ۔ وکذلك جعلناكم امة وسطا لتکونوا شهدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا[5] فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید وجئنا بك علی هؤلاء شهیدا[6] لیکون الرسول شهیدا علیکم وتکونوا شُهَدَآءَ علی الناس[7] ویوم نبعث فی کل امة

[1] الاعراف: ۱۵۶ [2] المائدہ: ۳ [3] الانبیاء: ۱۰۷ [4] آل عمران: ۱۱۰ [5] البقرہ: ۱۴۳ [6] النساء: ۴۱ [7] الحج: ۷۸

شهیدا علیهم من انفسهم وجئنا بك شهیدا علی هؤلاء[1]
وبعثتِ خاتم الانبیاءؐ را متصل قیامت نهاده، درمیاں استے دگر ننهد۔

۵۰ــــــ وبطور معارضه بالمثل گفته آید که آں دین دینِ رحمت نیست که برتمام وے ایمان آرد، وبمجرد انکارِ نبوتِ کدام شقی کافر شود۔ ونیز سوال کرده آید که در دین هم، همیں قیاس است که آں دین دینِ رحمت نیست که دین ساز نباشد، و نبوّتِ ایں شقی که هنوز دگرے نتراشیده، و نه راضی است براں هم لعنت است یا چیست؟

۵۱ــــــ واز کلامِ سابق فهمیده باشی که آنحضرت صلی الله علیه وسلم را مانندِ واسطهٔ عقد نیاوردند، که علاقهٔ اوشاں با سابقین ولاحقین متغایر افتادے، بلکه مانندِ صدرِ جلسه که همه تمهید پیشتر باشد، سپس اختتام وبعد ختمِ مقصد جز رحیل امرے دگر نماند، والّا مقصد تمام نشد۔

۵۲ــــــ وایں شقیِ غبی در تلقهٔ کمال منقصت التزام کرده، در شهنشاهی وشاهانِ ماتحت وجانشینان مقصد هنوز تمام نشده، که سلسله جاری است۔ حکیم هیچ گاه بعد اتمامِ مقصد مزاولتِ عمل جاری ندارد۔ پس حرفِ اتمامِ مقصد وقیاس ایں شقی را خوب باید سنجید۔

۵۳ــــــ ونیز ایں سخن که شاهنشاه شاهانِ ماتحت را می آفریند، سخنے سطحی است، ورنه همان یک سلطنتِ شخصی است که تحتِ آں خلیفها در اتمام عمل گرفته، وولی عهد بسببِ غیبتِ اصل است۔ وهمه بسببِ

[1] النحل: ۸۹

عدمِ کفایتِ وے است در اعمال ۔ و اینجا اگر تولیدِ انبیاء برائے اعمالِ نُبوّت است، ذاتِ سرورِ کائنات کفایت فرمودہ ۔ و اگر برائے مجردِ ذواتِ اوشان است، و با اُمّت و اعمالِ نُبوّت سروکار نیست، پس آں بحقیقت نبوت نیست ۔ باقی ماند سیاست ! پس در حدیث، نُبوّت را ختم کردہ سیاست بر خلافت گذاشتہ اند ۔ و تربیتِ روحانی بر ولایت کہ جزء مندرجِ نُبوّت بود

۵۴ــــــ و اینجا بحثِ ابلیس را کہ شہرستانی در "ملل و نحل" تلخیص کردہ، کہ کلام در علم و قدرت نداشت بلکہ در حکمت کلام داشت، مراجعت باید کرد ۔ و نزدِ ایں ہیچ مداں کلام در اصولِ عدیدہ داشت، و اصلِ اصولِ کلامِ وے در ایجاب بالذات و بالطبع و یا ارادۂ اختیار و مشیّتِ الٰہیہ است، کہ وے در علّتِ ہر امر در آویزد، و آدم و بنی آدم تفویضِ امر بسوئے صاحبِ امر کردہ در اطاعت و تسلیم کوشند، و عبدیّت را نگاہ دارند، کہ عبدہٗ و رسولہ ۔ و ابلیس در اختیارِ مالک نزاع کند، و آویزد[۱] و ازیں قصّہ

[۱] و اذ قال ربك للملائكة اني جاعل في الارض خليفة. فيه مسئلة النبوة بعد الايمان بالله، وانه يبعث عبدا مفترض الطاعة، وان اطاعة الله يعتبر باطاعة غيره بامره، وهي الفاصل في حق اطاعة الله، وهو قوله "اطيعوا الله واطيعوا الرسول"[۱] وقوله "وما ارسلنا من رسول الا ليطاع باذن الله"[۲] وحديث "قل ومن يعص الله ورسوله"[۳] لا ظهار هما على حدة، اقتباسًا من القرآن

[۱] النساء: ۵۹ [۲] النساء: ۶۴ [۳] اخرجه مسلم في الجمعة (ص ۲۸۶) من حديث عدي

این ہم معلوم شد کہ خلل در ایمان متحمَّل نیست، و تقصیر در اعمال قابلِ مغفرت است۔

۵۵ ـــــــ و چوں خاتم اشخاص نبیّین ہستند اتحادِ محبّانہ در اجراءِ نبوّت و ابقاءِ آں نفع ندہد۔ زیراکہ باعتبارِ شخصیّت ہمہ اشخاصِ متغائر ہستند ولابد۔ و نص بختم ہمیں عَدَد، کہ بر ہمیں تغائر مبنی است، وارد شدہ نہ بر وساطت و عدم وساطت، کہ تحریفِ قرآن و الغاءِ مقصودِ وے تسویلِ شیطان و اتباعِ ہویٰ است۔ چہ اگر مستفاد بالغیر ہم بودے از تعدّد اشخاص منفک نبودے، و قرآن ہمیں قصہ را ختم کردہ است، و نبیّین را باعتبارِ عَدَدِ اشخاص فراگرفتہ، نہ باعتبارِ تقسیمِ اقسامِ نبوت۔

۵۶ ـــــــ پس اتحادِ محبّانہ و دلولۂ عاشقانہ و فنا و محویّت و دیگر ہمچو مصطلحات

ولعل اطاعة احد بحسب مقتضى العقل اطاعة نفسه، وانما تتحقق الاطاعة بمعرفته اطاعة الغير بامر المطاع۔ وفيه مسألة الحسن والقبح شرعًا او عقلًا، والتعديل والتجوير، والاسماء والاحكام، والوعد والوعيد۔ على ما ذكره الشهرستاني۔ وفيه التقدير للخير والشر منه تعالى، وان الانتهاء الى علم الله، ولذا علم الاسماء، وان الشرف في العبدية والنوبة وانه لا يسأل عن شئ وهم يسألون، ومسألة المراحم الملكية، وانما اخر الحيل وتأتي على كل عاص فان رحمته سبقت غضبه، وفيه تفضيل الانبياء على الكل، ومسألة الايجاب والاختيار منه

در بابِ عشقِ اطلاق کردہ آمدہ ، و چیزے وجہِ تسمیہ ہم تواں پیدا نمود ،
لیکن ہمگی از احوال و عقدِ خیال ہستند کہ "الفقر خیال پختن" و از بابِ اِفرادِ
نقطۂ نگاہ ، و تحدیقِ نظر بآں۔ نہ اینکہ قلبِ حقائق شود و احکام تغائر و تبدیل
شوند۔

۵۷ـــــ و عالمِ خیال در دائرۂ خود مملکتے وسیع وارد ، و ہمہ از بابِ
تَشَبُّہ است ، نہ از بابِ تَحَقُّق۔ و آثار و احکامِ وے ازیں عالم مشہود نیستند
پس تبدیلِ احکامِ شریعتِ سماویہ و قانونِ الٰہی بر بناءِ آں الفاظ فدائیانہ و از
خود رفتگان الحاد و زندقہ است بمنتہائے امر در ہمچو اطلاقات اصلاح
و تاویلِ آنہا و گردنِ کسے رہا کردن است ، نہ گردنِ دگرے گرفتن۔ آنچہ ایں
ملحد در حقیقۃ الوحی ص ۴۴ مع تفسیر باطل در قل یا عبادی گفتہ این شیوۂ قرآن
نیست۔ و فرق ظاہر، کہ دراں مرتبۂ نفس الامر ہم است ، و الغاءِ آں باطنیّہ
و حلولیّہ ہموارہ کردہ آمدہ اند۔ و قرآن برائے اصلاح ہمیں تحریفات کہ در
ادیانِ پیدا شدہ بود آمد ، مانندِ عقیدۂ رجعت در یہود ، و عقیدۂ حلول در
نصاریٰ و ہنود۔

۵۸ـــــ و معلوم باد کہ علماءِ ظاہر از ظاہرِ شریعت بسوئے باطن رفتہ و خود
را مُقَیَّد بہ صورتِ فرمانِ الٰہی و نبوی گردانیدہ در سلامت ماندہ اند ، خواہ
بر مسمّٰی در حقیقت بدون کم و کاست رسیدہ باشند ، یا در مجردِ اطاعتِ
فرمان کوشیدہ۔ مانندِ علماءِ باطن از باطن بسوئے ظاہر آمدہ در اظہارِ مکنون
و ابرازِ خبیّہ گاہ گاہ بر عین نشانۂ راست راست نزدہ اند ، و اختلاف رُو

داد۔ و از ہمیں سبب است کہ بسا اوقات چیزہا فرمودہ اند کہ بفہمِ دگراں نرسیدند، باوجود آں کہ کتبِ مبسوطہ و مطوّلہ نوشتہ بودند۔ و صاحبِ فنِ دانشمندے دانستے کہ اکنوں چہ بیرون از سواد و استعداد باشد، مگر واقعہ چنیں نیست۔ صدہا و صد در صدہا امور از فہم بیروں ماندہ اند۔ و خود صوفیۂ کرام وصیّت فرمودہ اند کہ کلام ما را اجانب کہ ذوقِ حال ماندارند مطالعہ نکردہ باشند۔ واکنوں بعد وصیّت خود ایشاں وگرچہ می خواہی ابن خلدون در مقدمہ اندریں باب چیزے نوشتہ[۱]

۵۹ ـــــ و معلوم باد کہ فارق درمیانِ ایمان و کفر ہمیں یک حرفِ ایمان بانبیاء است، و قصر بر ہدایت و تعلیم ایشاں۔ و ہمیں جزء درمیانِ اسلام و کفر ممیّز است۔ ورنہ جملہ اقوام دربارۂ اثباتِ باری تعالیٰ چیزے چیزے باور کردہ اند، لیکن بعد ازاں انحصار بر ہدایت و تعلیمِ آنجانب ندارند، در اداءِ حقوقِ عبدیت براہواء خود می روند، برخلافِ ادیانِ سماویہ۔ و اینکہ خیالِ بعضِ ملاحدہ است کہ اگر تعلیم انبیاء صواب ہم بودہ باشد ایمان بر ذاتِ ایشاں چرا جزءِ ایمان باشد، ایں خیال مسخِ فطرت است۔ زیرا کہ ہرگاہ انحصار بر ہدایاتِ آنجانب داشتیم لاجرم پیغمبراں درمیان آمدند، و توقّف بر ایشاں افتاد۔

۶۰ ـــــ و نیز معلوم باد کہ عبادتِ انبیاء و حُنَفا محضِ عبدیت است، کہ غیر از راہِ تفویض و تسلیم و توکّل بر ربّ العالمین از جانبِ خود حرفے بمیان نیست، و نہ دخلے از عقلِ خویش کہ عبدِ مطلق بغیر از ناچیزی و ہیچ میرزی

---

[۱] باب سادس، فصل حادی عشر فی علم التصوف ص ۴۶۷ وما بعد

خود و تفویضِ امر و اختیار بسوئے خواجہ مطمح نظر ندارد۔ برخلافِ صابئین، کہ ثنیعین ہم از دشاں ہستند، کہ عبادتِ ایشاں از راہِ عقلِ خود و تسخیرِ علویات باعمالِ سفلیہ است، از نصب ہیاکل، و تماثیل، و خواندنِ افسون وغیرہ۔ گویا حاصلِ عبادت ایشاں بنوعِ سحر و عملِ تسخیر است۔ این ست فرق درمیانِ ادیانِ انبیاء وغیرِ ادشاں۔

۶۱ــــــ در ہیچ طائفہ درعالم از عُقلاء و علماء و عُرفاء اختلافِ رائے محو نشدہ، الّا از انبیاء، کہ کدام یکے از ایشاں ہجو و ردِّ دگر نکردہ، پس سلامت دراطاعتِ ایشاں بدون مطالبۂ کُنہِ امور و بدون مُبارات با ادشاں واقع است۔ درعالمِ تشریع کہ سطحِ عالمِ تکوین است بسا کہ سلسلۂ ارتباط و علاقۂ سببیّت و مُسبّبیّتِ باہمی نظر نیاید، مکلّفِ مُطیع را مناسب نیست کہ خرقِ آں سطح کردہ درمطالبۂ ارتباطِ باطنی درآویزد، و امتثالِ قانون را تا وضوحِ باطن و حکمتِ آں معطّل کند، کہ این بحقیقت مکابرۂ ابلیس بودہ، برخلافِ سنّتِ انبیاءؑ۔

۶۲ــــــ و چوں سلسلۂ اطلاقاتِ صوفیہ و مُصطلحاتِ وے سلسلۂ علی حدہ و بسرِ خود است، این مُلحدؔ بعض اجزاءِ آنرا از آنجا سرقہ کردہ با بعضِ اجزاء علماءِ ظاہر ترکیب دہد، و ازیں قطع و بُرید نتیجۂ الحاد آرد، کہ کارِ ایمان و شیوۂ مومن نیست۔ مردم سادہ لوح و سادہ منش دیا محروم القسمت بر دعوائے وے کہ من باتّباعِ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم این رتبہ یافتہ ام، ایمان می بازند، و ندانند کہ وے از فدائیانِ آنحضرتؐ است، و ندانند کہ وے تاویل و تحریفِ آیت

ہمیں نہادہ ۔ و فتحِ بابِ نبوّت ہمیں زندقہ کردہ ۔ پس اولیٰ چارۂ از اصرار و تکرارِ ایں دعویٰ نیست ۔ و ، ہمہ دجّالاں ہمیں کردند ، تا آں کہ دجّالِ اکبر در ابتداءِ حال اظہارِ صلاحِ خود کند ، چنانکہ در فتح الباری[1] بروایت آوردہ ، پس تدریج کند ۔ و اگر در ابتدا پارسائی نہ نمودے دعوتِ وے نفاذ نیافتے ۔ ہمچنیں ایں دجّال در دعوائے اتّباع مُنفرِد نیست ۔

۶۳ ـــــ و معہذا آنچہ موافقِ غرضِ وے است ، ہمراہ داشتہ کہ نہ از پیشینیاں کسے بایں رتبہ رسیدہ ، و نہ کسے از پسینیاں ۔ کسے راہ نبرد کہ چوں فتحِ باب است باز ایں سدّ از کجا آمد ؟ گویا کہ ہماں اصول برائے حجرِ دگراں ہستند ، و برائے فتحِ وے ۔ در حجرِ نبوّت بر دگراں ختمِ نبوّت پیش کند ، برائے خود فتحِ باب ۔ رسالۂ ترک ص ۳۶ مع مصباح العلیہ ص ۱۹ ۔

۶۴ ـــــ گوید کہ نبوّتِ سابقین از انبیاءِ بنی اسرائیل کہ برائے تائیدِ دین موسیٰ آمدند ، ثمرۂ اتّباع نبود بر خلاف ایں اُمّت[2] ۔ و ظاہر است کہ

---

[1] باب ذکر الدجّال ج ۱۳ ص ۷۹ ۔

[2] مع تناقض از رسالۂ مراق مرزا ص ۱۱ (اور بنی اسرائیل میں اگرچہ بہت نبی آئے ، مگر ان کی نبوّت موسیٰ کی پیروی کا نتیجہ نہ تھا ، بلکہ وہ نبوتیں براہِ راست خدا کی ایک موہبت تھیں ، موسیٰ کی پیروی کا اس میں ایک ذرہ کچھ دخل نہ تھا) حقیقۃ الوحی ص ۹۰ کا حاشیہ ۔ و نقیضِ وے قولِ دگرش (حضرت موسیٰ کی اتباع سے ان کی اُمّت میں ہزاروں نبی ہوئے) الحکم مورّخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء ص ۵ کالم ۲ ۔ و مُقتضیٰ آنکہ دروغ گو را حافظہ نباشد ، ایں ہم فراموش کرد کہ در دینِ موسوی باتّباعِ وے ہزاراں نبی شدند ،

۳۰

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

نبوتِ او شاں ہم بدون اتباع نبودہ۔ پس اگر چیزے تفوّہ کند ہمیں تواند کہ
ذاتِ موسیٰ را درمیان دخل نبود، ایں سخن از کلام وے دریں دین ہم لازم
است ٭من حیث لا یدری۔ چہ می گوید کہ آں دین دینِ لعنتی است
کہ درو وے نبوت جاری نباشد، پس ایں اجراء را خصیصۂ دین قرار داد،
ذات از میاں برطرف شد۔ عشرہ صفحہ ۵۷ واشدّ العذاب صفحہ ۳۲ وضرورۃ الامام
صفحہ ۲، ورسالۂ ترک صفحہ ۴۰ ازیں ہم واضح تر۔

۶۵ ــــــــ وشرطِ فناء فی الرسول را ہم مرعی نداشتہ، چنانکہ در صفحہ ۳۴
دعویٰ وے است، ونہ ختم نبوّت را کدام تاویلے وتحریفے سوائے
اینکہ شریعتِ جدیدہ ندارد۔ وہمچنیں از صفحہ ۳۹ صرف اینکہ شریعتِ جدیدہ
نیست۔

پس تحریف آیتِ ختم نبوّت دریں عبارات، کہ آخریں ہستند، بسوئے
تحریفِ دگر منتقل شد، وشرطِ فناء فی الرسول ہم ضروری نماند۔ پس تا آنکہ
فناء فی الرسول شرط بود شریعت ہم تجویز تواند بود، اگرچہ جدیدہ نباشد۔
وچوں شرطِ شریعتِ نو نبودن مطمح نظر شد شرطِ اوّل از میاں رفت، وضرورت
وے نماند۔ وہمچنیں دراں تسویلات وتلقفات کہ آں را وحی نام نہادہ،
چنانکہ درحقیقت الوحی صفحہ ۱۰۱ وغیرہ، لقب نبی ورسول برلئے خود بدوں کدام

٭ ودریں دینِ متین صرف ہمیں یک شقی ؟ واگر کسے ایجاد کند کہ درسابق اتباع شرط نبود و
اکنوں شرط است، ایں ہم باطل است، ہر نبی پیش از نبوت برکدام دینِ حق بودہ، و
خاتم الانبیاء پیش از نبوت بالہام عبادت می کردند۔ منہ۔

تقیید می سراید۔ و نا خلفِ وے تصریح کردہ کہ در وحیِ بدر تقیید نیست از بروز و ظلیت و انعکاس، بلکہ ہمہ از تواضعِ پدرِ وے است۔

۲۶ ــــــ و تحریف سوم کہ خاتم نبوت برائے اجراء است، نہ برائے انہاء در حقیقت الوحی ص۹۷ ایجاد کردہ۔ وحال آنکہ در محاوراتِ لغت خاتم بکسر تا باشد کہ بمعنی ختم کنندہ است، یا بفتح تاء کہ بمعنی ما یختم بہ الشیٔ است، در مثلِ خاتم القوم سوائے معنی آخرین نیامدہ۔ و علماءِ لغت تصریح کردہ اند کہ چوں ایں لفظ بالکسر و بالفتح بسوئے قومے مضاف باشد، آنگاہ بمعنی آخرِ آں قوم می باشد۔ واصل لغت آنکہ خاتم بالکسر بمعنی بانجام و اختتام رسانندہ است، چہ اسم فاعل صیغۂ صفت است، و خاتَم بالفتح آں چیز کہ بوے بانجام رسانند، زیرا کہ اسم است، نہ صفت۔ چنانکہ بر علماءِ تصریف مخفی نیست۔ و حاصلِ ہر دو قرأت آخر النبیین است لا غیر۔ و دگر تعبیرہا ہمہ فروع ہستند، پس ترکِ اصل نادرست است، و تعبیرہائے فرعی نہ چنداں مزیتے دارند، و نہ ضررے، الا آنگاہ کہ حق تعالیٰ کسے را مخذول کردہ باشد، و ہمیں است آں کہ بعض مفسرین از ابو عبیدہ آوردہ کہ بالکسر اصل است، یعنی مرجع مراد ایں مقام و محطِّ و مسقطِ نظمِ کلامِ ملکِ علام۔ و قول وے "لان التأویل انہ ختمهم فھو خاتمھم" تاویل نزدِ ایں جماعت بمعنی تخریجِ وجہ و بیانِ مآلِ مراد می باشد، نہ بمعنی صرف عن الظاہر۔ فی الجملہ مراد آنست کہ در ہر دو قرأت بحسبِ اشتقاق و مدلول مشترک اند۔ در معالم التنزیل آوردہ ختم اللہ بہ النبوۃ و قرأ عاصم بفتح التاء علی الاسم ای آخرھم، و

قرأ الآخرون بکسر التاء علی الفاعل لانہ ختم النبیین فهو خاتمهم قال ابن عباس یرید لولم اختم به النبیین لجعلت له ابنا یکون بعدہ نبیاً" و ہمچنیں در عامۂ تفاسیر تا آنکہ مثلِ تفسیرِ جلالین از مختصرات۔

۶۷ـــــــ و چوں در آیت بمعنی ما یختم به الشئ ہست پس اگر کسے بمعنی مُہر گرفت چنداں خلافِ تحقیق نرفت ، پس در نظم ایں نیست کہ مُہرِ نبوّت ہستند، نہ اینکہ صاحبِ مُہر کرزنندہ باشند ، بلکہ خود اوشاں مُہر کردہ شدہ اند بر دگراں ، واوشاں انبیاء سابقین ہستند۔ و بہر حال معنے وے بانجام رسانیدن است ، وازیں حقیقت جملہ فروعِ وے مُسلّخ نہ۔

۶۸ـــــــ کادیانی درکرامات الصادقین صـ۱۹ می گوید (پس یہ خیال کہ گویا جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے بارہ میں فرمایا ہے، اس سے بڑھ کر ممکن نہیں بدیہی البطلان ہے) حالات قادیانی صـ۲۳۔

۶۹ـــــــ و چوں دعوائی شریعت وتجدیدِ احکام ہم کرد ، نہ مانندِ تجدیدِ مجددانِ اُمّت ، ہمگی از دست رفت ، و فراغ کُلّی حاصل شد ، (اشدالعذاب صـ۳۸) و اُنعکاس کر تحریفِ چہارم است از اشدالعذاب صـ۴۱ ، واز اشتہار ازالۂ غلطی از مصباح العلیّہ و اوائلِ حواشیِ نزول المسیح تواں دید۔

۷۰ـــــــ و دراں حال کہ دعوائی شریعت حقیقۂ کردہ اگرچہ جدیدہ نباشد،

عہ در توضیح المرام وے ص ۹-۱۰ گفتہ کہ نبوتِ تامّہ نزدِ وے آنست کہ درو وحی شریعت موجود باشد۔

پس می گوید کہ تفسیرِ قرآن و قبولِ حدیث ہمگی منوط بوحیِ وے است ، نہ بر تواتر از صدرِ اول تا آخر ، و اینکہ بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتِ دجال دیاجوج ماجوج و دگر بعض امور کماہی منکشف نشدہ بود ۔ چنانکہ بر این شقی منکشف شدہ ، تجدید مانندِ دگر مجددانِ دین نماند ، و از ہمہ قیود سبک روشش شد ، و فراغ کلی حاصل کردے "خوردن زمن و لقمہ شمردن از تو" و اگرچہ لفظِ شریعتِ جدیدہ نراند ، مصداقِ وے وصول یافت ع "پنہاں خورید بادہ کہ تکفیر می کنند"

۱ ــــــ و نیز معلوم باد کہ دعوئ شریعت در مقابلۂ آں علماء رح کردہ کہ اوشاں آئندہ کدام شریعت را نا ممکن فرمودہ بودند ، و کلامِ شاں در شریعتِ جدیدہ بود ، زیرا کہ شریعتِ مکررہ و تلقفِ وحیِ سابق ، چنانکہ این ملحد می کند ، محظلے نداشت ۔ پس این دعوی بمقابلۂ اوشاں مستلزم دعوئ شریعتِ جدیدہ است و ملحد می گوید کہ جہاد بامدنم منسوخ شد ، و آئندہ حج بسوئے قادیان خواہد بود ، و ہر کہ چندۂ قادیان ادا نکند خارج از بیعتِ وے یعنی خارج از اسلام است ، پس زکوٰۃ ہمگی در چندۂ وے انحصار یافت ۔ قادیہ صد ۴۹

۲ ــــــ و نیز معلوم باد کہ تجدیدِ مجددان مانندِ تجدیدِ ایمان بکلمۂ لا الٰہ الا اللہ یعنی تازہ کردن سنت بودہ ، نہ کدام اضافہ در دینِ متین ۔

۳ ــــــ و نیز معلوم باد کہ شریعتِ جدیدہ بودن و یا نبودن این دو قسم مفہوم بودند ، این ملحد قسمے سوم ایجاد کردہ کہ صاحبِ شریعت است ، و لیکن بطورِ تجدید ، نہ جدید ۔ و این را ہم شریعت نام نہادہ ادعاءِ شریعت کردہ ۔ و درین قسم تا آنکہ وساطتِ اتباعِ این ملحد درمیان نباشد ، موجبِ نجات نیست ،

بلکہ کافر است. پس فرقِ تجدید و جدید ہمگی از ہم پاشید، و سخنِ نسخ و عدمِ نسخ ہمہ بے معنی گردید. و چنانکہ عامۃً مآلِ کلامِ خود را نفہمد، و مانندِ اعمیٰ رود، در ینجا ہم ہیچ حرف نفہمید. و قضاء مبرم رفتہ است کہ فہم از وے سلب شدہ است، و ہیچ چیزے در تعلیمِ وے یافتہ نشود کہ در وے خبط و خلط و تناقض و تہافت نباشد کہ از کدام کس صحیح الدماغ بوقوع نیاید، پس دست از الہام و دعاوئ وے، بل از لیاقت و قابلیتِ وے فرو شوئی. واللہ الہادی۔

۴، ــــ و در آخرِ حقیقۃ الوحی ص۹۶ ہمہ آں نعمت در شکمِ مادر یافتہ، اتباع تعبیرہ سخنے بود کہ گفتنی است، نہ کردنی. و نغمۂ دگر در تتمہ وے ص۹۵ و تریاق القلوب ص۳۷۹ مطبوعہ سنہ ۱۹۲۲ء۔

۵، ــــ پس آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ برائے اعلانِ ختمِ انبیاء و ختمِ نبوت است، و اعلانِ اینکہ من بعد کسے دگر نبی منتظر نیست، چنانکہ پیش ازیں انبیائے سابقین انباءِ نبی لاحق کردہ می آمدند. یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم با کسے از رجالِ شما علاقۂ ابوت ندارد، البتہ بدلِ آں علاقۂ رسالت و ختمِ نبوت دارد، کہ ایں علاقہ دائم است. و ایں کلام بنفسِ خود مستقل است، اتساقِ وے بر اثباتِ ابوتِ معنویہ موقوف نیست، چنانکہ در قرأتے شاذہ آمدہ، چہ مدار بر شواذ نباید نہاد. و شاید تقیید برجال ناظر بسوئے آنست کہ در صبیان و نسوان نبوت نیست، پس حاجت بسوئے ذکرِ رجال است، و بس. و تنکیر در اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ یعنی از جانبِ خود ایں حصہ را نہید، کہ پدرِ فلاں

کس ہستند، و یا فلاں۔ پدر ہیچ کس از شما نیستند، پس این خیال ہا بگذارید و نام

کے کسے مبندید۔

۷۶ـــــــ و خاتم بودنِ آنحضرتؐ از میانِ انبیاء از بعضِ خصائص و کمالاتِ

مخصوصہ کمالِ ذاتیہ خود است، با اُمّت علاقہ ندارد، علاقۂ اعتقاد این کمال ہم

کافی نہ۔ چہ غرض این است کہ علاقۂ ابوت گسستہ است و علاقۂ رسالت

و ختمِ نبوّت ہمیشہ پیوستہ، پس چنانکہ وجودِ ابوت بکُلّی منقطع است، وجودِ

نبوت من بعد ہم بکُلّی منقطع باید بود۔

و علاقۂ اعتقادِ اکملیّت امرے ذہنی است، کہ با نبوّتِ تشریعیہ مستقبلہ

ہم منافی نیست علاقۂ معتقد بہا علاقۂ اتباع عملی است بلکہ این اعتقاد باین امر کہ در عدادِ

اُمّتِ دگر نبی باشد نیز منافی نیست، چنانکہ اُمَمِ سابقہ اعتقادِ اکملیتِ خاتم

الانبیاء توانند داشت۔

۷۷ـــــــ قولہ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيّٖنَ الآیۃ[۱] یا اخذِ اطاعتِ

انبیاء برائے رُسُل است، کہ امر مُہتم و مُہتمّ بالشان است، و یا اخذِ عہد از انبیاءِ

بنی اسرائیل برائے خاتم النبیین بنی اسماعیل و تحوّلِ نبوّت بسوئے ایشان

است، کہ این ہم مُہتم است، مانند تقدمۂ امر ملائکہ برائے خلافتِ آدمؑ و اطاعتِ

وے۔ لیکن جمع کلمۂ نبیین، و افرادِ کلمۂ رسول، نہ رُسُل معرفہ و یا نکرۂ موصوفہ،

و کلمۂ تراخی یعنی ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ مؤیدِ تفسیرِ ثانی است

ظاہرِ آیت ہمہ نبیین را یک طرف داشتہ، و آں رسول آئندہ بعدِ

ایشان، نہ درمیان وقتاً فوقتاً، و نہ مرسل بسوئے ایشان، بلکہ مُصَدِّق

---

[۱] آل عمران : ۸۱

برائے تعلیم ایشاں فقط۔

ومراد از اخذِ میثاق النّبیّین ومقصود ازاں تسلیم اُمَمِ ایشاں است،
کہ بوقتِ آمدنِ آں رسولِ عظیم الشّان ضائع نشوند، ودر امورِ قومیّہ ومعاہدات
بعض را قائم مقام کُل می دارند۔ پس ادراکِ حضرتِ عیسیٰ علیہ السّلام کافی است
وشاید توارد رسولِ لاحق بر رسول ونبیِّ سابق نبوده، اِلّا در خاتم الانبیاءؐ کہ فرا
گرفتند۔ وتصدیق از خارج اولیٰ است بنسبتِ تصدیقِ داخلی۔ و این
وصف وصفِ مشتہرِ آں حضرتؐ در قرآنِ مجید است۔ و ہمیں تفسیر متبادر است
از قرأتِ دگر دریں آیت واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب
کہ ہمہ اہلِ کتاب را در یک جانب نہادند، وآں رسول را بجانب دگر۔ ودر
قرأتے واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب آمده، ومعلوم
است کہ تعدّدِ قرأت بسببِ تزاحمِ نکاتِ بلاغیّہ اعجازیہ می باشد، کہ در
یک نظم جمع نمی شوند، و بسببِ تعدّدِ آنہا تعدّدِ قرأت رُو دہد۔ پس چہ وجہ
است کہ از ظاہرِ نصّ عدول کرده بسوئے تاویل رویم، کدام دلیلِ قاطع بر
صرف عن الظاہر قائم شده؟ بر تسویلاتِ ہوائے نفس ایمان داشتن کارِ
مومن نیست۔

۷۸ ـــــــ ونہ مثلِ "یوسف احسن الاخوۃ" و "فلان اعلم بغداد" کہ مضاف
الیہ در معنیٰ مفعول بہ نبود، وحُسن وعلم ہم مطلق اند۔ ودر امثالِ ایں معروف
واصلِ کلام چنیں بود کہ البتہ منقطع است، ونبوتِ وے صلی اللہ علیہ وسلم
دائم۔ ودوام را بلفظِ ختم تعبیر فرمودند، پس بحث ہا در نفسِ ایں لفظ قائم کردن

از فہم مقصود بکنار است ، ورنہ چنانکہ اصلِ رسالت ذکر کردند اصل نبوت ذکر فرمودندے ، وگفتندے ولکن رسول اللہ و نبیا من المقربین ، دیا نحواں ، چنانکہ در روح المعانی در قرأتِ ابن مسعود ولکن نبیا ختم النبیین آوردہ۔

۷۹ـــــ داگر اُبّ ہم باعتبارِ مجموع ، نہ باعتبارِ فردے ، و باعتبارِ ابوّتِ معنویہ گفتہ آید ، متحمل است ، چنانکہ در اُمّ المؤمنین محاورہ رفتہ۔ و ایں محاورہ ہم بسبب ایہامِ خلافِ صُوری مسلوک نیست ، در عقیدۃ الاسلام[۱] از اکلیل منع نقل شدہ۔

۸۰ـــــ مراد آنست کہ چنانکہ پسر نگذار د نبیّے دگر ہم نیاید ، و چنانکہ خلف نگذارد پیغمبرے دگر ہم نخواہد رسید کہ خلیفہ شدے۔ پس آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ابو رجلے بطور کُنیت نیستند ، ولیکن رسول اللہ و خاتم الانبیاءؑ بطورِ لقب ہستند ، ولہٰذا نفرمودند ولکن رسول اللہ و نبیا خاتم النبیین چہ مجموع ایں عنوان لقب نبود ، گویا قرآن مجید مانندِ اصحابِ جمل لقب ارشاد کرد۔ و ایں لقب باعتبارِ مجردِ تاخّرِ زمانی اتفاقی نیست ، بل مُتَودّی کدام مزیتے نیز ، اعنی چوں آنحضرتؐ در آخرِ زمان آمدند برائے اداہمیں تاخّرِ زمانی ایں لقب نیست ، بلکہ مرادِ الٰہی آنست کہ سلسلۂ نبوّت بر خاتم الانبیاءؑ ختم کردیم ، و ایں سلسلہ را ایں حد نہادن بسببِ کدام مزیت است کہ در ذاتِ آنحضرتؐ است ، نہ محض اتفاقی کہ مفضول را ہم تواں بود۔

---

[۱] ص ۲۰۲ طبع اوّل۔

۸۱ ـــــــ و معلوم باد کہ محرّر در فرقِ رسول و نبی همان است کہ اکثرے از علماء گفتہ اند، وگذشت، و همون است حقِ لغت۔ چہ رسول بمعنی فرستادہ و پیغام بر است، و فرستادہ بچہ باشد سوائے کتاب یا شریعت، و نبی بمعنی خبر دہندہ است، کہ بوحیِ قطعی خبری داد، اگرچہ شریعتِ جدیدہ ندارد، و وظیفۂ وے با اُمّت سیاستِ اوشان، چنانکہ در حدیث سیاستِ انبیاءِ بنی اسرائیل اوشان را ذکر فرمودہ[۱] و ہمچنیں مرورِ نبی و باوے رَجُل ویا رَجُلان، و مرورِ نبی کہ باوے یک رَجُل هم نباشد آمدہ[۲] کہ دلالت بر علاقۂ نبی با اُمّتِ او و وظیفۂ وے وارد[۳]۔

۸۲ ـــــــ قولِ قائل کہ حضرتِ شاہ عبد العزیز "خاتم المحدثین" بودند۔ وجہِ این اطلاق و محاورہ آنست کہ کسے خاتمِ بعضِ خصائص و کمالاتِ مخصوصہ می باشد، پس باعتبارِ آں، با وجود عدم تحقیق حالِ زمانۂ استقبال، و عدمِ علم آن و عدمِ علم غیب، و عدمِ ذمّہ داری آنچہ در کتم غیب است، و باعتبارِ علمِ خود،

مه و آنچہ در فتوحات گفتہ کلام منتشر و غیر محرّر است، و پیشتر این گفتہ کہ نبی هم شریعتِ اُمّت یکی مختص بذات وے، و بحقِ ہارونؑ این قدر هم نہادہ، و جائے عدمِ وجوب بحقِ دیگران گفتہ، و بر اختیارِ اوشان نہادہ، و پیش از نوحؑ انبیاء نہ ماتحتِ رسل داشتہ۔ و سبب این انتشار آنکہ بر تقدیرِ نفیِ شریعت کدام خدمتے از نبی ندیدہ، و بہمیں وجہ نبوت من غیر تشریع کہ بمعنے ولایت است قسمے افزودہ، و حال آں کہ خدمتِ نبی کہ مذکور شد: خدمتِ جلیلہ است، و علماء کہ برائے نبی نبوت من غیر تشریع گفتند از ادراءِ این قسم واخذِ وے بمعنے ولایت مستغنی شدند، و همیں است مفهوم از عُرفِ کتبِ سماویہ، و از احوالِ انبیاءِ بنی اسرائیل کہ بر شریعتِ موسوی بودہ سیاستِ اُمّت و اخبار بوحی می کردند، فاحفظ ولا تنسا منہ

[۱] متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃ مشکوٰۃ ص ۳۲۰ [۲] متفق علیہ من حدیث ابن عباس مشکوٰۃ ص ۴۵۲

وعلمِ دقیقِ خود، بطورِ مسامحت و سہل انگاری، و اعتماد بر فہمِ مراد اطلاق می کند.
و بشر کلامِ ناتمام ہم می گوید، و استیفائے قیود و شرائط نکند، و چون حاجتِ اظہارِ مزیّت داشتند محاورہ کردند، تا این مزیّت را بدون ختمِ زمانی ہم ادا کردہ باشند۔

۸۳ــــــــ و نیز معقول است کہ گفتہ آید فلاں عالم بنسبت فلاں در عداد و اعتداد نیست و معقول نیست۔ و مسلوک نیز نہ کہ فلاں نبی بہ نسبتِ فلاں ہیچ اعتبار ندارد، چنانکہ در لا الہ الا اللہ تاویل نیست ــــــــ

ــــــــ مدار در ہمچو امور بر جریانِ محاورہ است، نہ بر قیاس۔ و اگرچہ ثبوتِ جزئی علاقہ ضروری نیست، لیکن ثبوتِ نوعِ علاقہ ہم کافی نہ۔ مدار بر ذوق و استقراء است۔ و لکل مقام مقال، این است تخریج این محاورہ۔

۸۴ــــــــ و تواں گفت کہ فلاں کس محدّثی ختم کردہ رفت، مثلِ وے دگرے نیاید، و نتواں گفت کہ فلاں کس نبوت ختم کردہ رفت، مثلِ وے دگر نبی نیاید۔ زیرا کہ اوّل از فضائلِ کسبیہ است، و اشتراک در وے دائر، و در عصرِ ممدوح ہم بسیارے از مشارکان، پس نظر بر مراتب دارند، و مماثل را منافیٔ خاتمیت انگارند، نہ مادون را۔ و تخمین در وے سخن گفتن روا دارند بخلافِ بابِ نبوّت کہ از کمالاتِ وہبیہ است، بتخمین در وے سخن نزنند و کفِّ لسان کنند۔ این باب بابِ اِخبار بالغیب است، کہ اندراں منتظرِ توقیف باید بود، و بر خَرَص و حَدَس اِقدام نباید کرد، و این محاورہ ہم در

عهدِ نزولِ وحی شائع نبوده، من بعد رائج شده، چناں کہ فاتح المحدثین محاورہ نکردند۔ تنزیل را بر محاوراتِ مُحدَثہ فرو د نباید آورد۔

۸۵ــــــ دگویند کہ فلاں کس جود ختم کردہ رفت، و نگویند کہ ولایت دکرامت ختم کردہ رفت، چہ رجم بالغیب است، پس ایں گونہ ست سبیلِ ایں محاورات، نہ مقاییس و تلبیسات۔ گویا در ہیچ حکم رتبۂ حاکم ملحوظ باشد، و مَبلغِ علم و فہمِ وے۔

۸۶ــــــ دمعلوم باد کہ اہلِ عُرف۔ فاتح و خاتم ہر دو را نمی دانند، و نمی شناسند الا بمُجازفہ و خرص، یا بعدِ وقوع۔ مانند آنکہ سلطانے را دیدند کہ نصبِ سلطنت کرد، و اقتدارِ قوی و نفاذِ بالغ داشت، سپس جانشینانِ او آمدند، و قائم مقامی کردند، اہلِ عُرف دیدند کہ ایں منصب سلطانِ اول فتح کرد، پس او را 'فاتح' خواندند، و ایں ادراک اوشاں را بعدِ وقوع شد۔ و کسے را خاتمِ کمالات تخمین کردند، و خاتم گفتند، مشاہدۂ ختمیّتِ حقیقی ندارند، الّا نادراً۔ پس اطلاقِ خاتم اکثر بطورِ مُجازفہ کنند۔ برخلافِ اطلاق فاتح کہ بسا مشاہدہ ہم دارند۔ و نیز نظرِ ایشاں بر جزئیاتِ منتشرہ باشد، نہ بر نظامِ کُلی کہ در مجموع من حیث المجموع ساری است، زیرا کہ علم آں نظام ندارند، کہ باری تعالےٰ در آں مجموع داشتہ۔

ودانستہ باشی کہ اہلِ معقول کثرت را چہار مرتبہ نہادہ اند، کُلِّ واحد واحد، و کثرتِ محضہ سوائے اعتبارِ ہیأتِ اجتماعی، و کثرت باعتبارِ آں ہیأت عروضاً، یا دخولاً۔ و در کثیرِ منتظم کہ وحدتِ تالیفی دار و اہلِ عرف را اکثر نفاذِ

اِدراک نیست، اِلّا بعد تجربہ، و بیشتر مجاز فہ کنند۔ و در ہمچو کثیرِ منتظم خاتم در نہایت باشد، چنانکہ معمار در تعمیر کہ سلسلۂ وے ہمہ می داند رعایت کند، بخلاف دگر امور، کہ نظام آنہا ندانند، و ایں گونہ فاتح و خاتم در نظاماتِ الٰہیہ واقع شدہ، کہ خاتم خاتمِ کمال باشد، و علامتِ آں در خارج ختمِ زماں دارند۔ پس ایں ختمِ زمانی را کہ مبنی بر ختمِ کمالی است در کثیرِ منتظم کہ در امورِ الٰہیہ واقع شدہ، واہلِ عُرف ازاں غافل اند، خوب باید سنجید، کہ فرقِ محاورۂ اہلِ عُرف و محاورۂ حضرتِ حق مبنی براں است، و مغالطۂ ملاحدہ در بابِ شاہنشاہی و شاہانِ ماتحت۔ و قیاس براں در باب بنی نبی سازہ ہمہ از خود می پاشد، و بر کُنہِ امر و مغزِ سخن عثور حاصل می شود، و اللہ الموفق۔

۸۷ــــــ پس تحقیقِ وحی را کہ از حقیقت الامر سرمو انحراف نکند، بر خرص خراصین قیاس نباید کرد۔ ونہ طبقۂ وحی را بر تخئیلِ شعری۔ واز ہمیں وجہ است وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ[1] مراد از شعر خیال بندی است کہ نوعِ محاورۂ شاں جداگانہ است، و مفترق از طبقۂ متعارف الناس و متفاہمِ عُرف۔ و اعجازِ قرآں چنانکہ در ترکیب ظاہر است در اختیارِ مفردات ہم ظاہر میشود، کہ اوفیٰ بالحقیقۃ، و سیما اگر حقیقت از مشکلات باشد، بمثابۂ وے در طوقِ بشر نیست، پس حوارِ قرآں را بر محاوراتِ عامیانہ و سوقیانہ فرود آوردن غایتِ جہل و حمق است، و بابِ عقائد را بر تخییلاتِ مدحی حمل کردن نہایتِ ضلال والحاد است۔

---

[1] سورۃ یٰس: ۶۹

۸۸ ——— و در نظمِ قرآن در مقامِ مدح ہم تجاوز از حقیقت جائز نہ، روشِ قرآن محاورات و مسامحاتِ عامیانہ نیست، و نہ در مقامِ مدح مُجازفۂ بے انداز و بے پیمانہ، زیراکہ بر کنہِ امر و حقیقتِ وے وحقِّ تعبیر از وے مُطَّلِع است، بخلافِ بشر کہ از ہمہ قاصر است، مجازفہ نکند دگر چہ کند؟ مقدورِ وے نیست کہ کم یا بیش نکند، و تحقیق کند نہ تقریب و تخمین۔

۸۹ ——— سپس در تعیینِ مراد اگر بر اہلِ اجماع، کہ اہلِ حلّ و عقد اند، اعتماد نکنند بسا کہ در کفر و اسلام تمییز بر خیزد، وقد قال اللّٰہ تعالیٰ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۚ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا[1] سبیل المومنین اجماع و اتفاقِ اوشان است. و در ضروریاتِ دین تاویل ہم مسموع نیست، ورنہ امن از اسلام و ایمان می خیزد، شیخ اکبر در فتوحات ص۲۵۷/۲ می فرمایند ”التاویل الفاسد کالکفر“ من الباب التاسع والثمانین ومأتین۔

۹۰ ——— و اوّل اجماعے کہ دریں اُمّت منعقد شدہ اجماع بر قتلِ مسیلمہ کذّاب بودہ کہ بسبب دعویِ نبوّت بود، شائع دگر وے صحابہؓ را بعد قتلِ وے معلوم شدہ، چنانکہ ابن خلدون آوردہ[2] سپس اجماع بلا فصل قرنًا بعد قرنٍ بر کفر وار نداد و قتلِ مدّعیِ نبوت ماندہ، و ہیچ تفصیلے از بحثِ نبوت تشریعیہ و غیر تشریعیہ نبودہ، و شاید مسیلمہ مطلبِ خود از وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ[3] گرفتہ باشد۔ مجرد تصدیقِ مجمل پیغمبر برحقِ ما در احادیث شریفہ از دجّال ہم آمدہ، و

---

[1] النسآء: ۱۱۵ [2] تاریخ ابن خلدون ص۸۸۱/۲ [3] طٰہٰ: ۳۲

لیکن دافعِ کفرِ وے نیست[1] و بسیارے از کُفّار تصدیقِ مجمل نبیِّ کریمؐ و دینِ او می کنند، ولیکن می گویند کہ دینِ ما ہم صادق است۔

٩١۔۔۔۔۔ بالجملہ تعبیر بخاتمیت از ختمِ کمالات، عُرفِ قرآن اصلاً نیست. عُرفِ قرآن دریں باب یعنی در مفاضلہ مانند آیۃ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ[2]۔ و مانندِ این طریقِ مستقیم است، و ہمیں است سخنِ فطرت و سادہ۔ و ختمِ کمالات را بدون تقییدِ خاتم نام نہادن مُخْرِج بسوئے تاویل و تخریج است، و عرفِ مُسْتَحْدِث آلست کہ سوائے شیوعِ مُحَاوَرہ مستحسن نبودے، چہ جائیکہ در قرآنِ مجید مراد بودے، زیرا کہ موہمِ مُغَالَطہ است، چنانکہ ہمہ اُمَّت بسوئے ختمِ زمانی رفت، نہ بسوئے اِنْفادِ کمالات فقط۔

٩٢۔۔۔۔۔ و معلوم باد کہ طریقۂ قرآنِ حکیم در اصطفاء و اجتباء اسناد بسوئے ذاتِ خود است، پس بایستے کہ چنیں بودے وجعلناه خاتم النّبیّین۔ لیکن مقصود آنست کہ بطورِ لقب بر اَلْسِنۂ عباد رود۔

٩٣۔۔۔۔۔ عُرفِ مُسْتَحْدِث ازیں رُو پیدا شد کہ دیدند کمالات یوماً فیوماً رُو در اِنْحطاط اند، و ایں اعتبار و نظر در حقِ باری تعالیٰ مفقود است، مناسبِ بارگاہِ وے نیست کہ گوید فلاں پیغمبر کمالات ختم کرد، دیگرے مانندِ وے نیاید، و اینکہ بر فلاں پیغمبر کمالات را تمام کردیم، دیگرے مانندِ وے نیاریم، اگرچہ مناسبِ آن بارگاہ ہست، لیکن در نظمِ آیت نیست۔ و قولِ وے تعالیٰ فلاں پیغمبر آخرین است

---

[1] فتح الباری ج ١٢ ص ٧٩   [2] البقرہ ٢٥٣

سخنِ صاف و واضح است۔

۹۴ـــــــ و تحقیق آنکہ اطلاقِ "خاتم المحدثین" باعتبارِ ختم کردنِ کمالاتِ مخصوصہ نیست، بلکہ ناقصاں را نازل بمنزلۂ معدوم اعتبار کردہ، کہ الناقص کالمعدوم، اطلاق می کنند۔ این است تخریجِ این ترکیب من حیث الدلالۃ، چنانکہ در لَا رَیْبَ فِیْہِ گفتہ اند، مصداق ہرچہ باشد بادا، زیرا کہ مُجَازفۂ آدمی است، نہ تحقیقِ مَلِکِ علّام۔ پس این ترکیب موضوع برائے انتہاء است کہ مستلزمِ انقطاعِ چیزے است ولابد۔ خواہ بر طورِ مُسامحت و اِرسالِ کلام از استیعابِ حقِ مقام باشد چنانکہ در مُحاوَرۂ اوساطِ ناس است؛ و یا بر سبیلِ تحقیق، چنانکہ در کلامِ عَلّامِ الغیوب۔ و این تنزیل در بابِ انبیاء مسلوک نیست۔ بلکہ شرعاً ممنوع، چنانکہ در بابِ مراتبِ سُوَرِ قرآن و اسماءِ حُسنیٰ و متعلقاتِ حضرتِ ربوبیت این صنیع ناروا است۔ طریقۂ قرآنِ حکیم در بیانِ فضیلت ہماں است کہ مثالِ آں گذشت، مختصر آنکہ بابِ علم و فضائلِ کسبیہ در حیطۂ اختیارِ بشر است، و در اِعتدادِ آں و در اِدّعاء و تنزیل اندراں مدخل وے است۔ بخلافِ متعلقاتِ نُبوّت، کہ احدے را دراں جز حضرتِ ربّ العزت اختیارِ اعتبارات نیست۔

۹۵ـــــــ و حاجت بسوئے ہر دو نوعِ افادہ متعلق است، گاہ گویند کہ فلاں عُہدہ و ولایت نماند، اکنوں کسے بریں عُہدہ نخواہد آمد، و انقطاعِ محض مراد می دارند و گاہے گویند کہ فلاں کس کمالات را ختم کردہ رفت، و مُنْشِیِ آں باشد کہ مانندِ وے دیگرے آمدن مشکل است؛ و یا در شمار و تعداد نیست، و این تقیید ذکر نمی کنند، و از مَوْرِدِ استعمال معلوم است کہ گاہ کلام در اصلِ شئے است،

وگاہ در مراتب۔ ودر بابِ مُفَاضَلَہ علماء ہمیں اخیر مراد می باشد، نہ اول. زیرا کہ حق حکم اندراں ندارند، و نہ صاحبِ اختیار۔

۹۶ ———— ومخفی مباذا کہ اہلِ عُرف خود ہم از تسامح خود دریں مُحَاوَرات مُطلَع ہستند، وتعاملِ اوشاں از اطلاعِ ایشاں خبر می دہد، کہ اگر درزمانے کسے را بخاتم المحدثین یاد کردند، چوں من بعد دگر کاملے خاست اورا ہم ہمیں لقب می دہند، پس معلوم شد کہ باعتبارِ ختمِ کمال ہم آخریتِ حقیقیہ مراد نداشتند، بلکہ باعتبارِ زمانۂ خود۔ بلکہ دریک زمانہ ہم متعددے را خاتم می گویند، و نفی کمالِ دگر مراد ندارند کلام در دائرۂ مخصوصِ ذہنِ خود وسانح وقتی دارند، نہ بلحاظِ استیعابِ اَزمِنہ واشخاص، کہ ایں امر در ذہنِ اوشاں مخطور ہم نباشد. عمومِ کلام باعتبار دائرۂ عرفِ مُتکلم وعرفِ عام باید گرفت، نہ عمومِ غیر مقصود، مانندِ آنکہ متعنتان مُؤاخذاتِ لفظیہ ومُناقشاتِ غیر مخطورہ بکار برند. مع ہذا اطلاقِ اہلِ عُرف مُنسلخ محض از لحاظِ آخریت نشدہ، ورنہ مُبالغہ کہ مقصودِ اوشاں است فوت خواہد شد، مبالغہ دراں حال باقی ماند کہ آنکہ آخریتِ وے معلوم نیست. بلحاظِ کمال او را آخر گویند۔ ایں است اطلاقِ اہلِ عرف باعتبار اَزمِنہ واشخاص. واز دگر جانب صنیعِ حضرتِ حق را باید دید، کہ نہ دریک زمانہ ونہ در ازمنۂ متعددہ خاتم النبیین لقب کسے سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہادہ، ونہ بر کسے دگر اطلاق کردہ، ونہ اجازت دادہ۔ ایں شقیاء کدام معنی مجازی و تسامحی را دیدہ لفظ را برائے ہماں مجاز موضوع گردانند، گویا صانعِ استعمالِ حقیقی اکنوں نماند، واز وے بکلی منسلخ گردید، ووضعِ جدید پیدا شد. کہ استعمالِ وے در حقیقت

اکنوں جائز ہم نیست ۔ وایں غایتِ جہل و شقاوت است کہ در عُرفِ قرآن و عرفِ عامیانہ امتیاز نکنند، واحتیاط نورز زند، و ہرچہ پیش آید بے خطرہ می تراشند، و سے گذافند۔ بحقیقت ایں تہوّر و تجاسُر کارِ آنکس است کہ در اصل ایمان بر قرآن ندارد، بلکہ بر فہم سقیم و طبعِ منحرفِ خود ایمان آوردہ باشد۔

۹۷ــــ بارے ایں احقر سطور ذیل نوشتہ بود۔ مخفی نماند کہ قیاسِ قولِ باری تعالیٰ ولٰکن رسول اللہ وخاتم النّبیّین بر قولِ او ساطِ ناس کہ فلاں خاتم محققین است، از غایتِ جہل و غباوت است، زیرا کہ اوّل ایں قول، مُحاورۂ عامیہ است، کہ تحقیقی نیست۔ وبسیارے از مُحاورات در مقاماتِ خطابیہ استعمال می شوند و مدارِ آنہا تحقیق نباشد۔ برخلافِ قولِ باری تعالیٰ کہ سراسر تحقیق است، واز حقیقتِ امر سرِ مُو متجاوز نیست، بلکہ از وجوہِ اعجاز ایں ہم است کہ بجائے یک کلمہ دیگر کلمہ از خلق ممکن نیست، زیرا کہ حقِ آں مقام وحقیقتِ غرض الکناہ نتوانیم نمود۔

۹۸ــــ دوم آنکہ قائلِ وے ارادۂ تحقیق خود نکردہ، زیرا کہ اورا علمِ غیب وآنچہ درکتمِ مستقبل است، حاصل نیست، کہ کلام بر عایتِ دوام گوید برخلافِ باری تعالیٰ۔

۹۹ــــ سوم آں کہ ایں قول ہرکس بر ظنِّ خود می گوید، و در یک عصر تحقّقِ متعدد وے می گویند، واز یک دگر خبر ندارند، بلکہ یک کس ہم باوجود اطلاع ایں کہ دریں عصر دگراں ہم ہستند، ایں لفظ اطلاق می کند، واعتماد بر قرینۂ قاطعہ می کند کہ دگراں مشاہد ہستند، و سامعینِ من در مُغالَطہ نیفتند دربارۂ آں چیزے

کہ بچشم می نگرند، و روزمرہ می شنوند۔

۱۰۰۔۔۔۔۔چہارم آں کہ ہر کس باعتبارِ عصرِ خود مراد می دارد و بس و با مستقبل کارے ندارد۔

۱۰۱۔۔۔۔۔پنجم آں کہ بر ہر یکے از انبیاءِ آئندہ بزعمِ ایں دجّال والعیاذ باللہ خاتم باعتبارے اطلاق تواں کرد، دریں حال مضمونِ آیت محصّلے ندارد۔

۱۰۲۔۔۔۔۔ششم آنکہ بریں تقدیر کہ معنیٰ خاتم مہر کنندہ باشد، بر تقدیرِ تقدّمِ خاتم الانبیاء بر جملہ انبیاء ہم چناں باشد، و ایں محض بے معنیٰ است، و ہمچو حال مقدام المحققین می گویند، نہ خاتم المحققین۔

۱۰۳۔۔۔۔۔ہفتم آنکہ خاتم النّبیّین را بریں تقدیر اختصاصے زائد با اُمّتِ مرحومہ نماند، و سیاق آنست کہ در بدلِ ابوت، علاقۂ ختمِ نبوّت است۔ و شاید اولادِ ذکور برائے ہمیں نماندہ کہ طمعِ نبوّت بعد از ان بکلّی نماند۔ یعنی علاقۂ اُبوّت مطلبید، بلکہ علاقۂ نبوت، و آں ہم ختمِ آں۔ و بودنِ عدمِ بقاء اولادِ ذکور اشارہ بسوئے عدمِ بقاءِ سلسلۂ نبوت، چناں کہ از الفاظِ بعضِ صحابہ ابن ابی اوفیٰ رضؓ و ابن عباسؓ فہمیدہ می شود، راجع شرح المواہب من الثالث من ذکر ابراہیمؑ و در اِرثِ نبوّت اوائلِ مریم جامع البیان مع ہامش باید دید، و مواہب از خصائص۔ و شاید مراد نفیِ اُبوّت بذریعۂ تبنّی باشد، و اثباتِ علاقۂ رسالت و نبوّت، و تقیید برجال برائے آں کہ تا از صورتِ لفظ بدونِ مراد بودن نفیِ اُبوّتِ اولادِ صلبی نشود، یا مراد نفیِ مطلقِ اُبوّت است برائے رجال یعنی

---

۵۷ در فتوحات ہمچنیں فہمیدہ۔ منہ

بالغین، شرح مواهب ص۱۸۶ ـــ و در روح المعانی کلام مُشبع نموده ۔ غرض آنکه محاورهٔ
عامیه کلام تحقیقی نیست، بلکه مبنی بر تساہل و تسامح است، و نظائرِ آن در بابِ آفاتِ
لسان از احیاء باید دید، و نیز کلامیکه در القابِ فاخره، مانندِ ملکِ املاک کرده
اند، ملاحظه باید کرد، و نہی از تزکیه در وجوهِ ممدوحین معلوم است، پس این محاورات
نه تحقیقیه هستند، نه شرعیه، چه جائیکه شارع علیه السّلام اسم بَرَّه را پسند نفرموده
باشد ۔

۱۰۴ ـــــ هشتم اینکه مدلولِ کلمهٔ ختم این است که حکم و تعلقِ خاتم بر ما قبلِ
وے جاری شود، و زیرِ سیادت و قیادتِ وے باشند، مانندِ بادشاه
که قائد موجودین باشد، نه معدومین ۔ و ظهورِ سیادت و آغازِ عملِ وے بعد اجتماع
باشد، نه قبل آن، گویا انتظارِ قومے بعد اجتماع بسوئے کسے اظهارِ توقّف بر وے است
بر خلاف عکس این که محض معنوی و ذهنی است، و لهٰذا عاقِب و حاشِر و مُقفّی همه در اسمائے
گرامی آمده اند، نه بر لحاظِ ما بعد، و ارادهٔ ما بالذات و ما بالعرض عُرفِ فلسفه است، نه عُرفِ قرآنِ
حکیم و حوار عرب ۔ و نه نظم را هیچ گونه ایماء و دلالت بر آن، پس اضافهٔ استفادهٔ
نبوت زیادت است بر قرآن بمحض اتباعِ هوٰی ۔ البتّه سنّت اللّٰه همیں واقع شده
که ختامِ زمانی کدام منصبِ عالی هماں کس نهادند که لا بد مزیتے دارد، و سابقین را زیرِ
سیادتِ وے دادند ۔ و انبیاء را برائے آفریدنِ نبوّت نفرستاده اند، بلکه برائے
سیادت و قیادت و سیاست و ریاست ۔ و بعد اجتماعِ قوم برائے صلوٰة طلب
نصبِ امام نموده ۔ و همیں است قول او تعالےٰ یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ
بِاِمَامِهِمْ [1] و در پیشینیاں انبیاء تحت رُسُل برائے تکمیلِ کارمی بودند که اشدد بہٖ

[1] بنی اسرائیل : ۷۱

اَزْرِیْ وَاَشْرِکْهُ فِیْ اَمْرِیْ[۵۰] و نیز قال سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیْکَ[۵۱]

و در مقامِ خاتم الانبیاءؐ کدام جزء از کمال فرو گذاشته اند ؎

حُسنِ یُوسُف دمِ عیسٰی یدِ بیضا داری ؛ آں چہ خوباں ہمہ دارند تُو تنہا داری

۱۰۵ ـــــ وازیں طرف اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ[۵۲]

ثابت شدہ ، کہ مراد از حیات اکمالِ حیات ہستند ، نہ مجردِ بقاءِ روح ، کہ در ہمہ مشترک است ۔ و شاید تربیتِ روحانی اُمّت از انبیاء ، و تکمیلِ باطنی ایشاں باعتبار جزءِ ولایت ، کہ مندرج در نبوت است ، بود ، و ولایت خود جاری است پس یک جزء اختصاصی است ، و دگر جزء اکتسابی ۔ و در اینجا بحثِ ولایتِ نبی را از کلامِ عُرفاء باید دید ۔ غرض آں کہ نُبوّت از مناصبِ ظاہرہ و باہرہ است کہ باستخلافِ الٰہی وَ اَخذِ میثاق و بیعت از اُمَمْ بودہ ، مانندِ خلافت در شرع کہ بعقدِ بیعت باشد ، نہ بتوریث و سرایت ۔ و نیز از فضائلِ لازمہ است ، نہ از فواضلِ متعدیہ مانند ولایت ، کہ بتوجہِ باطنی و ہمت متعدی می شود ۔ و مانندِ فرقِ معجزہ و کرامت کہ اول بدون عقدِ ہمتِ نبی باشد ، و در ثانی عقدِ ہمت ضروری است ، ہمچنیں در ما نحن فیہ ۔

۱۰۶ ـــــ آنچہ از اجزائے نبوّت قابلِ تعدیہ بود ، و آں ولایت مندرجہ در نبوت است متعدی و ساری شد ، و آنچہ قابلِ تعدیہ نیست لازم ماند ، و آں نفسِ نبوت است کہ باستخلاف و تولیتِ الٰہی و اَخذِ عہد و میثاق و نصب بہ مَنَصَّۂ شہود اتمام می باید ، و تکمیلِ ظاہرِ امت منوط بوے است ۔ و مرادم

---

[۵۰] طٰہٰ : ۳۱-۳۲ [۵۱] القصص : ۳۵ [۵۲] رواہ البیہقی ۔ وصححہ وابویعلی والبزار (فتح ... ص ۳۵۴)

از تکمیلِ ظاہر تکمیلِ سطحی نیست، بل تکمیلِ غیر مستور و علی سبیل الاشتہار۔ پس حصۂ نبوت برائے تکمیلِ کلِ اُمت علی سبیل الاعلان است، و حصۂ ولایت ازاں برائے تکمیلِ خواص۔ و آن باطن است، نہ ظاہر۔ و ساری است۔ پس جزءِ اخیرِ نبوّت، مانندِ جزءِ اخیر علّتِ تامہ، ہمیں استخلاف و تولیت است، کہ فعلِ الٰہی است، لاغیر۔ اکنوں اگر ایں نکتہ را فہمیدی و سنجیدی از ہمہ وسواس راحتِ ابد خواہی یافت۔ واللہ الموفق۔

واگر در خارج مثال می خواہی پس در تحصیلِ کمالاتِ امارت نظر کن کہ مکسوب اند، ولیکن کسے والی نشود تا آنکہ سلطان اورا نصب نکند، و گمان نبری کہ کمالات ہمگی بیشتر ماندند، پس ایں استخلاف و تولیتِ الٰہی سخنے بالائی است، و چنداں گرامی نہ۔ زیرا کہ نفسِ ایں استخلافِ الٰہی مزیتے است کہ از ہمہ مزایا و فضائل دو بالا است۔ وَاللّٰہُ یَجۡتَبِیۡ مِنۡ رُّسُلِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ

۱۰۷۔ـــــــ و معلوم باد کہ در نبوّت و رسالت باعتبار مفہوم تغایُر است و اجتماع، نہ نسبتِ کل و جزء، و باعتبارِ صدق عموم خصوص، بمثابۂ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیۡقًا نَّبِیًّا پس در اصل دو وصف ہستند متغائر، کہ در یک محل جمع تواانند شد، و یا استلزام است۔ پس نتواں گفت کہ خاتم النبیین ہستند نہ خاتم الرسل، و نہ در آیت خاص مقابلِ عام آمدہ، بلکہ بسبب نکتۂ کہ گذشت از خصوص بسوئے عموم تحویلِ نظم فرمودہ و بس، کہ ایں گو نہ نظم یا برائے

استیفاءِ عمومِ اشخاص آید، و یا برائے استیفاءِ کدام جزءِ حقیقت۔ و نتوان گفت کہ خاتم نبیین ہستند کہ از خدا خبر می یافتند، نہ خاتم اوشان کہ فرستادہ شدند، زیرا کہ فرستادہ نشود بدون خبر دادن۔ در عُرفِ عامِ این وقت نبی مقابل رسول شائع شدہ، چنانکہ در وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ وَّلَا مُحَدَّثٍ آمدہ، بزیادت ولا محدث در قراءتے شاذہ۔ و از صدرِ کلام وَمَآ اَرْسَلْنَا این ہم لازم نیست کہ بر معطوف مُرسَل اطلاق شود زیرا کہ در توابع چیزہا مُغتفَر است۔

محصّل آنکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم رسول اللہ دائم و باعتبارِ مستقبل رسول علی الاطلاق ہستند، و باعتبارِ ماضیان خاتم و آخر، و این وصف غیر منقطع است۔

۱۰۸ـــــ این شقی ادّعاءِ وحی مساویِ قرآن در رُتبہ، اگرچہ ادّعاءِ نبوّت نکردہ بودے، و ادّعاءِ نبوّت، و اہانتِ انبیاء، و تکفیرِ اُمّتِ حاضرہ کردہ است۔ و ردِّ بسیارے از ضروریاتِ دین، و دعویٰ شریعت، و ادعاءِ خصائصِ انبیاءؑ و مُحاکاتِ ایشان، و تحریفِ دین متواتر، و تمسخر ببعض شریعتِ متواتر نمودہ، کہ ہمگی وجوہِ کفر و الحاد و زندقہ باتفاقِ ملّت اند۔

۱۰۹ـــــ گاہے انعکاس را مغایرِ نبوّتِ غیر تشریعیہ ہم می گفت چنانکہ در کاویہ صفحہ ۱۰ از بدر ۱۹۰۳ء آوردہ۔ سپس ادعاءِ شریعت بہ تصریح و تحدّی نمودہ، و اگرچہ جدیدہ نہ گفتہ، لیکن آں ہم لازمِ افعال و اقوالِ وے است۔ و گذشت کہ در صاحبِ شریعت قسمے سوم افزودہ، و بآن قسم خود را صاحب شریعت، چنانکہ در اربعین ۴ صفحہ ۶ از متن و حاشیہ تحدی کردہ، و اُمّت

نہادہ، ونجات در اتباعِ وے باین قسم ہم حصر کردہ، ومنکرِ خود را کافر اعلان کردہ۔[عہ]

۱۱۵ــــــــ بُروز از مصطلحاتِ تناسخیان است، چنانکہ مزدک ولامان ادعا کردہ بودند، در ادیانِ سماویہ وشریعتِ مطہرہ وتحقیقاتِ علماءِ اسلام اصلِ آن نیست۔ ونہ ظلیت در محاورۂ دینِ اسلامی آمدہ۔ وتا آنکہ محاورہ جاری نشود تحریفِ نصوص زندقہ والحاد است۔ ونہ قیاس در محاورہ مسموع است، چنانکہ کسے بر قیاسِ محاورۂ فارسیان "اکل الحلف" ویا "اقتلِ السراج" می گوید، ونہ پیغمبرِ اسلام این حقیقت را تسلیم کردہ، چنانکہ فرمودند اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی، اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ[1] وحدیثِ ثلثین دجال[2] ونہ از عمارتِ نبوت کدام لبنہ فروگذاشتہ۔ در حدیثِ دجالین مدارِ حکم دعوٰئ نبوت است وبس، نہ انحصار عددِ خاص۔

عہ عقائد مرزا ص۶، مرقع کادیانی ص ۵۲، عجائبات مرزا ص، (پس میں وہی مظہر ہوں پس ایمان لا اور کافروں سے مت ہو) از حقیقۃ الوحی ص۱۲۳ وعشرۂ کاملہ ص۵۵ از خط قادیانی وترک مرزائیت ص۵۲ (جو مجھے نہیں مانتا خواہ وہ زبان سے میرے حق میں کوئی بُرا الفاظ نہ کہتا ہو کافر ہے) تحقیق لاثانی (جبکہ خدا تعالےٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے) کادیانی کا خط بنام ڈاکٹر عبدالحکیم خان (علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا) حقیقۃ الوحی ص۱۶۳ وعبارت وے از عشرۂ کاملہ ص۱۱۴ باید دید کہ از جانب خود بحسبِ تحقیقِ خود نسبتِ زنا بسوئے مریم صدیقہ نمودہ۔ والعیاذ باللہ العلی العظیم منہ۔

---

[1] متفق علیہ من حدیث سعد بن ابی وقاص رض۔ مشکوٰۃ ص ۵۶۳ [2] ابوداؤد، ترمذی من حدیث ثوبان مشکوٰۃ ص۴۶۵

۱۱۱ــــــــ ودر آیت، هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ الآیۃ
وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ[1] مساسِ تعدد و بعثتِ آنحضرتؐ ہم نیست،
کہ این مُلحدِ ممسوخ الفطرت الحاد کردہ۔ تعدد در محلِ فعلِ بَعَثَ و متعلّقِ وے
است نہ در نفسِ فعل۔ وآیت مانند المبعوث الی الاسود والاحمر و
المبعوث الی العرب والعجم است، ودرینجا حاجت آں ہم نیست کہ
نُحاۃ گفتہ اند کہ در ثوانی مُغتفر است آنچہ کہ در اوائل نیست۔ شاید حاجت
درمانند آیتِ احقاف باشد واذکر اخا عادٍ اِذ انذر قومہ بالاحقافِ
وقد خلتِ النُّذُرُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ[2] وفقہاء در تعدد یمین و
وحدتِ آن موشگافی ہا کردہ اند، و ملحد در آیت هُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ
وَفِیْ هٰذَا[3] چہ خواہد گفت؟ درعجائباتِ مرزا دیدم کہ در وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ
تقدیرِ عبارت رسولاً منھم فہمیدہ، و دو بعثت آفریدہ، واین مسخ فطرت
است، کہ ہر کسے راکہ ادنیٰ مساس ہم باعربیت باشد پیش نیاید، کہ در
آیت آخرین را از اُمّیّین فرمودہ کہ فارس صاحبِ کتاب نبودند، نہ رسول را
از آخرین۔ پس باوجود این اغلاطِ فاضحہ در فہمِ عبارات از وے چہ توقع داری؟
دست از دین و فہم وے یک سر بردار، ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ
العلی العظیم۔

۱۱۲ــــــــ وبسیار زندیقان، ہمچنیں کردہ اند کہ بعد کدام مشہور شخصے، کہ
حیثیتِ وے نافذ بود، یا دعوائے حلول و بروز کردہ اند، مانندِ باب۔ ویا دعوائے

[1] الجمعۃ ۲-۳ [2] الاحقاف: ۲۱ [3] الحج: ۷۸

استقلال و نسخ ، چنانکہ بہاء - و ایں طریقے انفاذ غرض خود است کہ شیطان وقتاً فوقتاً مخذولان را تلقین کردہ آمدہ ۔

۱۱۳ —— البتہ ظلّ اللہ محاورہ است ، باعتبارِ تشبیہ بظلِ شجر کہ زیرِ آں مردم استراحت کنند و پناہ می گیرند و یا اضافت باعتبار تشریف باشد ، چنانکہ در بیت اللہ و نحوِ آں ۔

۱۱۴ —— و در ظلّیت اگر نبوّت حقیقۃً حاصل شدہ خاتم نبوّت مکسور شد ، چہ مقصود آں عدم حصولِ نبوّت بود ، نہ صورتِ عدم کسر ۔ و اگر نبوّت حاصل نیست تکفیرِ منکراں خود کفر است ۔ و خیال است کہ اگر کسے را گفتہ شود کہ ایں صندوق مقفّل کشا ئی ، و او آں صندوق را بدون کشودن ہم بدزدد ، و یا ایں صندوق را مدزد او صندوق را گذاشتہ مال از دروں دزدید ، مانند قصّہ قباءِ کدام خان صاحب ، و ایں بحقیقت تمسخر است باقرآن و شریعت و تحمیقِ قائل ۔ و العیاذ باللہ العلی العظیم ایں چنیں تاویلات و تسویلات مردم بے ایمان ہموارہ کردہ آمدہ اند ۔

۱۱۵ —— و اگر کسے خواہد در الوہیّت بر دزو ظلّیت ادّعا کردہ طرحِ نو کفر نہد ، و شاید ایں لعین دعویٰ بروزِ الوہیت ہم کردہ ، کہ الہام انت منی بمنزلۃ بروزی[۱] می سراید ، و اوضح ازیں (میرے وقت میں فرشتوں اور شیاطین کا آخری جنگ ہے اور خدا اوس وقت وہ نشان دکھائے گا جو اس نے کبھی نہیں دکھلائے گویا خدا زمین پر خود اتر آئے گا ۔ جیساکہ وہ خود فرماتا ہے ۔ یوم یاتی ربك فی ظلل من الغمام یعنی اوس دن بادلوں میں تیرا خدا آئے گا ۔ یعنی انسانی مظہر

---

[۱] تذکرہ ص ۵۹۶ طبع دوم

کے ذریعہ سے اپنا جلال ظاہر کرے گا اور اپنا چہرہ دکھائے گا۔) حقیقۃ الوحی ص۱۵۴ از علم کلام مرزا ص۴۵ مع آنکہ آیت مُحرَّف نقل کردہ، و مع آنکہ برائے قبضہ کردنِ اسمِ احمدؐ خود را برنگ جمال می نماید، درینجا شیطانش فراموش کراند، و دعویٰ جلال کرد، و ازین ہم اوضح درکادیہ ص ۳۸

۱۱۶ ـــــ ادارہ بر الفاظ و یا اغراض، و تمیزِ مقامِ ہر دو، کارِ علم و ایمان است نہ کارِ الحاد و زندقہ۔ و ایں اَسْودِ کاذبِ نبوّتِ خود حقیقۃً می گوید، مُحدَّثیت را ظلّی می سراید، و مانندِ زندیقاں جز تلبیس و تمویہ بر عوام وظیفہٗ ندارد، و ہموارہ درجہاں چنیں افتادہ۔

۱۱۷ ـــــ دیگرے تواند کہ مجرّدِ ایمان را بجز فناء فی الرسول در حصولِ این منصب کافی داند، زیرا کہ فنا واجب نیست، بلکہ از مُصطلحات مُحدَثہ است، و خلافِ ظاہر است برخلافِ ایمان کہ واجب و مامور بہ ازاں طرف است۔

۱۱۸ ـــــ و معلوم باد کہ اَذنابِ ایں مخذول استدراک بروے کردہ تحریفاتِ نو می تراشند، تحریفِ وے ایں است کہ اکنوں گذشت، ویا تجُزِ نبوّتِ تشریعیہ نہ غیرآں، ویا تجزِ شریعتِ جدیدہ نہ مطلق شریعت۔ از نابِ وے تحریفِ دگر می کنند کہ قیاس بر محاورۂ عامیّہ است، و ہمچنیں اینکہ خاتم النبیین مُہرِ اعتبارِ نبوتِ دگراں ہستند ـــــ و ایں ہم تمسخر است، مُہرِ اعتبار اگر زَنَد حق تعالےٰ می زَنَد، و نیز خاتم دریں جا بدونِ تقدیرِ علی نہ بمعنی مُہر می سزد، چہ مضاف الیہ در معنی مفعول بہ است، و نیز دریں حال اتساق درمیانِ ماقبلِ "لکن" و ما بعدِ آں، کہ در عَرَبیّت شرط است، فوت شد۔ چہ درمیان ابواَحَدے از رِجال بودن و

درمیانِ مُہرِ اعتبارِ نُبوّت بودن ہیچ گونہ نسبتِ تباوُل نیست، بلکہ باہم جمع توانند شد، و ایں امر مُفوّتِ اتّساق است، کہ شرط بود۔ شرطِ اتساق را در کتبِ اصول و قصرِ قلب را در کُتُبِ معانی باید دید۔ و در مُغنی ابن ہشام تصریح کردہ کہ کلمۂ لکن بعد نفی بمنزلۂ کلمۂ 'بل' ہست سوائے بسوائے۔

۱۱۹۔۔۔۔۔۔ در نفی مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ متوہم بود کہ معلوم نہ کہ چہ چیز نفی شود، فرمودند وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ یعنی ایں ثبت است، پس شرطِ استدارک مُوَفَّر شد، و در اُبوّت کہ متضمنِ توریث است، و ختمِ نبوّت کہ متضمنِ عدمِ توریث است، "تدافُع" است، پس شرطِ قصرِ قلب مُوَفَّر گردید۔

۱۲۰۔۔۔۔۔۔ البتہ آں کس کہ تدافُع شرط کردہ در صورتِ عدمِ اعتقادِ مخاطب چیزے را قصرِ تعیین اضافہ کردہ۔ چنانکہ خطیب۔ و سکّاکی چوں از تدافُع سکوت کرد از قصرِ تعیین ہم سکوت ورزید۔ و نزدِ احقر در تدافُع ہمیں قدر کافی است کہ در تردید بکلمۂ 'اِمّا' بکسر، کہ برائے اَحَد الامرین است، می باشد۔ یعنی تدافُع کہ بحسبِ مقام در مُحاوَرۂ متکلّم و مُخاطَب منعقد شدہ، نہ تدافُعِ کُلّی۔ معہذا قولِ سکّاکی اثباتِ شیئ دون شیئ یا اثباتِ شیئ مکان شیئ باعتبارِ غرضِ متکلّم و مسوق لہٗ عبارت صادق و مطّرد است، در خارج ہرچہ گونہ کہ حال باشد۔

۱۲۱۔۔۔۔۔۔ و در مانحن فیہ سخنے دگر ہم است، کہ اُبوّتِ نفسِ وے متضمن و مستلزمِ توریث است، پس مقابلہ درمیانِ وے و توریث نہادن ہیچ گونہ

صحیح نیست، وہمچنیں نفسِ قتل در وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ[1] مستلزمِ رفعِ درجات است، ومقابلہ صحیح نیست، ونہ طباقِ نزول درحدیث باوسے مستقیم.[a] برخلافِ "مازید بشاعر ولکنہ کاتب"، کہ مقابلہ بحسبِ خصوصِ مقام

---

[a] (فائدہ زائدہ) حق تعالےٰ در آلِ عمران دو لفظ جمع کردہ "توفّی" یعنی وصول کردن چیزِ خود، و "رفع"، و در نساء، درمائدہ تقسیم ایں دو کلمہ فرمود، کہ در مقابلۂ قتل رفع آوردہ، و در مقابلۂ مَا دُمْتُ فِيْهِمْ توفّی آوردہ. بایں تقسیم ومقابلہ مفہومِ ایں دو کلمہ بوضوح پیوست، کہ توفّی در آلِ عمران بمعنی وصول کردنِ چیزِ خود، مقابلِ دوام درمیانِ ایشاں ماندن در ایشاں است، و رفع امرے و چیزے مقابلِ قتل است، نہ اینکہ توفّی ورفع باتغائرِ مفہوم واحد بمصداق اند، کہ موتِ طبعی است. زیراکہ در مقابلۂ قتل لفظے باید کہ خصوصیت بر موتِ طبعی دارد، نہ کدام لفظے عام ومبہم وکنایہ. ومعلوم است کہ برائے رفعِ جسمانی ہمیں یک لفظِ رفع است، نہ برائے مردن کہ دیگر الفاظ صریح اند. چہ اگر رفع را بمراد برداشتن ازمیان وغائب کردن از ایشاں داریم تاہم دلالت برخصوصِ موتِ طبعی نکرد، ونزول درحدیث کہ بطباق آمدہ مطابق نماند. وسیاق آنکہ وجہِ اشتباہ برایشاں بیان می کنند، کہ قتل نہ شد، بجائے او رفع بود، وموتِ طبعی موجبِ اشتباہ نیست، اگر باشد فقدِ متقدم بر موت باشد، و آں مذکور نیست، وترکِ مقصودِ اصلی وعدمِ اخذ آں راستار است، واخذِ ایں وآں بلاغت نیست، بلکہ عجز دعی است، ومقابلۂ قتل بالفظِ موت ہم دائم نیست، یحییٰؑ قتل شدہ اند، ودر قرآن تعبیر بہ وَيَوْمَ يَمُوْتُ[2] آمدہ. پس وجہِ اشتباہ ذکر کردند، ولہٰذا کلمۂ یقیناً افزودند، کہ آں رفع است. نہ کہ بیانِ سوانحِ عمری حضرتِ عیسیٰؑ مقصود است. موتِ طبعی آں وقت نبود، وموت مابعد راچہ دخل در اشتباہ. درعالم ہمگناں را باشد، چہ وجہِ اشتباہ است،

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

---

[1] النساء: ۱۵۸، [2] سورۃ مریم: ۱۵

است. فی الجمله ترکیب بحسبِ دلالتِ وضع و افادهٔ عبارت از جانبِ متکلم لا محاله برائے مقابله است.

۱۲۲ ـــــ سپس مُهرِ کسے استعمال کردن خیانت است، خود صاحبِ مُهر استعمال می کند، و کنندهٔ وے دگرے را جائز نه، لهٰذا نهی از نقش وے آمده[۱] و بریں تقدیر که مُهر خود آنحضرتؐ باشند صاحبِ مُهر حضرتِ حق است. و خاتمِ نبوت محسوس هم بود، که بر ظهرِ نبی کریمؐ ثبت بود[۲]، و از روایتِ ابو داؤد طیالسی[۳] مستفاد می شود که علامتِ ختمِ نبوت بر ایشاں بود، نه برائے ما بعدِ ایشاں. زیرا که بر ذاتِ ایشاں زده بودند.

۱۲۳ ـــــ و خاتم بمعنی مهر برائے حفظِ مختوم و منعِ خلیدنِ شئے دگر است که از لوازمِ وے تعارف است، و واحد بالعدد بودن، اگر نزد دگرے بر آمد خائن است و دزد. زیرا که خاتمِ کسے قائم مقامِ شخصیّت و اسمیّتِ وے است، و در اصل بمعنی طابع است، مانندِ گلِ مختوم، عام از مُهر. و در زمانِ قدیم بر پشت و بیرونِ ملفوف می زدند، نه در اندرون. سپس رواج تبدیل شد. و برائے مجموعِ حفظ و سر بمهر کردن و تعارف بود، و ازیں مجموعهٔ اعتبارِ ملفوف لازم می آمد، نه آنکه موضوع برائے اعتبار بود. و بمعنی انگشتری هم اصل نیست، بلکه فرع است که مناسبِ مقام نیست.

(حاشیه صفحه گذشته) دخیل در اشتباه آں رفع است که آں وقت بوده باشد. فافهم. و چوں در وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا. مراد بنی اسرائیلِ شام هستند نه ملک دگر، مراد فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي متعدی شد که بمعنی موت نیست، بلکه بمعنی مذکور، زیرا که موت نزد ایں ملحد بملک دگر بعد مدتِ دیر باز است. منه

[۱] متفق علیه مع حدیث ابن عمرؓ مشکوٰة ص ۳۷۰ [۲] ترمذی عن علیؓ. مشکوٰة ص ۵۱۷ [۳] ص ۳۵۴

۱۲۴ــــــــو خاتم در قرآن مجید باعتبارِ ماضی بود، این مخذول باعتبار مستقبل نهاد و بحقیقت جنس شد، نہ جزئی۔ زیرا کہ باتباعِ انبیاء سابقین نزدِ وے نبی ہم شدہ اند و محدَّث ہم، پس خصوصیتِ خاتم الانبیاءؐ نماند۔ در ہذیانِ خود خاتم را گاہ برائے اجراء نہد، وگاہ برائے انقطاع۔ سوداء مرزا ص۳۲ و رسالۂ ترک ص۸ و ص۳۸ و حقیقۃ الوحی ص۲۸

۱۲۵ــــــــحاصل آں کہ تحریفِ انعکاس باآنکہ درخارج مصداقے ندارد و لفظے است بے معنیٰ، بناءِ تکفیرِ منکرانِ این ملحد بروے موجبِ کفرِ خود وے بعدِ منکراں کہ کل اُمتِ حاضرہ است خواہد شد۔ و تحریفِ حجر نبوتِ تشریعیہ نہ غیر تشریعیہ خلافِ نصّ قرآن است، کہ در ذکرِ ختم از کلمۂ رسول بسوئے کلمۂ نبیّین تحویلِ نظم فرمودہ، و محطِّ فائدہ ہمیں مزیّت را ارادہ نمودہ، چنانکہ تقریرِ آں بوضوح پیوست، و تحریفِ مُہرِ اعتبارِ نبوت مُفوّتِ اتّساقِ نظم باوجود محذوراتِ باطلۂ مذکورۃ الصدر است۔

وظلّیت[۵] و بُروز و مانندِ آں اگر انعکاس است پس حال وے گذشت، کہ سراب از راہ برندۂ سُفہاء و ملاحِدہ است، واگر چیزے دگر است تقلقہ محض لسانی است، کہ مُلحِد ان مریدانِ خود را بامثالِ این دعاویٔ بسیط و جہلِ مرکب راہ می زنند۔ پس ہمہ تحریفاتِ این شقی ہمراہِ وے در گورِ وے کہ ہاویہ است دفن شدند، وقالوا الحمد لله الذی هدانا لهذا وما كنا لنهتدی لولا ان هدانا الله۔

ص۵ رسالۂ ترک ص۱۶ (مگر ظلی نبوت جس کے معنی ہیں کہ فیض محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی ہے) حقیقۃ الوحی ص۲۸-۲۹
۶۰

۱۲۶ــــــ پس باید دانست که عالم قدیم بالنوع نیست، چنانکه این دناخلف دسے می سرایند، بلکہ باعتقادِ ادیانِ سماویہ از ہر دوطرفِ ماضی و مستقبل محدود است، چہ مستقبل ہمگی از قوت بفعل برآمده، و مسألۂ تجدّدِ امثال، کہ معرفتِ عُرفا است، ہم مسألۂ درست است، باقی ماند ماضی! پس اگرچہ بداہتِ و ہم حکم می کند کہ غیر متناہی بالفعل است، و تعطیلِ فیض نامعقول. لیکن حقیقت چنیں نیست، و عالم از ہر دوجانب غیر متناہی بمعنی لایقف عند حدٍ ہست لاغیر، چہ وسعتِ قِدَم را بہ بسطِ حوادثِ غیر متناهیہ بروے پُرکردن، چنانکہ مذہب فلاسفہ است، نامعقول است، چہ وجودِ حادثِ زمانی درازل و تقویم قدیم بالحوادث ناممکن است و خلافِ مقدمۂ حقہ کہ ما ثبت قدمہ امتنع عدمہ نیز. حقیقت الامر این است کہ چوں از باری تعالیٰ زمانہ رفع کنیم کہ متفق علیہ درمیان عُرفا و عقلاء است، حوادث در عالمِ خود، کہ موطنِ حدوث است، از جانبے می آیند، و بجانبِ دگر می روند.

ع — ازیں در ورائے و ازیں در خرام

ما جانبِ ایاب را مستقبل نام نہاده ایم، و جانبِ ذہاب را ماضی وبس. پس ہر دو ماضی و مستقبل کدام حقیقتے واقعیہ ندارند، بلکہ محض اعتباری و اضافی بنسبتِ ما کہ حوادثِ سنیم ہستند، و زمانہ ہم حقیقتے واقعیّہ ندارد، بلکہ امرے انتزاعی از تجدّد و تقضّی حوادث است لاغیر. سبحان الذی یغیّر ولا یتغیّر. دریں حال اگر ارادۂ ازلیہ ہم باحداثِ حادث متعلق شود آں حادث بحسب مقتضی حقیقت خود در مغاک عالمِ حدوث خواہد افتاد،

تا انقلابِ حقائق لازم نیاید، مانندِ آں کہ واجب تعالیٰ اگر کدام مخلوق را پیدا کند لا محالہ دے ممکن باشد، نہ واجب۔ و ایں ہم ممکن نیست کہ ہر فردِ حادث باشد و مجموع من حیث المجموع قدیم، بلکہ اینجا حکمِ کلِّ افرادی و کلِّ مجموعی متغاد نیست۔

۱۲۷ــــــ وچوں حکیم تصریح کردہ است کہ ہر چیزے را کہ بدایت است نہایت لازم است، و از دوامِ مستقبل جواب دادیم کہ تجدّدِ امثال ست لاغیر، پس حسبِ حدیثِ نبوی عمارتِ نُبوّت ہم آغاز و انجام داشت کہ از آدمؑ شروع کردہ بر خاتم الانبیاءؐ کہ آخرین لَبِنَۃ ازاں عمارت ہستند، اختتام فرمودند۔ و اکنوں صدد آنست کہ بر عالَم طبلِ رحیل زنند، گویا نظامِ عالم مانندِ جلسہ بود کہ مجلسِ استقبالی منعقد شد، و از قدومِ صدرِ جلسہ خبر داد کہ وَمُبَشِّراً بِرَسُوْلٍ یَّأْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ[۱] و صدرِ کبیر قدومِ میمنت لزوم ارزانی داشت، و خطبہ خواند، و جلسہ را پدرود کردند

---

[۱] متحقِ اِسْمُہٗ اَحْمَدُ آں ذاتِ گرامی است کہ عالَم ایں اسم مبارک و تسمیہ بوے از وے آموخت وایں اسمِ مبارک وے بمثابۂ لقب است، و محمدؐ بمثابۂ اسمِ محض۔ و در آیت براتے ہمیں یعنی اعلام بایں لقبِ گرامی اسمہ اضافہ کردند۔ و ہمچنیں است یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ اِسْمُہٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا[۲] ایں اسمِ گرامی ہم بمنزلۂ لقب است، ورنہ مشہور درمیان ایشاں یوحنا بودہ۔ و ہم بریں منوال است اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ اسْمُہُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ۔ الآیۃ[۳] مسیح لقب

(۱۹۸ ...)

---

[۱] الصف: ۶ [۲] مریم: ۷ [۳] آل عمران: ۴۵

۱۲۸ ـــــ احقر ہیچ مدان در نعتے گوید۔

اے آنکہ ہمہ رحمت مُہداۃِ قدیری ۱ باران صفت و بحر سمت ابر مطیری
معراجِ تو کرسی شدہ و سبع سماوات ۲ فرشِ قدمت عرشِ بریں سدہ سریری
بر فرقِ جہان پایۂ پائے تو شدہ ثبت ۳ ہم صدر کبیری و ہمہ بدر منیری
ختمِ رُسُل نجمِ سُبُل صبحِ ہدایت ۴ حقا کہ بشیری تو والحق نذیری
آدم بصفِ محشر و ذرّیتِ آدم ۵ در ظلِ لوایت کہ امامی و امیری
یکتا کہ بود مرکزِ ہر دائرہ یکتا ۶ تا مرکزِ عالم تو اے بے مثل و نظیری
کس نیست ازیں امتِ تو آنکہ چو احقر ۷ با روئے سیاہ آمدہ موئے زریری

---

۱۲۹ ـــــ

گفتمت حرفِ راستی و درست ۱ ہاں کہ در رہروی نسانی ست
نگذاری مرا بہ دردم فرد ۲ زانکہ ایں دینِ واحدِ من و تست
اہلِ حق را ہمیشہ فتح قریب ۳ ہمتِ مرد کار باید جست
من و تو درمیاں بہانہ شدیم ۴ ہمہ او ہست واپسین و نخست
گم کہ اندر خرابۂ دنیا ۵ خار و گل در چمن بیک جا رُست
در شبِ تار مشکِ تاتاری ۶ گم نکرد آنکہ بوئے خوش را جست

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) گرامی است غرض ازیں آیات اطلاع دادن بایں اسماء نقبی است، تا ایں اُمتِ مبارکہ نیز قوم را معلوم شوند، و اگر مسماۃ اسم عین مسمّٰی بودن و یا غیر آں فہمیدہ باشی پس دریں آیات غیر ست دور محمد رسول اللہ والذین معہٗ[1] عین ۔ فافہم ۔ منہ

[1] الفتح : ۲۹

دوشس درگوشِ من سروش دمید ۷ کہ نگہدار ایں دو حرفِ درست

رایتِ حق بلند می باشد ۸ دریدِ مستمند می باشد

ہر کہ ادراکِ مقصدِ خود خواست ۹ گر رسید آں رسید از رہِ راست

یارب ایں بندۂ ملامت را ۱۰ نبری راہِ چپ قیامت را

بطفیلِ محمدِ عربی ۱۱ خاتم الانبیاء رسول و نبی

بہرِ عالم امام نیز ختام ۱۲ باد از حق برو صلوٰۃ و سلام

رحمتِ عالمیں ہمہ رحمت ۱۳ اوّلِ خلق و آخرِ بعثت

سیّدِ جملہ خُلق در محشر ۱۴ سرورِ کائنات و خیرِ بشر

صاحبِ حمد و خطبہ روزِ جزاء ۱۵ ہم زحمدش عیاں مقام ولواء

آنکہ زیرِ لواءِ وے ہمہ خَلق ۱۶ آدم و من سوا بُوَد بے فرق

فاتح و خاتمِ نبوّت اوست ۱۷ اول و آخرینِ رفعت اوست

اختفاء کہ بود بہر مہام ۱۸ منتظرِ صدرِ جلسہ بود و ختام

اہلِ عُرف ایں ختام نشناسند ۱۹ زانکہ ز اوّل نظام نشناسند

بود فاتح چو در مراتبِ جود ۲۰ موطنے نیز بود آں ز وجود

از شرف خاتمِ کمال بود ۲۱ ہست اِلحاد کآں زوال بود

سابقین جملہ در قیادتِ شے ۲۲ ہست کافی سپئے سیادتِ وے

منتہا بود در کمالاتش ۲۳ در ظہور ایں بود علاماتش

آنکہ پیشینیاں بموکبِ وے ۲۴ نبود لاحقے بمنصبِ وے

چوں کسے کار را تمام کند ۲۵ ہست وارد کہ ایں نقیصہ بود؟

۶۴

پیشتر هرچه بود بُد تمهید ۲۶ آخر آں غایتِ کمال رسید
هست فی نفسه بدونِ سوال ۲۷ بالبدا هست کمال ختمِ کمال
ایں کمال از معارضِ دگراست ۲۸ نزدِ حق جز نہ عیب، بل ہنراست
منصبے هست از عنایتِ حق ۲۹ نے بتولید کاو فتاد قلق
تولیت از حق است شرطِ مقام ۳۰ ہمچو کز بیعت است نصبِ امام
ایں بود معنی وَلَمْ يَعْرِفْ[1] ۳۱ اے امام زماں و مانندِ خرف
مُردنش جاہلی است بے بیعت ۳۲ چو حل او فتاده در ظلمت
بنظر سوئے جاہلیّت راند ۳۳ ہمچو عنوان کہ ہمچو ایشاں ماند
ہم امامت کہ بعد وے موصوف ۳۴ جُستہ آید نہ نزد شاں معروف
بعد تنفیذِ سلطنت از تہم ۳۵ می نماید ترا بعید از فہم
باطلے نیست غیر ایں مقصود ۳۶ هست امام آں خلیفہٗ معہود
از نبی بُد بلحاظِ استحقاق ۳۷ پس زاشکالِ آمده اطلاق
متعدد فتند مُدّعیاں ۳۸ حق شناسی ترا رسد زمیاں
باز ہرکس بذوقِ خود نزود ۳۹ حق دعقد زمانہ ندرو
سیرتِ انبیاء است برفطرت ۴۰ نے تفلسف تکلّف و شرت
واند آں کس کہ فرق چیز کند ۴۱ عمل و علم شاں تمیز کند
پس ز قرآں کہ درخطابِ جوب ۴۲ توکّل طریقِ شاں دریاب
نے بجمعِ حطامِ دُنیا فکر ۴۳ نے ناقص بقول والاتہ موکل
ہرچہ باشد برائے دیں باشد ۴۴ صبر و اخلاص و مریقیں باشد

[1] من مات ولم یعرف امام زمانه مات میتة جاهلیة [illegible]

فضلِ او مسلۂ سرایت نیست ۴۵ هم نبوت بجز عنایت نیست
هست فضلِ جنابِ رحمانی ۴۶ چوں لقب یا خطابِ سلطانی
و آں لقب نفسِ وے چو والاَبد ۴۷ از کمالات خود دو بالا شد
هست ابداع نیز در قدرت ۴۸ نے همیشہ بمادۂ وصورت
پس همیں تولیت وجود همون ۴۹ همچو ارشادِ وے کہ کن فیکون
دیں نہ فهمی کہ محض تلقیب است ۵۰ آنچہ گفتم همہ بتقریب است
در کمال و نبوت از تحقیق ۵۱ اختلافے است نوعی از تفریق
فاتح و خاتم آں یکے را کرد ۵۲ هست ایماں کہ با خدا است نبرد
فتح و ختم ایں دو از مشیّتِ اوست ۵۳ چیست در وے سوال ایماں دوست
نسبتِ وے بجملہ یکساں است ۵۴ پس چہ در وے سوالِ از ماں است
سابقین جملہ اند زیرِ لوا ۵۵ پس چہ بحث است ازیں زیادہ ترا
هست مکسوب یا کہ موهوب است ۵۶ زیں فضولی تراچہ مطلوب است
بر سیادت برو تو ایماں دار ۵۷ کارِ حق را بسوئے حق بسپار
در خصائص چہ شرکت و انباز ۵۸ از فواضل کجا فضائل باز
آنکہ گفتہ نبی نبی ساز است ۵۹ در مشیّت شریک و انباز است
گر نبی در زمانۂ اوّل خاست ۶۰ بودے ایں حرف نے در آخر راست
تولیت چونکہ هست جزءِ اخیر ۶۱ بر ترش اختیار شاهی گیر
گر نہ فهمیدی ایں مقامِ دگر ۶۲ قصۂ آدم و رجیم نگر
هاں ولایت کہ در نبوّت هست ۶۳ مثلِ جز و آں نصیبِ امّت هست

و آن خطاب و لقبِ حضرتِ حق ۶۴ نیست در وے مساہمت مطلق
مستفاد از بود کمال متاب ۶۵ کز خطابات نیست سنے زالقاب
قطبِ جیلی باین اشارت کرد ۶۶ گفت او یتیم اللقب آن فرد
در 'فتوحات' این چنین آورد ۶۷ در 'یواقیت'[1] لفظ افزون کرد
و آنچه بعدش بگفت لم تُوتَوا ۶۸ یعنی آن حصۂ کآن بماند فرد
آنچه وا ماند وقتِ قسمِ شما ۶۹ پس عنایت ہماں نمود بما
خواہم از حق کہ برحقم دارد ۷۰ و زنبی کامتی ام بشمارد
شوکتِ دینِ وے فراواں باد ۷۱ بندہ از بندِ غم شود آزاد

۱۳۰ ـــــ و دریں جا رسیدہ سیرتِ شریفۂ انبیاءؑ از قرآنِ حکیم کہ در خطاب و جوابِ اوشاں می آید و از کتبِ خصائص و سیر مطالعہ باید کرد، کہ چگونہ بناء امرِ شاں بر توکّل و یقین، و صبر و استقامت، و اولو العزمی و شہامت و وقار و کرامت، و انابت و اخلاص، و فضل و اختصاص، و بردِ یقین و ثلجِ صدر، و اعتماد و انشراح مانندِ تباشیرِ فجر، و امانت و صدق و رأفت و رحمتِ خلق، و طہارتِ ذیل و نظافتِ جیب، و اخبات الی اللہ و وسائلِ غیب، و زہادت در حظوظِ دنیا بہمہ حال، و انقطاع و تبتّل بسوئے ایزد متعال، و بے التفاتی در زخارفِ دنیا، و بے میلی در اموال، و توریثِ علم و عمل و عدمِ توریثِ مال و منال، کہ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ[2] و ترکِ فضول و صونِ لسان ازاں، و متابعت و مطاوعتِ حق در ہمہ شان، و موافقتِ ظاہر و باطن بدون ہیچ انخرام و انثلام، و بدون تراشیدن اعذارِ

---

[1] الیواقیت والجواہر للشعرانی ص ۳۹ [2] متفق علیہ من حدیث ابی بکرؓ۔ مشکوٰۃ ص ۵۵۰

باطلہ و تاویلاتِ فاسدہ و تعلّل و تمحّل در اتمام مرام، کَمَا اَضْمَرَ اَحَدٌ
فِیْ نَفْسِہٖ شَیْئًا اِلَّا اَظْہَرَہُ اللّٰہُ عَلٰی صَفْحَاتِ خَدِّہٖ وَ فَلَتَاتِ لِسَانِہٖ
و بدون تطرقِ تہافت و تساقط و تعارض و تناقض در کدام امرے از امور،
بل وضوحِ حق از پردۂ غیب و مکمن قضاء و قدر بر وفقِ انشراحِ صدور،
و بدون کدام رجوع و بداءِ خیال در تحقیقِ اطلاعاتِ الٰہیہ و مواعیدِ قادرِ ذوالجلال،
و صفاءِ سِر و سریرہ، و اطّراد و اتحادِ طریق بدون کدام تمحّل و تعلّل در تعارض
و توفیق، و ایثارِ جانبِ خدا بر جانبِ اغراض. و از وُصلات و علائق تسلّل و
و اعراض، و استدامتِ حمد و شکر و یادِ حق و ذکر در ہمہ حوادث و اعراض،
و تربیتِ ایشاں بحسبِ فطرتِ سلیمہ، و علمِ لدنّی زیرِ عنایتِ ربّ العالمین،
بدون کدام تفلسف مزاجی و اختراعِ مخترعین و تکلّفِ متکلّفین، و تسلیم و تفویض،
و عبدیّتِ کاملہ، و طمانیتِ زائدہ، و استقامتِ شاملہ، و ظہورِ دینِ ایشاں
بر ادیان و نشرِ ایمان و خصائلِ ایمان در اکوان بودہ. و ہیچ گاہ راہِ لابہ و چاپلوسی
نہ پیمودہ، و نہ ہیچ گونہ در مقابلۂ کفّار و جابرہ از کلمۂ خود تنزّل فرمودہ، و یا
بتخویف و تہدید و ہجومِ ایشاں از جادۂ خود انحراف نمودہ، و یا لوثے از طمع
و جمع از حطامِ دنیا بدامنِ ایشاں رسیدہ، و یا حرص و ہوا و حبِّ ما سوا
بسوئے خود کشیدہ، و نہ باہم اختلافے در علم و یا در عمل و ردّ و قدحے
بر یک دگر آوردہ، و یا ہجو و تہوینِ شان کردہ. و نہ گاہے اِدلال و عُجب
بر کمالاتِ خود و یا بتزکیۂ نفس و نفخ و کبر در حالات. بالجملہ ہرچہ بودہ از مواہب
ربّانیہ بودہ. نہ از دائرۂ ریاضت و مکاسب انسانیہ، اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ

يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ [1] و فرموده وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ [2]
در آیتِ اُولیٰ حوالہ بر امرے ایجابی فرموده، کہ علمِ الٰہی است؛ و در آیتِ ثانیہ بر امرے غیر ایجابی، کہ مشیئت است۔ و بیشتر دیده شده کہ درباب تخصیص و اصطفاء و اجتباء از جانبِ خود حوالہ بر امورِ الٰہیہ کرده آید، کہ از مکاسب نیستند۔

۱۳۱ ـــــ مخفی مباد کہ آں چہ از مجمل سیرتِ انبیاء نگاشتہ شد، و یا کسے دگر دگر چیزہا نگارد، نہ اینکہ حقیقتِ نبوّت ہمیں قدر است، و نہ آنکہ علماء نوشتہ اند کفایت کرده، و نہ آنکہ ایں مخذول تکرار و اصرار کند، و فی الحقیقت از علماء آموختہ آسیا گردانده، کہ نبوت عبارت از کثرتِ مکالمۂ الٰہیہ است بلکہ ایں ہمہ از رسومِ ناقصہ است کہ نشانے از راه دہد و سراغے وانماید، و حقیقت الامر راجز انبیاء کہ موصوف بہ نبوت اند، کسے دگر نمی داند، و نہ در مجالِ وسے کہ ایں گونہ امورِ الٰہیہ را اِکتناه کند و بایں معاملاتِ الٰہیہ و مقاماتِ ربّانیہ در رسد۔ و ایں معنیٰ را در فتوحات در بابِ ثالث و ثلثمائتہ بہ تفصیل آورده، و فرموده "فالنبي ذو عينين مفتوحة لمشاهدة النبوة والولي ذو عين مفتوحة لمشاهدة الولاية ذو عين عمياء عن مشاهدة النبوة" اه‍

کس نہ دانست کہ منزل گہ آں دوست کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

مانند صلصلة الجرس۔

---

[1] الانعام ۱۲۴ [2] آل عمران : ۱۷۹

۱۳۲ـــــ از احادیثِ نبویہ معلوم می شود کہ حقیقتے ذی اجزاءِ کثیرہ است کہ تفصیلِ آں اجزاء نفرمودہ اند، و بر بعضے ازاں اجزاء حکم انقطاع فرمودہ، و چیزے از مبشرات باقی است، و ایں حکم باعتبار جزءِ اخیرِ علتِ تامہ است، والا کمالاتِ ممہدہ کہ نبوت بر کرسیِ آنہا نشیند، و یا مانند صورتِ بر مادہ، یا نقش بر لوحِ سادہ، و یا مانندِ مشروط و موقوف بر شرط و موقوف علیہ آں کمالات جاری و ساری ہستند، و صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ[1] مع کریمۂ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ مانند وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ[3] باید فہمید و معیت مانند حدیث اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ[4] و اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ[5] و خود در آیت فرمودند وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا[2] و ایں آیت نساء را در موضع خوب فہمانیدہ، کہ کہتراں را با مہتراں نہند، مانندِ آں کہ خدم را با امراء۔ زیراکہ در صدر لطاعت مذکور است کہ اول مرحلہ است۔ وسلابتِ ہمیں کمالات است کہ ایں جہول مخذول از راہ بردہ، و تعدیۂ نبوت شمردہ۔

۱۳۳ـــــ واگر کسے تفلسف سر نہادہ می گوید کہ "ہماں حقیقت است کہ در غیرِ انبیاء متحول بسوئے ولایت گردید، و ہمچنیں وحی و الہام، و عصمت و محفوظیت، و معجزہ و کرامت، مانندِ ضیاءِ شمس کہ در کاسہ قمر نور شود، و یا مانندِ اشیاء کہ در خارج اعیان ہستند، و در ذہن صور، و در مرایا اشباح۔ و یا مانندِ تفاوتِ وجوداتِ اشخاص کہ تمنیٔ رفع آں جہل است" ایں تفلسف ہم قابلِ دقّ و اعتماد

---

[1] الفاتحہ ۶، ۷ [2] النساء: ۶۹ [3] الاحزاب: ۳۷ [4] مشکوٰۃ ص ۴۲۶ [5] الانفال: ۴۶

چنداں نیست ، چہ ہمہ اشیاء مذکورہ از مرتبۂ قطعیت منحط شدہ در مرتبۂ ظنیت آمدند، کہ تواں گفت کہ از وجوب بسوئے امکان رسیدند۔ پس ایں اختلاف، اختلافِ عوارض است ویا اختلافِ حقیقت، مانندِ تفاوتِ اشخاصِ نوع است باوجود اتحادِ حقیقت ویا چہ؟ ایں امرے است کہ جز علام الغیوب کُنہِ آں را کسے نداند، ندانی کہ در زیادت ونقصانِ ایمان کہ آیا در عوارض است ویا در نفسِ حقیقت؟ تاحال انفصال نشدہ۔

۱۲۴ـــــ وچوں متاخرینِ اہلِ معقول در حصولِ اشیاء باشباحہا مقرر کردند، ما ناکہ در حصولِ صفات نفسیۃ غیر جزیں راہ نیست، الا آنکہ حصول باستحقاقِ خود باشد، نہ بطور استفادہ، پس استفادہ کہ ایں مخذول سرائیدہ راجع بسوئے ذاتِ خود گردید، ودر واسطہ فی الثبوت کہ واسطہ وذوالواسطہ ہر دو موصوف باشند عقلاء را دراں، ہم معرکہ است، بعضے ازیشاں فہمیدہ اند کہ فعل از فاعل صدور یافتہ دگر سروے بر مفعول بہ می رسد، کہ آنرا بمفعول مطلق نام کردند، حقیقتے جداگانہ نیست، البتہ اثرِ فعل چیزے جداگانہ است، پس دریں اُغلوطات افتادن وضروریاتِ دینِ متواترات را برہم شکستن کارِ الحاد وزندقہ است۔

۱۲۵ـــــ ومعلوم باد کہ دراجرائے نبوت دریں اُمت ہیچ مزیتِ ایں اُمت ویا مزیتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر نمی شود کہ در پیشینیاں نظیرِ وے موجود است، وفرقِ استفادہ وعدم استفادہ، چنانکہ گذشت، لغو است، تمیزے واثرے در خارج ندارد، صرف اختراعے ذہنی است کہ

زائد از طفل تسلی نیست[1] پس بچہ معنی خاتم النبیین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را فرمودہ اند ؟ اگر گفتہ آید کہ خاتمِ کمالاتِ نبوت ہستند کہ مسافتِ کمالات واجزاءِ نبوت را باختتام رسانیدند وسپری کردند، اگرچہ دورۂ وزمانۂ نبوت ہنوز باقی است ، پس در نظم قرآن کجا است کہ خاتمِ کمالات تعلق فرمودہ باشند ؟ وکدام کس را حق است کہ از حقِ کلمۂ وے بدر رود ؟ کہ خاتمۂ اشخاصِ انبیاء فرمودہ اند ، وایں امر فرعِ ختم کمالات ہم است ۔ وعلامتِ آں کہ بختم زمانی ختم کمال نمودند ، وایں گونہ ختمیت در عالمِ تقدیر مقرر و مرعی است ومسلوک ومتاقی ، کہ ختمِ صوری را علامتِ ختمِ معنوی می گردانند ، وایں امر در شاہد یا بفتح است ویا بختم ، در آنحضرتؐ ہر دو جمع فرمودند ، خسرو فرماید ؎

شاہِ رُسُل وشفیعِ مُرسُل

خورشیدِ پسین و نورِ اوّل

ونظیر آں در سابق نیست ، پس مزیت این است یا بر منوالِ سابق بودن ؟

۱۳۶ ـــــــ و اگر صاحبِ اختیار ومالک امر گوید کہ من فلانی منصب را از آنجا آغاز کردہ بر فلاں اکمل اختتام کنم ، آیا ایں امر نزد اہل عرف بداہۃً کمال نیست ! کہ ایں ملاحدہ در بدیہی تشکیک انداختہ اند ، وگذشت کہ قولِ کسے خاتم المحدثین بمعنی خاتم کمالات من بین المحدثین نیست ، بلکہ خاتم اشخاص ، ومبنی بر مسامحت

---

[1] مفتی محمد عبد اللہ صاحب لدھیانوی در ص۱۱ فتح بعض عبارات ایں ملحد دریں معنی نقل کردہ ۔

و مجازہ ، کہ کلامِ ملکِ علام ازاں پاک است۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

۱۳۷ــــــ بالآخر محققِ آیتِ کریمہ بازاعادہ کردن مناسب است ، کہ فہمِ مزایا و اعتباراتِ مناسبہ و لطائف و نکاتِ کلامِ معجز نظامِ ملکِ علام براہلِ زماں خیلے دشوار افتادہ ، بلکہ از طوقِ طاقت بشر دور۔ الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔

۱۳۸ــــــ پس بداں کہ آیتِ کریمۂ ہذہٖ خطاب باہلِ جاہلیّت نیست ، زیرا کہ مدینہ است ، و نہ بر مؤدّیٰ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَالاَبْتَرُ[1] کہ مکیّہ است و در ردِّ اہلِ جاہلیّت آمدہ ، البتّہ دراصلاح رسمے ــــــ ـــاز رسومِ عُرفیہ آمدہ کہ تَبَنِّی را مفیدِ توریث می فہمیدند ، و ایں عُرف دریں زمانہ ہم چیزے ہست ، و نہ بوقتِ نزدل کدام فرزند موجود بود ، حضرتِ ابراہیمؑ ہنوز مولود نشدہ بودند ، و دگراں پیشتر گذشتہ بودند ، پس از ابطالِ تبنّی کہ بایں لفظ بودے ، کہ تَبَنِّی ہیچ نیست و حکمے براں مرتب نہ ، بسوئے اعم رفتند ، کہ محمدؐ پدرِ کسے از مردانِ شما نیستند ، و نہ برائے اجراء سلسلۂ ذرّیت پسری ، و ابقاءِ ایں خاندان و اولادِ ابنی ، البتہ رسولِ خدا ہستند ، و خاتمِ انبیاءؑ۔

۱۳۹ــــــ و در سلسلۂ کلام بسا افتد کہ از چیزے بسوئے چیزے دگر مناسبِ مُقام دیا از اخصّ بسوئے اعم روند ، پس ایں آیت در خصوص

---

[1] الکوثر : ۳

تبنی نمانده، و در سلسلۂ توریث خاندانی رسیده، خصوص مسألۂ قصۂ
نزولِ شانِ آں در وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَ كُمْ اَبْنَاءَ كُمْ[1] و در لِکَیْ لَا
یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِىْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاءِ هِمْ[2] تمام شد،
سپس کلام بسوئے توریث کشید، چنانکہ از ابن عباسؓ از معالم التنزیل
گذشت۔ البتہ دو جزء مراد داشت یکے علاقۂ پدری و پسری، بدل آں رسالت
نہادند۔ دوم توریث، بدلِ آں ختم نہادند، پس این است وجہ و کلمۂ
۱۴۰ ـــــ و معلوم است کہ در بقاءِ خاندانِ پسری و ابقاءِ سلسلۂ نبوت در
ایشاں کدام تلازمِ شرعی و یا عقلی نیست، لیکن اہلِ عُرف و مُحبّانِ صادق
می خواہند کہ در خاندان سلسلۂ توریث باقی ماندہ دریں حال محظور بود کہ شاید
کدام سلسلہ از نبوت و یا خلافت و ولایتِ عہد و یا توریثِ مال و مانندِ آں
در خاندان مانَد اگرچہ لزوم ہیچ گونہ نبود، لیکن تناسب داشت، و بسا کہ
متمنّیٔ مُحبّان محظورِ اذہان می باشد۔ چنانکہ در علم ہم توریثِ خاندانی لازم
نیست، و لیکن اگر در خاندان باقی ماند آنرا علمِ خاندانی می گویند و مناسب دارند
دریں ہمیں منوال است: یَرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ[3] و عنوانِ
آل ابراہیم و آلِ یعقوب و آلِ عمران و آلِ یاسین و آلِ داؤد بر ہمیں مُلاحظہ
آمدہ۔ در موضع از سورۂ اعراف چیزے از منصبِ خلافت و امامت و
بودنِ امامت در خاندانِ ہارون ؑ ذکر کردہ۔ و ہمچنیں وَ وَرِثَ سُلَيْمَانُ
دَاوُدَ[4] و در معالم آوردہ در روی عن عطاء ان اللّٰہ لما حکم ان لا نبی

---

[1] الاحزاب: ۴ [2] الاحزاب: ۳۷ [3] مریم: ۶ [4] النمل: ۱۶

۴،

بعده لم يعطه ولداذكرا يصير رجلا۔

۱۴۱ــــــ پس فرمودند کہ محمدؐ کہ در اذہان خطور تواند بود کہ براتے اجرا خاندانِ پسری ہستند وابقاء توریث کدام گونہ، این گونہ نخواہد بود۔ در تقدیرِ ما براتے ختمِ سلسلۂ نبوت اند۔ پس سلسلۂ ولایتِ عہد در خاندانِ پسری نخواہد ماند، و بالاولیٰ سلسلۂ نبوّت ہم نخواہد ماند۔ دگذشت کہ سلسلۂ توریثِ نبوّت بالاستفادہ ازین نظم بالاَوْلیٰ منفی خواہد شد۔ بہ نسبت نبوتِ بلاواسطہ، زیراکہ ابوت در صورتِ اُولیٰ اَدْخل است۔

۱۴۲ــــــ حاصل آں کہ محمدؐ براتے اجرا نیست، بلکہ براتے ختم۔ ومبنیٰ نظمِ آیت بر لزوم نیست، بلکہ بر تناسب و وقوعِ آں ہم بقدر مخطور بودنِ اذہان اگرچہ از مسلمین باشد، ورنہ در محطِ کلام ضروری است کہ در مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ از اوّلِ امر اجراءِ سلسلۂ نبوّت را محطّ گردانیم، بلکہ بطریقِ اَوْلیٰ بنفی دگر سلسلہاتے مُناسبہ منفی شد، وختمِ کلام کہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ است متضمنِ اشارۂ خصوصی بسوئے ارادۂ آں در صدرِ کلام شد۔

كما قال التفتازاني فان قلت اذا تحقق تنافي الوصفين في قصر القلب فاثبات احدهما يكون مشعراً بانتفاء الغير فما فائدة نفي الغير واثبات المذكور بطريق الحصر؟ قلت الفائدة فيه التنبيه على رد الخطاء، اذ المخاطب اعتقد العكس، فان قولنا زيد قائم وان دل على نفي القعود، لكنه خالٍ عن الدلالة

علیٰ ان المخاطب اعتقدانه قاعد اھ[1]

وبہمیں سبب دراجتماعِ نفی باسائر طرق قصر تفصیل پیدا شدہ۔

۱۴۳ـــــــ واگر گفتہ آید کہ 'لاکن' برائے تلافیٔ مافات بصورتے دگری باشد، آں ہم دریں جا مؤفراست، کہ در بدلِ علاقۂ ادنیٰ علاقۂ اعلیٰ نہادن وانتقال ازنوع بسوئے جنس ویا جنس الاجناس مفوض بسوئے مقام است، چنانکہ دراستثناءِ مفرّغ تقریر کردہ اند، بالجملہ جمع ایں دوجملہ۔ مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ برائے اداءِ ہمیں مرام است کہ گذشت، ورنہ اداءِ ایں مسائل جداگانہ ہم می تواں شد۔

ایں است خلاصۂ مرادِ آیتِ کریمہ کہ عمرہا می گذرد وتجلّی ندہد ؎

زحسنت ہر کسے ہر دم حدیثے دیگر آغازد
رخت گر جلوہ سازد نماند ایں حکایتہا

خاتمہ

۱۴۴ـــــــ باید دانست کہ طریقۂ حق طلبی وحق پسندی وحق نیوشی ایں است کہ قیودِ کلامِ معجز نظام راہم از کلامِ ملکِ علّام باید گرفت، بلکہ در کلامِ ہر یک متکلّمِ حاضر حواس ہمیں طریقہ است، واز جانبِ خود تقیید باد تقیہا باتّباعِ ہویٰ واغراضِ نفس پیدا کردن، سپس تمزیق وتفریقِ کلامِ معجز براں بناءِ الحاد وزندقہ است، پس چوں حق تعالےٰ یکبار نفی

---

[1] مختصر المعانی: ص۔ ۱۹۰ بحث قصر بالعطف

فرمود کہ مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ، پس شیوۂ ایمان این است کہ ہمگی تعلّل وتمحل راگذاشتہ آں حضرتؐ را خاتمِ ہمہ نبیّین یقین کنیم، و بایں ایمان آوریم کہ درہمیں عقیدہ ایں آیت آمدہ، وچوں حضرتِ حق در ہیچ جا تقسیم و تقیید نفرمودہ مارا حق نیست کہ بہ شبہاتِ زیغ والحاد از عموم واطلاقِ آیت بدر رویم، کہ مقابلۂ نصّ با قیاس اولاً ابلیس کردہ، سپس اجماعِ بلا فصل بریں عقیدہ منعقد شد، واز عصرِ نبوّت تا ایں وقت ہمیں استمرار واستقرار ماند، پس ایں عقیدہ قطعی الثبوت، وایں آیت در اثباتِ آں قطعی الدلالت ماند۔

۱۴۵ــــــــ وآنچہ ایں ملحد واذنابِ وے در خلاف می کوشند، ہمگی مغالطہ ہائے فضیحت ہستند، وبارہا در مناظرہ ہا مفحم وذلیل ورسوا شدہ ہدایت نگرفتند، ومشاہرہ ہا از انجمنِ خود گرفتہ در بدلِ ایمان کفر خریدہ ماندند طریقۂ ایشاں این است کہ محکمات را بہ شبہات ومتشابہات مکدر می کنند ودر فتنہ رفتہ از ایمان بدر آرند۔ ہیچ دلیلے سمعی یا عقلی مسکۂ ایشاں نیست الا شبہات الحاد۔ چنانکہ بعضے از آنہا دیدی وشنیدی کہ زیادہ از زندقہ نیستند، وبر ہمۂ آں شبہات ایں نصّ حاکم وحاوی شدہ۔

۱۴۶ــــــــ مانندِ آنکہ تعلّل در آیۂ اعراف یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ الآیۃ[1] می کنند کہ استقبال باعتبارِ نزول است نبوت جاری است۔ حال آں کہ دریں آیت کدام قیدِ اتّباعِ خاتم الانبیاء نیست، کہ

---

[1] الاعراف: ۳۵

در نصِّ ختم ایجاد کرده بودند۔ معہٰذا این شبہہ از غایتِ غباوت و الحاد ناشی است. حق تعالیٰ قصّۂ آدم بیان فرموده و درمیان کدام کدام جملہ بکلمۂ "قل" دربارۂ آن امور، که درمابعد ہم بوقوع آیند، خاتم الانبیاء را خطاب فرموده، و بر کدام فائدۂ ضمنی ارشاد و تنبیہ کرده، که باز حاجتِ استینافِ کلام و از سرگرفتن پیش نیاید، و دست بدست انجاز شود، و چہار بار بعنوان یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ ارشاد کرده، که ہمگی ازان عہد است. و استیناف باعادۂ خطابِ اوّل۔ و استقبال ہم باعتبارِ آن عہد است. سپس قصّۂ نوحؑ و ہودؑ و صالحؑ سرد فرموده، و مابعد خاتم الانبیاءؐ آیتِ رُسل را نہادن مُعارضہ باحضرتِ حق است، که یک بار مرادِ خود بنصِّ ختم آموختہ بود۔ و در ابتداء البقرہ ہم قریب باین نظم ارشاد شده قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى الآیۃ[1] و نیز در طٰہٰ[2]۔ بحقِ آدمؑ و ابتداءِ آفرینش استقبال مناسب بود، ہمچنیں آورند۔ بحقِّ خاتم الانبیاءؐ اتصال بقیامت ذکر فرموده و درمیان کدام دگر امتے نہاده، ہمیں واقع بود، و ہمیں گونہ نظمِ آیات۔

باز حق تعالےٰ را این ہم می رسد که در لاحق خطاب از سابق گیرد، چند حکم مناسب این صنیع باشد، ذہنِ ہیچ کس از امت درین آیات بسوئے کدام توہم نرفتہ، و نہ درینہا کدام رائحہ ازان۔ این ملحد را دعوئ نبوّت بتعلیم شیطان جداگانہ کردن بود، بعد ازان این الحاد ہا سگالیده، و

---

[1] البقرۃ: ۳۸ [2] طٰہٰ: ۱۲۳

اَذنابِ وے از علم و فہم و عمل و نیّت ہمگی عاری اند ، اِلّا از کفر و عناد، و عداوتِ حق و اہلِ حق، و شر و فساد. وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ.

۱۴۷ــــــــ و مانندِ آنکہ در وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ [1] الحاد کنند، حال آں کہ مراد واضح است ، کہ کدام جزء نعمت نگذاشتم کہ شمارا عنایت نکردم، و ایں منافی ماندنِ کدام جزءِ جدید است کہ ہنوز نداده باشند ، نہ بقاءِ آں نعمت را کہ دادند. برخلافِ خاتم النبیین کہ خاتمِ اشخاص فرموده اند ، و ایں منافی آمدنِ کدام شخصِ دگر است ، ہماں خاتم الانبیاءُ ہستند ، کہ دوره شاں باقی است ، و چنانکہ در حیاتِ او شاں نبیّے دگر نبود در مابعد ہم نیست ، و چنانکہ گفتہ آید کہ برفلاں کس اجزاءِ سلطنت اتمام کردیم ، ایں مضمونے است مکشوف المراد . و اگر گوئیم کہ فلاں کس را خاتمِ سلاطین گردانیدیم ایں مضمونے دگر است کہ بجائے خود مکشوف المعنی است .

اجزائے شئے چیزے است ، و عمرِ شئے چیزے دگر. با تمامِ اجزا عمرِ وے تمام نگردید ، بلکہ ناقص نماند، و بختمِ اشخاص عمر ختم شد و سلسلہ باقی نماند، و آں کار گذاشت . و چوں کسے کار گذارد باوے چہ معارضہ ؟ و تحریفِ مرادِ وے چگونہ ؟

۱۴۸ــــــــ غرض آنکہ ختمِ نبوت یک بار آموختہ عقیدۂ مستمرہ باید فہمید، و مفروغ عنہ. بس ہر چیزے کہ از ذخیرۂ سمع و نقل پیش آید موافقِ وے شرح و تفسیر باید کرد ، زیراکہ از ضروریاتِ دین است . یعنی از اں امور کہ بہ

---

[1] المائدہ : ۳

تبلیغِ پیغمبرِ اسلام خاص و عام را رسیده، و این گونہ امور در دین حقیقت متقرّرہ دارند، کہ بالظنّ کسے و تاویل دائر نیستند، بر خلافِ ظنّیات۔ و اگر ہر چیز در دین دائر دارند پس دین را کدام حقیقتِ محصّلہ نیست، و این ضرورت بتواترِ نقل و اشتہار و استفاضہ می باشد۔ حکم ہر چہ باشد، خواہ افتراض، و خواہ استحباب و اباحت۔ وگاہ قطعیّت بقیامِ دلیل عقلی کہ مساعدِ نقل باشد ہم می خیزد، لیکن لازمی نیست، بلکہ چوں عقیدۂ در اُمّت طبقۃً بعد طبقۃٍ متواتر ماند، و خلافے در اہلِ حلّ و عقد ظاہر نشد و متفق علیہ ماند، پس آں قطعی است۔ و تواتر گاہ باسنادِ گاہ بطبقہ و توارث، وگاہ بقدرِ مشترک می باشد۔ و این ہمہ تواتر است، وہمیں است سبیل المؤمنین کہ قرآن فرمودہ وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا[1]

۱۴۹ ــــــ و من بعد مخفی مباد کہ اگر کسے گوید فلاں عمارت را ختم کردم، این سخن از مشاہدۂ حال و ارادۂ خود، کہ مالک وے است، گفتہ است۔ پس این مکشوف المراد است، تحریفِ مرادِ وے کارِ صادقانِ راستان نیست۔ بر خلافِ آنکہ گفت کہ فلاں کس خاتم المحدثین است، چہ چیزِ مشاہدہ کردہ گفتہ؟ زیرا کہ علمِ غیب ندارد، و نہ بر احوال احاطہ۔ لہٰذا این سخن تخمین است و مجازفہ و مسامحہ، بر خلافِ علّام الغیوب و مالک الملک، پس ہمچو

---

[1] النسآء: ۱۱۵

نفاذ تنہا و تغایرِ احوال سخن از کجا تا کجا رود۔ و بسا کہ تعینِ مرادِ لفظ از انحصارِ آں لفظ در آں معنیٰ نباشد، بلکہ از احوال و اغراض و اِکثار و تکرار بدونِ خلاف۔ و مانند ایں در محاورات، و در محاوراتِ روز مرہ چرا ایں تباہی نیفتاد کہ فقط در نصوص رُو داد؟ در حال شمولِ توفیقِ ایزدی درکار است، و اگر در ہمچو امورِ واضحہ کسے فہم رساندارد و باِدّعاء ہمہ دانی در کفر و ایمان فرق نکند دست از وے بردار، کہ زمانہ زمانۂ تحریفِ غالین و انتحال مبطلین است چنانکہ در حدیث آمدہ[1]۔

۱۵۰ـــــــ از حالِ ایں مخذولاں چناں معلوم می شود کہ اگر حق تعالیٰ سوگند ہم می خورد کہ مرادِ من ایں است کہ من بعد ہیچ گونہ کدام نبی نخواہم فرستاد، گفتندے کہ ہاں ہاں لفظِ تو ہمیں است کہ گفتی، لیکن مرادِ تو ایں است کہ ایں سلسلہ را جاری داری بفلاں طریق۔ و اگر فرمودے کہ آں ہم نہ، گفتندے کہ ظاہر چنیں است و در باطن تو چناں۔ و ھلم جرّا۔ و بمانند ایں تلقی المخاطب بالا ینترقب حق تعالیٰ از اداءِ کدام حقیقت مجبور خواہد ماند، و راہِ اداءِ کدام مطلب مسدود۔ و اگر کسے قرآنِ مجید را گوید کہ ایں آخریں کتابِ الٰہی است، و مرادِ وے ہمیں باشد کہ آخریت حقیقی است، لیکن در دستِ وے ذریعۂ اداءِ ایں مراد ہیچ گونہ نیست۔ واللّٰہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ

۱۵۱ـــــــ و اکنوں حکمتِ ختمِ نبوّت و سر بمہر کردنِ آں می باید فہمید۔ معلوم باد کہ ایں حقیقتے را مالکِ الملک و صاحبِ اختیار از عہدِ آدمؑ شروع کردہ،

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۶ اخرجہ البیہقی فی کتاب المدخل مرسلاً عن ابراہیم بن عبد الرحمٰن العذری

کہ آغاز بنی آدم است، بر خاتم الانبیاء محمد رسول اللہؐ۔ کہ بر خاتمۂ دنیا ہستند تمام فرمودہ، و اعلانِ اکمالِ دین و ختمِ نبوت نمودہ، و مقصودِ این ختم، چنانکہ ابن کثیرؒ باین معنی رسیدہ، ہمیں است کہ من بعد کسے ملحد و زندیق و دجال و کذاب درمیان نخلد، و یا از مختوم چیزے نہ بر آرد، و تا آں کہ اُمت بریں عقیدہ ماند مشمول رحمت ماند، و چوں انحراف کند موجبِ تفریق و تمزیق گردد، و ہیچ فرق در تشریع و غیر تشریع نیست، زیرا کہ چوں اضافہ در ایمانیات ممکن بودے در اعمال چہ دشوار است؟ پس اگر دگر پیغمبران آیند و تکفیرِ منکران کنند این اختلافِ اختلافِ رحمت نیست، بلکہ اندرانِ استیصالِ بیضۂ اُمتِ مرحومہ و ابطالِ خیر و برکتِ او شان، و اعدامِ اصلاح و فلاح و نجاحِ ایمان، و فتحِ بابِ تکفیرِ یک دگر، و سدِ بابِ اتفاق و ایتلاف است؛ و معارضہ و مناقضۂ مقصدِ الٰہی است، کہ بعد ازیں کدام دجالے درمیان نخلد ؎

ازوح وقد ختمت علی فؤادی

بحبک ان یحل بہ سواکا

و بہمیں سبب اعلانِ ختم فرمودہ کہ عرقِ دجل و زندقہ قطع کند، و اُمت تمزیق و تقطیعِ ایمان نکند، و در ہرج و مرج و حرب و ضرب و سفکِ و فتک و شقاق و نفاق نیفتند، و موجبِ فساد فی الارض و فتنۂ طول و عرض نگردد۔

۱۵۱ــــــ پس این حکمتِ باہرہ را با وسوسۂ این شقی کہ نبوت نبی ساز باید بود بسنج، و انصاف دہ کہ تحقیقت رحمت بحقِ اُمتِ مرحومہ این اعلان

بود، کہ از الحاد وعبادت آں را نفہمید، کہ تکفیر منکراں باوجود ایمانِ کامل برخاتم الانبیا
اِعدامِ رحمت بحق اوشاں می کند، پس عددِ آں اشقیاء کہ اوشاں را انبیاء
آفرید، وعدد جماہیر را بسنج کہ چہ موازنہ است ؛ رحمتے کہ بحق اُمت نزاں
گفت این است کہ بریک دین وایمان، ویک کتاب ونبی، وہدایتِ
متحدہ وملتِ واحدہ، ویک سبیل المؤمنین، ویک راہ روند کہ در سابقین
مقدر نبودہ۔ ابن کثیرؒ ہمیں معنی را فہمیدہ می گوید وھذا من شرفہ
صلی اللہ علیہ وسلم انہ خاتم النبیین وانہ مبعوث
الی الخلق کافۃ ۔ وختم نبوت را بر ذاتِ گرامی شرف قرارداد،
وگذشت کہ ایں بدیہی است، وتشکیکِ ایں مخذولاں تشکیک در بدیہیات
است، وطبرانی از ابومالک اشعری روایت کردہ إِنَّ اللّٰهَ بَدَأَ هٰذَا
الْأَمْرَ نُبُوَّةً وَّرَحْمَةً وَّكَائِنًا خِلَافَةً وَّرَحْمَةً۔
وفی الحقیقت در رحمت خیرِ عام مقصود می باشد کہ در جنبِ وے تکمیل
چند کس معدود وزنے ندارد، وچوں سخن بر موازنۂ رحمت رسید ایں نکتہ
را باید سنجید۔

۱۵۳ـــــ باقی ماند معاملۂ نزولِ عیسیٰؑ، پس از ایمانیاتِ سابقہ است،
نہ امرے مزید۔ ومقصود بالذات ہدایتِ عامہ وتربیتِ کافہ است،
وبعثتِ ارسالِ رسل مقصود بالعرض، ومعلوم است کہ بوقتِ تجاذبِ جوانب
وتعارضِ مصالح رعایتِ الارفق فالارفق وخیرِ نسبی از میانِ امور می کنند،

(واللہ الموفق)

۱۵۴ـــــــ وبناء آیاتِ قرآنِ حکیم ومطمحِ نظرِ کلماتِ تنزیل ومحطِ فائدۂ آنہا ومسقطِ اشارۂ ہمگی ہمیں است کہ بعد قرآن کتابے و وحیے وخطابے کہ باو ایمان باقی و واجب باشد موجود نیست، آں وحی راکہ مخصوص بانبیاؑ است ورما بعد ننہادہ، وبطور مفہوم، کہ از انواعِ دلالت است، نفی فرمودہ، چنانکہ فرمودہ، وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ.[1] لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ[2]. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ[3] وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ[4] اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ[5] كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ[6]

وایں نوعِ استدلال در فتوحات آوردہ، کہ ایں ملحداں بقاءِ نبوت برایشاں افتراء کردہ اند، وشیخ در وصل من الباب الثالث والسبعین السؤال التاسع عشر تصریح فرمودہ کہ مرادِ شاں از نبوت معنی لغوی است، نہ اصطلاحِ شرعی۔

---

[1] البقرہ: ۴ [2] النساء: ۱۶۲ [3] النساء: ۱۳۶ [4] الزمر: ۶۵ [5] النساء: ۶۰ [6] الشوریٰ: ۳

۱۵۵ـــــ سپس معلوم باد کہ این نبوت من غیر تشریع، کہ عبارت از فیوض و کمالات و ولایت و مبشرات است، نزد شیخ از اجزاء نبوت است، نہ از اقسام نبوت ـــ و ہمچنین نبوت تشریع از اجزا است، کہ کل تا آنکہ ہمہ اجزاء متحقق نباشد صادق نیست، نہ مانند مقسم کلی کہ بر اقسام صادق باشد کہ این ملحدان فہمیدہ اند، و شیخ تصریحات باین معنی فرمودہ، فی الجملہ نزد ایشان جزء باقی است، کہ مصداق کل نباشد، نہ کدام جزئی، و یا کدام قسم نبوت۔

۱۵۶ـــــ و نوعے دگر از آیات کہ دران وحدت این امت تا آخر فرمودہ، مانند كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الآیۃ[1] وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا[2] فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا[3]

۱۵۷ـــــ و نوعے دگر در نحو آیات وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ الآیۃ[4] وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ الآیۃ[5] وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ الآیۃ[6] آمدہ۔ و بطور طرد و عکس اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ[7]

۱۵۸ـــــ و معلوم است کہ اگر من بعد کدام قسم نبوت مقدر بودے

---

[1] آل عمران: ۱۱۰ [2] البقرہ: ۱۴۳ [3] النساء: ۴۱

[4] الانبیاء: ۲۵ [5] الحج: ۵۲ [6] الفرقان: ۲۰ [7] الاعراف: ۳

و بانکارِ اوشاں تکفیر رفتے ہر آئینہ وصیت بودے کہ من بعد انبیا خواہند آمد مباداکہ آں وقت ہلاک شوید از ذکرِ سابقین ذکرِ لاحقین اہم بود، کہ بر سابقین ایمانِ اجمالی کافی است، ہرچہ کہ تعداد باشد، بر خلافِ لاحقین کہ باوشاں معاملۂ ایمان درپیش است، و ازیں ہم چہ کم کہ قیدِ "من قبلِ" را فرو گذاشتندے، کہ بے موقع و موجب مغالطہ است، و عددِ ایں نوع آیات بسیار از بسیار است، اجمالاً از "مفتاح کنوز القرآن" باید دید کہ یکے ازیں آیت ہا در مقابلۂ ایہام "فاؤلٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم[1] الآیۃ"، کہ تراشیدہ اند، کافی است، و عددِ زائد برائے اہلِ حق و اہلِ ایمان فاضل ماند، و اللہ المستعان۔

۱۵۹ ـــــ پس ایں قدر آیاتِ بیّنات کہ مبنی بر ختام و منبئ از یں مرام ہستند، کہ ناظرین عددِ آنہا تا یک صد رسانیدہ اند، نازل کردن، و ایمائے والتفاتے بسوئے ما بعد نکردن از مطلعِ نظرِ الٰہی خبر می دہد، کہ من بعد نبوّت بہیچ قسم باقی نیست، و نبوّت و وحیِ مختصّ بآں من بعد در قرآن گم وناپید است، ورنہ ایں طریقِ ہدایت وارشادِ عباد نیست ؎

ولم ار فی عیوب الناس شرّاً
کنقص القادرین علی التّمام

۱۶۰ ـــــ وہمچنیں در ذخیرۂ احادیث، کہ زائد از دو صد در ختمِ نبوت آمدہ اند، وعلیٰ رؤس المنائر والمنابر وعلیٰ اعین الناس در رؤس

---

[1] النساء: ۶۹

الا شہاد شنوانیدہ شدہ، ایماءے واشارتے نہ۔ و بعض آنہا در انقطاعِ نُبوّت علی الاطلاق، و بعض در انقطاعِ خصوصِ غیر تشریعی، مانندِ حدیث بخاری ومسلم و احمد وغیرہم، از ابی ہریرہؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قال کانت بنوا اسرائیل تسوسھم الانبیاءُ کلما ھَلکَ نبیٌّ خَلَفَہٗ نبیٌّ، و انہ لا نبیَّ بعدی، و سیکون خلفاءُ فیکثرو ن، قالو افماتأ مرنا؟ قال فوابیعۃ الاول فالاول، اعطوھم حقھم، فان اللہ سائلھم عما استرعاھم[1]

واین انبیاء کہ سیاستِ بنی اسرائیل می کردند بر شریعتِ توراۃ بودند، شریعتے دگر نداشتند، ودریں حدیث بعد تصریحِ انقطاعِ نُبوّت آں امر راہم ذکر فرمود کہ بدلِ نبوت باقی ماند، وآں خلافت است، نہ کدام قسمے از نبوت۔

۱۶۱ــــــ دگذشت کہ نُبوّت استخلاف است، و لہٰذا در نسأ نبودہ، نہ برائے تکمیلِ ذواتِ انبیاء، کہ آں جزٔ ایست مندرَج تحت نبوت و ساری و متعدی۔ پس کمالات کہ بطورِ تسبیب متعدی نہادہ اند، اکنوں ہم متعدی اند، و سابقہ نیز۔ برخلافِ استخلاف واختصاصات وتشریف کہ مقتصِر بر موہبت ہستند، و نفی ایں حقیقت اعتقادِ ایجاب بالذات و بالطبع است، کہ از سر مخالفِ دینِ سماوی است۔

۱۶۲ــــــ پس اثارۂ شبہات، مانند اینکہ درمیانِ مسیح ابن مریم وایں دین بیگانگی و اجنبیّت نہادن، و تفریقِ مسیح ناصری و مسیح محمدی پیدا کردن،

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۲۰

وآنکہ طولِ حیاتِ وے و رفعِ وے موجبِ فضیلتِ وے بر خاتم الانبیاءؐ است، و غیرتِ ما ایں راقبول نکند، ہمہ از تعلیم شیطان است، کہ در سینۂ مخذولان مربّع نشستہ القاء می کند، وایشاں بہ ہمچو شبہات ابلہاں را ایمان بدر آرند، ورنہ ایں امور نہ موجبِ فضیلت اند، و نہ باخدا منازعت در اختیارسہ

تبارک من اجری الامور بحکمة کما شاء لا ظلماً اراد و لا ھضما

فمالک شیٔ غیر ما الله شاءہ فان شئت طِبْ نفسا وان شئت مت کظما

۱۶۳ ــــــ پس باید فہمید کہ آخریت و خاتمیتِ کسے اگرچہ بوجوہ تواند بود، مانند آنکہ مردم در قصرے پس و پیش جمع شوند، پس آنکہ در آخر ہمہ رسید باعتبارِ آمدن از ہمہ آئندگان آخر است اگرچہ باعتبار برآمدن اول ماند چناں کہ در نحن الاٰخرون السابقون[1] اشارت رفتہ، وآں مہر کہ بر ملفوف زنند، ہم چنیں است کہ در وضع مؤخّر است، و در فتح مقدم۔ و بسوئے ہمیں حضرت عیسیٰؑ در حدیثِ مسندِ طیالسی[2] بحق خاتم الانبیاءؐ اشارت فرمودہ اند، کہ بابِ شفاعت را از ایشاں فتح کنید۔

۱۶۴ ــــــ واز حدیثِ شفاعت واحالۂ انبیاءؑ بر خاتم الانبیاءؐ معلوم شد کہ منتہیٰ کمال باعتبارِ زماں ہم مؤخّر بودن علامتے است در سنّتِ الٰہیہ بر منتہیٰ بودنِ وے، و ہمیں امر مرعی است در خاتم الانبیاءؐ کہ در ضمنِ واقعاتِ شدہ نشدہ توقیف بر ذاتِ گرامی او شاں پدید آمد، و ختم زمانی صورت و پیرایۂ ادا کنندۂ حقیقت

---

[1] متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃؓ۔ مشکوٰۃ ص ۱۱۹ [2] ص ۳۵۴

دگر شد، کہ آن منتہیٰ بودن در کمال است، و ہمچنیں در صلوٰۃِ لیلۃ الاسراء و امامتِ حضرتِ ایشانؐ۔

۱۶۵——— پس نبوت نہ صیغۂ تولید است، چناں کہ ایں ملحدی سراید بلکہ استخلاف و ولایتِ عہد از ربّ العزّت است، و در عقدِ خلافت و اخذِ بیعت اتمامِ مقصد است بر خاتم الخلفاء، و در تولید استخلاف معطّل می ماند کہ منصبِ اعظم بود و اختصاصِ افخم۔ و در استخلاف اِحضارِ اہل حلّ و عقدِ سابق باشد، کہ تولید باعتبارِ متاخر باشد، وحق استخلاف آنکہ می گویند استخلفت فلا نا علیھم، و ہمیں امر در کریمۂ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ[1] الآیۃ ظاہر شدہ، کہ بوقتِ تحویلِ سلسلۂ بنی اسرائیل بسوئے بنی اسمٰعیل بکار آمد۔

۱۶۶——— و آں مُصدِّق از بیرون آمد نہ از میانِ ایشاں، و ہمین است حرف توارۃ نابی مقرنخ میخنخ کاموخ یاقیم لخ الوہخ الاو تشماعون۔ اے نبی من قریبك من اخیك کمثلك یقیم لك الهك اليه تسمعون۔

واسکندرانی، کہ از اَخبارِ یہود بود پس مشرف باسلام شد، در بشارات بہ لفظ حی یشماعل آوردہ کہ تصریحِ اسمٰعیل علیہ السّلام است۔ واگرچہ عیسیٰؑ ہم سے فرمایند مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰاۃِ[2] لیکن در ما نحن فیہ ہمہ نبیّین را یک طرف نہادہ آں رسول آئندہ رامی آزند و مصدق ہمۂ ما معھم می دارند، نہ کدام کتابِ مخصوص۔ و ایں بر خاتم الانبیاءؐ

---

[1] آلِ عمران : ۸۱ [2] الصف : ۶

صادق است۔ چنانکہ در بقرہ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ [1] وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ [2] و این عنوان اَدْعٰی است بسوئے ایمان بنسبت فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ [3] کہ حال کتاب است، و امسّ بادشان نیست۔ و ہم چنیں از انعام [4] و معہذا بلفظِ عموم است، و از بقرہ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ [5] ـــــ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ [6] ـــــــــــ و از نساء اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ [7] بعنوان ما مع۔ و از مائدہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ [8] بارادۂ عموم۔ و در حقِ عیسٰیؑ از مائدہ و صف و آل عمران تقیید من التوراۃ، نہ من الکتاب۔ پس در عنوان "ما مع" و "ما بین یدیہ من الکتاب" ہم فرق است کہ مرعی بودہ۔

۱۶۷ ـــــ و ہر گاہ در مثالِ مذکور، کہ اجتماع در قصر است، کسے از نشینندگان بیروں آمد و باز گشت، پس اگر باعتبارِ حرکاتِ ایاب می شمریم، گوئیم کہ آخریں ایاب ایں کس است، و چوں ایں ایاب در مقاصد معتدبہ نیست در احتفالِ مجالس، ہموں ایابِ اول را می شمارند، گویند کہ آخر آیندگان فلاں است نہ ایں، و چوں گویند فلاں "خاتم النبیین" است پس ایں باعتبارِ پیدائش و بعدیتِ اشخاص است، کہ چنانکہ مجلے در سابق ذکر کردہ شد، و تشکیک دریں امر

---

[1] البقرہ: ۸۹ [2] البقرہ: ۱۰۱ [3] البقرہ: ۹۷ [4] آیت ۹۲

[5] البقرہ: ۴۱ [6] البقرہ: ۹۱ [7] النساء: ۴۷ [8] المائدہ: ۴۸

تشکیک در بدیہیات است، کہ قابلِ التفات نیست، وچوں سخن بر اشخاص رسید و تعدّدِ او شاں بتمایزِ وجوہ و اشکال است، نہ باعتبارے ذہنی و معنوی از استقلال و اِتّباع کہ در تمایزِ وجوہ لغو است، لاجرم آمدنِ شخصے نو منافیِ آیتِ خاتم النّبیّین است، کہ شخصے دگر است، و کالبد و چہرہ دگر دارد، و بہمیں اقتضاءِ آیتِ ختم آمدہ، و تحریفِ ایں مراد زندقہ والحاد است، البتہ اعادہ کسے از سابقان کہ حضرت مسیح بن مریم اند، اعادہ است، کہ ہموں شخص است کہ بود، و اعادۂ وے علامتِ ایں است کہ کسے دگر بعد خاتم در سلسلہ نماندہ، حاجتِ تکرار افتاد، و نہ خاتمیّتِ خاتم مقتضیِ فناءِ سابقین است، چنانکہ لفظ آخر المہاجرین و آخر الاولاد مستلزم فناء سابقین نیست۔

۱۶۸ـــــــ پس تشکیک دریں امور تشکیک در امور بدیہیہ است، کہ باقتضائے اینہا دیو رجیم بر ریشِ ابلہاں و بے ایماناں ریشخند می زند، قال فی الاصابۃ[1] "فوجب حمل النفی علی انشاء النبوۃ لکل احد من الناس لا علی وجود نبی قد نبئ قبل ذلک" واللّٰہ یختص برحمتہ من یشاء۔

۱۶۹ـــــــ بعد ازیں معلوم باد کہ علماءِ کلام را در تفسیرِ فضیلت بحث است، اکثرے بمعنی کثرتِ ثواب گرفتہ اند، و شاید ابن حزمؒ چیزے دگر فہمیدہ، کہ بودنِ ازواجِ مطہراتؓ را با آنحضرتؐ در یک منزل از جنّت نقل کردہ تفریعے بردکردہ کہ جمہور علماء تسلیم نکنند، اشتراک در منزل چیزے است، و اشتراک در منزلہ و مکانت چیزے دگر، وچوں ایں حقیقت فی نفسہا موجودہ و مقصودہ است اِلغاءِ وے و اخلاء لفظِ وے از نوعیتِ خود ہر آئینہ تحریف است، و ہمچنیں

---

[1] الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ: ج ۱ ص ۴۲۵ ترجمہ خضر علیہ السلام

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ[۱] حقیقتے برائے سہا است کہ حصولِ نبوت را نخواہد، واخراجِ وے از موضوعِ خود اعدام حقیقتے موجودہ و ثابتہ است، کہ بلا دلیل نوعے الحاد است، و ہمچنیں رفع و نزول کہ بطباق مکشوف المراد اند، اخلاءِ آنہا از موضوع و نوعیتِ خود الحاد است۔

۷۰۔ــــــ اگر سلطان را مدعو کنند خَدَم و حَشَم درمنزل و مکان ہمراہ خواہند ماند نہ در عزت و وجاہت و منزلہ و مکانت۔ پس اشتراک درمنزل و ضیافت ہم حقیقت است کہ ساری و متعدی است، نہ وجاہت و منزلہ۔ و معیت را مراتبِ متنوعہ پیدا شدند، درکریمۂ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ الآیۃ[۲] ہمیں معیتِ متعدیہ ارادہ کردہ اند، وآں ہم مراتبِ کثیرہ داشتہ باشد، و وجاہتِ مختصہ۔ و کسے را با کسے داشتن و در علاقۂ وے شمردن عرض عریض دارد، و ایں معیت با اختصاصاتِ خاصہ ہم جمع تواں شد، پس چنانکہ امتیازِ سلطان در مثالِ مذکور با وجود معیتِ خَدَم و حشم محفوظ است، ہمچنیں حالِ فیوضِ نُبوّت کہ متعدی ہستند، و اصل نبوت کہ متعدی نیست، باید فہمید۔ تولیدِ نُبوّت در سابقین ہم نبودہ، بلکہ از جانبِ حضرتِ حق بعثت متعددین یا منقسم بر ازمان، و یا منقسم بر اقوام، و یا بحسبِ تقسیمِ وظائف و اعمال بودہ۔ و بعد خاتم الانبیاءؐ ایں امر مقدر نبود، و ہمہ کمالات و مکارمِ اخلاق و محاسنِ افعال دریک ذات گرامی جمع کردہ اتمام کار کردند، پس آں چیزے کہ در پیشینیاں متعدی بود، اکنوں ہم متعدی است۔ و نبوت نہ آں وقت متعدی بود، و نہ ایں وقت۔

---

[۱] الفاتحہ: ۶

[۲] النساء: ۶۹

۱۷۱ـــــــــ وَ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الآیۃ[1]، واتمامِ نعمت بوجودِ مسعود حضرتِ رسالت پناہی بسوئے اُمّت مجموع من حیث المجموع منسوب تواں بود، نہ بلحاظِ کلِ واحد واحد۔ ایں نکتہ را ہم یادداشتہ باش، واز ہمیں کریمہ فاروق اعظمؓ اقتباس فرمودہ، رضیت باللّٰہ ربّاً وبالاسلام دیناً وبالقرآن اماماً وبمحمد رسولاً ؎

پیش از تو آمدند سے انبیاء و تو
گر آخر آمدی ہمہ را پیشوا توئی

---

[1] المائدہ: ۳

سوالات در تفتیشِ مذہب و دینِ ایشاں و تضمینِ مکائدِ دعوت و عقائدِ ملّتِ ایں بدکیشاں

۱، ۲ ———

(۱) دینِ شما چیست؟ (۲) و طریقۂ وصول آں بسوئے شما چہ؟ تواتر و یا کدام دگر طریق؟ (۳) تعریفِ ایمان و کفر چیست؟ (۴) و دفعاتِ آں بطور معیار؟ (۵) زیادتی وحی کادیانی بقدر بست جز چہ حکم دارد؟ (۶) باوجود تصدیق وے وید را چہ احسان برقرآن و چہ اختصاص بآں؟ [1] (۷) و باوجود محمدی بودن بروزِ کرشن وغیرہ بودن چگونہ؟ (۸) و بروز را در حاشیۂ تریاق القلوب "جنم" تعبیر کردہ، فرق در وے و در تناسخِ ہنود چیست؟ بروز یعنی او تار در عشرۂ کاملہ ص ۹۴ و کادیہ ص ۹۳ نیز گفتہ وانت منی بمنزلۃ بروزی در عشرہ ص ۸۴

۱، ۳ ——— (۹) حکمِ تواتر و منکرِ آں نزدِ شما چیست؟ (۱۰) و تواترِ قرآن چگونہ؟ (۱۱) و قطعیتِ مرا و را نزدِ شما چہ ضابطہ؟ (۱۲) و کدام شئے از دینِ محمدی و یا

---

[1] سوداء مزا صـ۳۱ "کان فی الھند نبیا اسود اللون اسمہ کاھنا" تتمہ چشمہ معرفت صـ۱۰، فتح کادیاں صـ۲۱، و حقیقۃ الوحی صـ۲۹ و اقرب ازاں در ضرورۃ الامام صـ۲۱ "ہم وید کو بھی خدا کی طرف سے ملتے ہیں۔ خدا کی تعلیم کے موافق ہمارا پختہ اعتقاد ہے کہ وید انسانوں کا افترا نہیں۔ ہم خدا سے ڈر کر وید کو خدا کا کلام جانتے ہیں۔" پیغام صلح تصنیف خود کادیانی صـ۲۳ قریب ہلاک وے از علم کلام مرزا صـ۹۸ و تاریخ مرزا صـ۳۳ ۔ منہ

از نصوص قطعی من حیث الثبوت والدلالت ہست یا نے ؛

۱۷۴ـــــ ⑬ مرزا دروغ ہم می گفت یا نہ ؛ واقرار مراقی بودن ہم کردہ است یا نے ؛ ⑭ وکلام فحش ہم می کرد یا نہ ؛ ⑮ وقرآن حفظ داشت یا نہ ؛ ⑯ وحج ہم کرد یا نہ ؛ ⑰ والہام واللہ یعصمك من الناس ہم شائع کردہ یا نے ؛

۱۷۵ـــــ ⑱ والہام انی مع الرسول اجیب اخطئ واصیب، تاویل آں از اشد العذاب[۱] کہ حمقِ وے است، واصل ماخذ آں از قبیلِ بابِ سادس اظہار الحق۔ ⑲ والہام بنوتِ خدا شائع کردہ است یا نہ ؛ مع ادعاء آنکہ دعاوی وے ہمہ حقیقت است شاعری نیست۔

۱۷۶ـــــ ⑳ دعوائی نبوّت کردہ است یا نہ ؛ ㉑ وہمچنیں دعویٰ شریعت ؛ ㉒ وتکفیر امت حاضرہ کردہ است یا نہ ؛ ㉓ وہم چنیں توہینِ انبیاء ؛ ㉔ وشفاءِ غیظِ خود وتشفیِ صدر بر عیسیٰؑ بطورِ توہینِ تحقیقی و تعریضی کہ بر زبانِ دگراں نفث صدرِ خود کند۔

اخبار بدر مؤرخہ ۹ مئی ۱۹۰۸ء از کادیانی نقل کند (فرمایا ایک دفعہ حضرت مسیح زمین پر آئے تھے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ کئی کروڑ دنیا میں مشرک ہوگئے دوبارہ آکر وہ کیا بنائیں گے کہ لوگ ان کے آنے کے خواہش مند ہیں)

---

[۱] صفحہ ۶۸۔

[۲] (کوئی انسان نرا بے حیا نہ ہو تو اس کے لیے اس سے چارہ نہیں کہ میرے دعوی کو اسی طرح مان لے جیسا کہ اس نے آنحضرتؐ کی نبوّت کو مانا) عجائبات مرزا صفحہ ۱۶۔ منہ

مرقع کادیانی ص۱۲۔ و این کلام بعد آں کہ اعتراض بر خدا است، دلالت دارد براں کہ نبوت نزد وے ہمیں مصلح قوم و مدبر بودن است لا غیر، و ایں بحق دگران است، در حق خود تعلّی بالا قدر کہ ابلیس ہم شرمسار ماندہ باشد۔

اخبار بدر مورخہ ۷ر نومبر ۱۹۰۲ء ص۱ (یعنی جو نشہ نہیں پیتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت بھی منع تھی۔ مسیح نے مرشد کی تقلید کیوں نہ کی۔) و از انجیل ہم قرار دادہ، مع ہذا حضرتِ مسیح را مرتکب آں می گوید، مرزائیت کی تردید ص ۹۵ و در ص ۱۰۳ "یسوع درحقیقت بوجہ بیماری مرگی سے دیوانہ ہوگیا تھا۔" ست بچن ص۱۷۱ کا حاشیہ۔

۷۷۔۔۔۔۔۔ (۲۵) و زیاتیِ وحی بقدر بست جزو، و رد احادیث، الا موافقِ وحی وسے، و احالۂ تفسیر بر وحیِ خود اسلام را کدام حقیقتِ محصّلہ دار دیا استیصال کند؟

۷۸۔۔۔۔۔۔ (۲۶) و چہ فرق است درمیانِ آنکہ انکارِ الفاظ کند، و یا انکارِ مدلولاتِ قطعیہ؟ در نتیجہ چہ تفاوت است؟ و درمیانِ شما و اہلِ قرآن چہ فرق است! و درمیانِ اسماعیلیہ و دگر ملاحدہ دراصل اصول کدام تفاوت؟ کہ ہمگی باطنی و حلولی بودہ اند (۲۷) و با وجود زیاتیِ وحیِ وسے و ردِ احادیث و تکفیرِ اُمت کدام چیز با اہلِ اسلام مشترک است؟

۷۹۔۔۔۔۔۔ (۲۸) مرزا سے ایمانی عرفی ہم می کرد یا سنے؟ مانند آنکہ پیشین گوئی محمدی بیگم تقدیر مبرم گفت، و چوں ہمگی دروغ شد چہ بے ایمانی ہا تراشید؟ و ہمچنیں در پیشین گوئی آتہم، و توقیتِ جوابِ قصیدۂ اعجازیہ خود بمقابلۂ

مولوی ثناء اللہ صاحب، وجوابِ تفسیر بمقابلۂ پیر صاحب گولڑہ، وحوادثِ معمولی را بر مخالفانِ خود معجزاتِ خویش گفت، و مانندِ خبرِ زلزلہ و طاعون بحق مسیح اخبار لغو گفت. وبحق خود معجزہ، و درِ ردِّ احادیث آں وقت کہ کلام تحریف حاضر نشد، وچوں تحریف مہیا گردید استدلال بہماں احادیث، و قاعدہا برائے ردِّ دگراں تراشیدن وتخصیصِ خود از آنہا، و نقیض وضد آنہا، و استثناءِ شخصِ خود برائے نفسِ خود، چنانکہ در آخر حقیقۃ الوحی ص۳۹۱ گویا ہمہ قوانینِ عقل ونقل وآدمیت و اخلاق برائے دگراں ہستند، ومسے اختیاراتِ سلطانی دارد، وسائبہ وحام است. و برائے دگراں فلسفہ وتعلیل، وبرائے خود اختصاص واصطفاء، وچوں فتحِ باب تسلیم مے کراند ہزار مثیل مسیح جائز بود، وچوں کار برمسے کار رسید یک شخص مخصوص وبیہے برآمد وہمگی یک گرہ از انبان سر برآورد.

۱۸۰ ـــــ در مغالطۂ شہنشاہی و شاہی با آنکہ مغالطۂ فاضحہ است، زیرا کہ اگر بعد شہنشاہ است پس از اں سبب است کہ خود موجود نماند، وکار جاری داشتنی است، نہ ختم کردن. واگر در عہدِ شہنشاہ است پس اگر استمداد در اعمال است بسبب دستِ نارسا است. واگر کسے تقسیمِ سلطنت گوید تاہم از دستِ نارسا. و مع الفارق قیاسے رکیک با مانحن فیہ. گاہے ملحد ہم می گفت (اگر آپ کے بعد بھی اُمت کے خلیفوں اور صلحاء پر نبی کا لفظ بولا جانے لگتا. جیسا کہ موسیٰ کے بعد کے لوگوں پر بولا جاتا رہا تو اس میں آپ کی ختم نبوت کی ہتک تھی) اخبار الحکم قادیان ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء ص۹ کالم

از فتح مبین مفتی عبداللہ صاحب لدھیانوی ص۱۱۔ مع نقول دگر ہم دریں معنی۔
سپس نقیض این ایجاد کرد، معہذا در مدت دورۂ اُمت محمدی تا حال
جز نفس کافر خود را در منصب نبوت جا ندہد۔

۱۸۱ــــــ و واضح دبیّن است کہ در سلسلۂ شہنشاہی و شاہی ہم شہنشاہ
امتیازات و خصائص و اختصاصات بارگاہِ خود بدگرے تجویز نکنند، بلکہ
در محاکات وے سزا دہد۔ و دریں جا نفس نبوت از اختصاصات است، پس
کلام دریں است، و در عدمِ تعدّیِ آں اختصاصات و لزوم آنہا چہ وجہ حل است؟
زیرکہ لابد بعض اختصاصات و امتیازات موجود ہستند، واگر آنہا متعین شدند
ویا متعین نشدند و لیکن اعتقاد کردہ باشد، باز کلام تعدیۂ آنہا آید، و ھلم جرا۔
سپس آں اختصاصات چوں عقلاً و شرعاً موجود ہستند، چنانکہ در مقدمۂ زاد المعاد
سطرے از انہا نگاشتہ، و اضافتِ رسول اللہ و نبی اللہ مانندِ اضافت بیت اللہ
است، پس آنہا را از نصوص و سمع جستن باشد یا از اہوآء آراء و از
جانب خود رجم بالغیب و رمی باللیل قابلِ اعتماد است ویا افادۂ مالک الملک و
صاحب اختیار۔ ؟

۱۸۲ــــــ عبارتِ ملا علی قاری در آخر موضوعات و رذایل لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِیْمُ
لَکَانَ صِدِّیْقاً نَبِیّاً۔ کہ مراد انقطاعِ نبوت تشریع است۔ معلوم باد کہ صوفیہ ہر
نبوت را تشریعہ نہادہ اند، گویا مراد از نبوت تشریعیہ نبوتِ شرعیہ، و نبوتِ
غیر تشریعیہ نبوتِ غیر شرعی است، و ایں اقرب بسوئے فہم عوام است۔
وحافظ ابن تیمیہ نسخ وصف نہ نسخ اصل مانندِ تقیید مطلق، و تخصیص

لہ اخرجہ ابن ماجۃ ص ۱۰۸ من حدیث ابن عباس رض

عام، و بین مجمل، و تشریعِ جزئی وظیفۂ انبیاء سابقین قرار داده، اگر ملی قاریؒ ازیں اصطلاح تقریر خود گرفته باشد امرے است کہ خلافِ اصطلاح مشہور است کہ نبوت غیر تشریعیہ اعنی اِنباء و بناء احکام نیست. بل تعریفِ معارف واسرار و اطلاع برآں دادن۔

۱۸۳ــــــــ و ہمین است محطِ قولِ شیخ جیلیؒ معاشر الانبیاء اوتیتم الاسم واوتینا اللقب یعنی اسم بدونِ لحاظِ وصفِ خاص باشد، و منسلخ از تقیید برخلافِ لقب کہ عَلَم عارض و طاری بلحاظ کدام وصف بود، گویا علاوہ ازلحاظِ اطلاق وتقیید آں القاب زائل ہم می شدند، چنانکہ القابِ خلفاءِ عباسیہ بعد از عزل کہ کسے امیر المومنین نگفت، پس انبیاء اسم لازم و وہبی دادہ شدند، و مطلق۔ و اولیاء عارضی و مقید و مکسوب، کہ زائل ہم تواں شد۔ و اوتینا مالم تؤتوا۔ ای بقیۃ کہ از منصبِ انبیاء فرو بودہ نہ ارفع، ویا محض مغائر۔ وہمچنیں قولِ ایشاں خضنا بحرا لم یقف علی ساحلہ الانبیاء۔

۱۸۴ــــــــ صوفیہ نبوت بمعنی اِنباء را منقسم نہادہ شعبۂ اِنباءِ ولایت نیز تحت وسے درج کردہ اند، و بسببِ وسے شاید مانندِ حدیثِ لم یبق من النبوۃ الا المبشرات [۱] بر تقدیر استثناء غیر منقطع، و مانند جزء من ستۃ واربعین جزءًا من النبوۃ [۲] ویا چنانکہ در یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا [۳] تقریر کردہ اند کہ مراد بارگاہ رحمانیت است [۴]

---

[۱] مشکوٰۃ ص ۳۹۴ [۲] مشکوٰۃ ص ۳۹۴ [۳] مریم : ۸۵

[۴] تصریحِ نبوتِ لغویہ بمعنی خبر دادن در فتوحات از وصل من الباب الثالث والسبعین السؤال التاسع عشر فرمودہ، ونیز فصِ عزیری را از فصوص باید دید۔ منہ

۱۸۵ـــــ ومتبادر آں کہ ملاّ علی قاریؒ ارادۂ آں کردہ باشند کہ لازم ختم زمانی را دو جز ہستند۔ یکے آنکہ احداثِ نبوّتے نشود، ودیگر آں کہ اگر از انبیاء سابقین کدام کس بالفرض باز آمدے مانندِ سفرِ کدام نبی در بلادِ غیر بودے، و متّبع ایں شریعت بودے، چنانکہ در لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا لَّمَا وَسِعَہٗ اِلَّا اِتِّبَاعِیْ ارشاد شدہ، کہ موجبِ اتباعِ وے امرے دگر نیست بل ہمیں کہ ایں دورہ دورۂ محمّدی است، و ایں ہم مفروض و مقدّر است، نہ محقق وواقع۔ چنانکہ در مرقاۃ از فضائل علیؓ تقریر تام کردہ، پس یک جز مراد در موضوعات ذکر کردہ، وجزء دگر در مرقاۃ و شرح شفاء و شرح فقہ اکبر۔

۱۸۶ـــــ کلامِ وے در موضوعات در تصویرِ فرض است، کہ اگر حضرتِ ابراہیمؑ بالفرض زندہ ماندندے چگونہ نبی بودندے، و مانعِ زندگی اوشاں ذکر نکرد۔ وآں در حقِ ایشاں نفسِ انقطاعِ نبوّت است، کہ آیۂ کریمہ اشارہ فرمودہ کہ بجائے ابوت نبوّت است، گویا مشیّتِ الٰہیہ دربارۂ خاتم الانبیاءؐ بجائے ابوت نبوّت دائم نہاد، وچوں نبوّت من بعد مقدر نیست ابوت ہم نماند، و ہمیں فہمیدہ اند ابن ابی اوفیؓ در کتاب الادب صحیح بخاری[۱]

۱۸۷ـــــ گویا ملّا علیؒ در صددِ ایں تقریر ہستند کہ اگر بالفرض حضرت ابراہیمؑ زندہ ماندہ نبی بودندے چگونہ بودندے، نہ اینکہ احداثِ نبوّتِ غیر تشریعیہ

---

[۱] مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۳ ص ۹۱۴ ج ۲

تجویز کردند، باین دلیل انقطاعِ نُبوّت تشریعیہ ذکر کردند، و بدلائلِ دگر انقطاعِ نُبوّتِ غیر تشریعیہ و اِحداثِ آں۔

۱۸۸ـــــ و مخفی نیست کہ حدیث دریں فرض ماضی را ذکر کردہ، نہ مستقبل را۔ و حال آنکہ نفیِ مستقبل پُر ضرور بود، وجہش ہماں کہ در نظرِ شریعت بقاءِ وے در مستقبل نیست۔ پس لازمِ ختمِ نُبوّت آں کہ اگر کسے ماضی آید تشریع ندارد، و در مستقبل محض آمدن ہم نہ، بقاءِ نُبوّت من غیر تشریع بحقِّ ماضی است، و بحقِّ مستقبل محض مفروض۔

۱۸۹ـــــ و صاحب مجمع البحار[۱] گفتہ کہ دریں عنوان مطمحِ نظر و نقطۂ نگاہ صرف عیسٰی علیہ السّلام ہستند، و در روح المعانی[۲] در اسنادِ ابو شیبۃ واسطی ذکر کردہ کہ متفق علیہ ضعیف است، چنانکہ در فتح القدیر از تراویح آوردہ، بالجملہ حدیث نیست، و بخیال می آید کہ شاید کدام صحابی رض از آیۂ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا[۳] اقتباس کردہ و بس۔ پس آں کس کہ تصحیح ایں کردہ غلط کردہ۔

۱۹۰ـــــ حاصل کلام قاری رح آنکہ انقطاعِ نُبوّتِ تشریع مراد است، و نُبوّتِ غیر تشریعیہ بحقِّ عیسٰی علیہ السّلام بعد نزول حالتِ بقاء است نہ احداث، و بحقِّ موسٰی ع مقدّر و مفروض، و بحقِّ حضرت ابراہیم رض ہم مفروض، لیکن در مانع بحقِ ہر دو فرق است، نہ اینکہ نبوتِ غیر تشریعی علی الاطلاق باقی است۔ بلکہ ایں عُہدہ و ولایت منقطع شدہ نہ اینکہ عُہدہ باقی است، سرفراز کسے نشود،

---

[۱] لعلہ اشارۃ الی ما فی تذکرۃ الموضوعات ص۸۸ [۲] ص ۳۱ ج ۲ [۳] مریم : ۴۱

مانند انقطاعِ اجتہاد۔ فی الجملہ او بجائے استثناءِ اشخاص باعیانہم عنوان نہادہ، تا محض استثناءِ غیر مُوَجَّہ نباشد، وآں عنوان در نیتِ وے در سہ شخص منحصر است یکے محقق، و دو مفروض۔ و باز باہم در وجہِ امتناع متغائر، پس نبوّتِ تشریع را زیرِ عنوانِ انقطاع نہادہ، و نبوتِ غیر تشریعیہ را زیرِ عنوانِ فرض کشیدہ، تا تصویرِ استلزام کردہ باشد۔ گویا در انقطاع دو مرتبہ پیدا کردہ۔ و نباید گفت کہ در امکانِ عقلی مراتب نہادہ، زیرا کہ لفظ منضبط نیست، و موہم است، بلکہ بر قسمے انقطاع اطلاق کردہ، و بر قسمے فرض۔ زیرا کہ ایں فرض نزدِ وے روایت کردہ شدہ است، پس وے خواستہ کہ دو مرتبۂ انقطاع را زیرِ یک عنوان فراگیرد، و چنانکہ ضبطِ وہبی بودنِ نبوّت و مصاحبِ ریاضت و کسب بودن عسیر است۔ و فی الواقع وہبی است، و لیکن سبب استحقاق نیست، و نہ ارادۂ جزائی ہم چنیں ضبطِ مراتبِ امکانِ عقلی عسیر است۔ و اگر بر اصطلاحِ صوفیہ رفتہ باشد ممکن است، چنانکہ در مرقاۃ از التحیات تحقیقِ ایشاں سر دادہ، و اکثرے ایں عنوان از ایشاں سر زدہ تا علماءِ ظاہر رسیدہ، و چوں ایں روایت فی الواقع ثابت نیست صواب آنکہ تفسیر بانقطاعِ نبوّت علی الاطلاق کردہ شود، کہ من بعد احداث نشود۔

۱۵۱ ـــــــ و معلوم باد کہ دریں جا دو مضمون ہستند، یکے آں کہ ایں عہدہ منقطع شد، دوم آنکہ نبیِ امّیؐ خاتمِ اشخاصِ انبیاء ہستند، ایں ہر دو مضمون در نصوص وارد شدہ، انقطاعِ عہدہ در نحو حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ در جامع ترمذیؒ وغیرہ، و این منافیِ آمدنِ کسے بر عُهدۂ نبوت است، خواہ از سابقین باشد و یا لاحقین و حضرتِ عیسیٰؑ بوقتِ نزول اختیارات نبوّت ندارد۔ واَمّا ختمِ اشخاص پس منافیِ آمدنِ کدام سابق نیست و این مُتبادر از خاتم النبیین است، و برین است قول عائشہ صدیقہؓ قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبیَ بعدہ[2] یعنی تا کدام مُلحد بر نفیِ نزولِ عیسیٰ علیہ السّلام استدلال نکند۔

١٩٢ ـــــ آمدنِ حضرتِ عیسیٰؑ نہ تجدیدِ نبوّت است، ہماں ذات است کہ بود، و ہماں صفت کہ داشت، البتہ حرکتِ ہُبوط و نزول نو است، مانند تردّد نبی در اشتغال د آمد و رفت در عرضِ عمرِ خود۔ آمدنِ وے علامتِ این است کہ سلسلۂ انبیاءؑ ختم شدہ است، بوقتِ قتلِ دجّال کہ منصبِ مسیح گرفتہ بود مسیح ہُدیٰ را آورند کہ تکرار و اعادۂ شئے بعینہ است، نہ ابتداء۔ این ملحد از نزولِ عیسیٰ از قسم افعال و خروج یاجوج و ماجوج از منتخب کنز العمال ص٥٨ ج٦ لفظ اریت ابن مریم واہ در کدام کتاب از حاشیہ نقل کردہ، و بر رؤیا فرو آوردہ، و حدیث از نواس بن سمعانؓ است کہ مسلم برآوردہ[3] در وے ہیچ مغالطہ نیست، و سردِ قصہ تمام بصیغۂ استقبال منافی رؤیا است، بلکہ اخبار بالغیب است۔

١٩٣ ـــــ و نیز قول ملّا علی قاری فلا یناقض قولہ خاتم النبیین اذ المعنی انہ لا یأتی بعدہ نبی ینسخ ملّتہ ولم یکن من امّتہ اغلب

---

[1] ص ٥١ ج ٢۔ [2] در منثور ص ٢٠٤ ج ٥ [3] ص ٢٠٠ ج ٢۔

آنکہ قول وے اذ المعنی اہ معنیٔ حدیث می گوید، نہ معنیٔ آیت۔ زیرا کہ
کلام در ما قبل در حدیث کردہ، و ایں معنی از وے بر آوردہ، آیت بر ہماں
معنی است کہ اُمّت فہمیدہ، البتہ معنئے حدیث خفی بود کہ ذکر کرد۔ آیت کریمہ
بسوئے فرض وغیرہ ایما نکردہ، البتہ حدیث ازیں فرض آگاہانید، پس محتاجِ
بیانِ معنی اوّلاً ہمون است، یا مرادِ مقام۔ و ایں عنوان ہم ناظر بسوئے
عیسیٰ علیہ السلام است نہ عام۔ واللہ اعلم وعلمہٗ احکم

۱۹۴ـــــ (۲۹) وچوں بروزِ کرشن اوتار بود، و دید کلام حق دانست
ہندو گفتنش سزا ہست یا نہ؟ وچرا محمدی باید گفتن نہ ہندو؟ و بحسبِ
الہام وے چرا او راجے سنگہ رودر گوپال نگوئیم، و برہمن اوتار؟ کادیہ ص ۳۳۹
حقیقۃ الوحی ص ۸۵

۱۹۵ـــــ (۳۰) واگر پنجاہ کرور قومے تکفیرِ طائفۃ کنند، و اوشاں
باوجود اقلِّ قلیل بودن تکفیرِ ایں ہمہ جماہیر، آیا اوشاں ہر دو یک قوم ہستند؟
(بقول مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری تعداد ایشاں از اخبار ایشاں بہر دو
طائفہ ۵۵ ہزار است)

۱۹۶ـــــ (۳۱) آیا نبی در زمانۂ امتدادِ نبوّت و وحی مُشرِک ہم تواند بود؟
واگر در فہم معنیٔ وحیِ خود تا وقتِ موت در مغالطہ ماند در ادّعاءِ وحی چگونہ
یقینِ اصابت است؟

۱۹۷ـــــ (۳۲) مدتِ ادّعاءِ نبوّتِ مرزا خود وے چہ گفتہ، و آنکہ بحقِ
وے الہام فخر رسل آوردہ یعنی ناخلف وے چہ گوید؟

١٩٨ــــــ (٣٣) معیارِ نبوّتِ مرزا او چہ نہادہ، و اذنابِ وے چہ؟
و یا ہمیں کہ مشارکتِ انبیاء در ایرادات کافی است، یعنی دلیلِ نبوتِ
وے ہمیں است کہ ایراداتے کہ بروے وارد اند بر دیگراں نیز وارد اند۔

١٩٩ــــــ (٣٤) بابی و بہائی کہ در دعوائے مہدویّت و نبوّت با مرزا شریک
و در اکثر تعلیم شریک اند، بلکہ تعلیمِ مرزا مسروق از وشاں است، چہ وجہ است
کہ شما تصدیقِ او شاں نمی کنید؟ با آنکہ تعلیماتِ او شاں و تحریفات مماثل تعلیم
و تحریف شما است۔

٢٠٠ــــــ (٣٥) مرزا کہ در بعضِ کتبِ خود مانند براہین وغیرہ بعض عقائد
موافق مسلمین گفتہ، و دراں کتب دعوٰی الہام وا فر کردہ، سپس نقیضِ
وے آوردہ، و کفر و شرک قرار دادہ، معیار فصل در حق و باطل از کدام
وقت است؟ و مریدینِ وے را تمیز از کجا؟

٢٠١ــــــ (٣٦) مرزا می گوید فقیر در رنگِ جمالی آمدہ است، نہ در رنگ
جلالی، ممکن است کہ باز مسیح در رنگ جلالی آید، و تمنائے مولویاں تمام گردد۔
و اینکہ بہ تسلیمِ من مسیح کدام تفاوتِ عظیم افتادہ، ہماں دین است کہ بود۔ پس
آں علوم و معارف چیستند کہ آوردہ است، کہ محققاں ندانستہ اند، فہرستِ
آں علوم باید داد، کہ نمودہ آید کہ اگر سخنے صحیح گفتہ محققاں بیشتر گفتہ اند،
و ایں دون ہمت سرقہ کردہ، والّا باطل ولغو است وکالای بد بریشِ
خاوند۔

٢٠٢ــــــ (٣٧) خیالاتِ وے در بروز اگر گاہے نا فہمیدہ و بآں نرسیدہ

چیزے گفتہ باشد، بالآخر راجع بسوئے تناسخ اند، کہ اصول بنیادی ہنود است، کما فی کتاب الہند للبیرونی پس وے را ہندو چرا نگوئیم؟ تفسیر بروزکادیہ ص ۱۰۹ از براہین۔

۲۰۳ —— (۳۸) شمارا با جمہور اہلِ اسلام در کدام کدام عقیدۂ اصولی اختلاف است؟ وحکم زکوٰۃ وحج چیست؟

۲۰۴ —— (۳۹) الہاماتِ وے کہ الہامِ وعید ہستند، ومقول لہ مذکور نیست، بحقِ نفسِ وے چرا نگوئیم؟ چوں الہاماتِ وعد را بدوں صیغۂ خطاب ہم بحق خود دارد، بالخصوص چوں آں وعید بلفظِ خطاب باشد، ومی گوید کہ فاسقان ہم موردِ اخبارِ غیب ہستند، والہام مانند "پیٹ پھٹ گیا"۔ از رسالۂ ترک ص ۸۸ (وخود مُرد دور ہیضہ) وعشرۂ کاملہ ص ۴۳، وسودائے مرزا ص ۲۰ "کشتین کا بیڑہ غرق ہوگیا"۔ "دشمن کا خواب وار نکلا"۔

۲۰۵ —— (۴۰) خیالاتِ وے کہ آنہارا علوم ومعارف نام نہادہ اکثر از جذباتِ یورپ واستبعاداتِ عقلی وفلسفۂ مزاجی ذاتی وطبعی است، نہ مشابہ علومِ انبیاء، کہ اخبار بغیب بدوں تخمینِ عقل وقیاس می کنند۔ وہر چہ در کشوفِ کونیات گفتہ اکثر غلط ودروغ برآمدہ، واکثر الہاماتِ وے در تعلّی ومفاخر خود، پس او را فلسفی منش وکاہن وحزّا م چرا نگوئیم؟ چہ کہانت خلقی وجبلّی ہم باشد، چنانکہ ابن خلدون نوشتہ[1] ودیا مراقی کہ خود معترف است، ودیا ملحد وزندیق کہ تدریج در مکنوناتِ ضمیر خود کرد، عشرہ ص ۴۵

---

[1] ان علوم الکہانۃ کا تکون من الشیاطین تکون من نفوسہم ایضا۔ مقدمہ ابن خلدون ص ۸۸

ونتظرِ وقت ماند، چنانکہ اوّلاً تفضیلِ خود بر بعض انبیاء ، رسالہ ترک ص۱۵ " مسیح ابن مریم کے نام سے خاص طور پہ مجھے مخصوص کرکے وہ میرے پر رحمت اور عنایت کی گئی جو اس پر نہیں کی گئی"۔ حقیقۃ الوحی ص ۱۵۲، پس برخاتم الانبیاءؑ تریاق القلوب ص ۳، مطبوعہ ۱۹۲۲ء ومشکلاتِ دعوت وے از رسالۂ ترک ص ۳۶۔

۲۰۶ ــــــ وگاہے خیالاتِ خود را براغراض مدسوسہ نمی نہد ، بلکہ بطورِ سوانحِ وقت و بداء ، چنانکہ درکادیہ ص ۱۰۷ از بدر ۳ ۱۹۰ء بعد زمان دعوائے خود کہ بقول ناخلف وے ۱۹۰۱ء است ، بعد ترکِ قولِ شیخ اکبر انعکاسِ نبوت جاری داشتہ ، نہ نبوّت غیر تشریعیہ۔

۲۰۷ ــــــ معلوم باد کہ مدتے شریعت را ہماں فہمیدہ کہ جدیدہ باشد، چنانکہ علماء درج می فہمند، و ایں معقول المعنیٰ است ، و دراں مدت تلقّفِ آیات و کلماتِ قرآن را شریعت ندانستہ ، نفیِ شریعت از خود بدیں قیدِ جدیدہ می کند۔ سپس شیطانش تعلیم کرد کہ نفسِ ایں تلقّف را شریعت گوید ، وخود را صاحب شریعت نہد ، چنانکہ چنیں کردہ ماند۔ و بعد القاءِ ایں وسوسہ محتاج بسوئے تقیید شد۔ واکنوں ایں ہم کافی نیست کہ نبوّت غیر تشریعیہ باقی است ، بلکہ تشریعیہ ہم باقی است لیکن نہ جدیدہ۔

۲۰۸ ــــــ پس امثالِ ایں اند علوم و معارفِ وے کہ محض بداءِ وقتی است بدوں فہمیدنِ آغاز و انجام ، مانندِ ہوا جس و خواطر ، کہ بناءِ تحدی و دعاوی براں داشتہ ، و خلفِ ناخلفِ وے در" حقیقت النبوۃ " بعض عبارات

ایں ملحد نقل کردہ کہ در ہر نبوت بعض احکامِ نو بودن ضروری است (اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنی ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی سابق کی اُمت نہیں کہلاتے) از اخبار الحکم قادیان جلد ۳ نمبر ۲۹۔ ۱۸۹۹ء۔ و دراں وقت مِثی نُبوّت برائے خود دگر ایجاد می کرد، و ازیں ہم شگفت تر کہ خود انجامِ کلامِ خود نمی فہمد، بارے در عذرِ اطلاقِ نبی بر خود می گفت (اگر خدا تعالےٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو بتلاؤ کہ کس نام سے اسے پکارا جاتے۔ اگر کہو کہ اس کا نام محدث رکھنا چاہیے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کے معنی لغت کی کسی کتاب میں اظہارِ غیب نہیں) اشتہار ایک غلطی کا ازالہ۔

گویا عذر این است کہ جز نبی لفظے مناسب ایں معنٰی و دعوٰی وے نیست، ولفظ محدث ہم مطابق نیست۔ و بسابق بریں دعوٰئ محدّثیت بحکم خدا شائع کرد (نُبوّت کا نہیں بلکہ محدّثیت کا دعوٰی ہے جو خدا تعالےٰ کے حکم سے کیا گیا ہے) از عشرہ کاملہ بحوالہ ازالۃ الاوہام وغیرہ ص ۱۳۱، پس نفہمید کہ چوں دعوائے محدّثیت بحکم خدا گفتہ آمد غیر مطابق چگونہ باشد؟ و تا حال در اطلاقِ نبی عذر و معاذیر وا نمود، سپس ادعاءِ نبوت کاملہ حقیقیہ و تکفیر منکراں کرد۔

پس مقالاتِ عمروسے چناں نیست کہ کلامِ کدام مصنّف ضابط است کہ توفیق جستہ آید، نہ ہمہ آں بر تدریج، چنانکہ ناخلفِ وے سراید، بلکہ بسبب کمیِّ علم و سوانح وقت و بداءِ امرِ خیال متہافت۔

۲۰۹ ـــــ و علیٰ کلّ حال ادعاءِ نُبوّت تامّہ کردہ و توبہ نکردہ، پس مرتد و

۲۰۸

کافراست ، و ہم چنیں ہر دو جماعتِ وے کہ یکے تقسیم بر تبدیلِ وارداتِ غیبیہ و تدریج می کند ، و دگر وجہِ توفیق در تناقض و متعارض می جوید۔ و وے بتحقیقت مثلِ اعمیٰ سینہ زور است ، کہ بوقتِ دویدن وقتی ہیچ نہ بیند ، خواہ در مغاک افتد ، و یا شکوخ خورد ، و یا صدمہ خوردہ سر شکند۔ و بر سنوحِ تحریف نواز نو بنا ، نہد و ہیچ حقیقتے متصلہ در ذہنِ وے نیست ، ہر چہ پیش آید تا زمانے آں را می سراید و آسیا می گرداند ، و چوں چیزے دگر تراشید و اژگونہ آسیا گردانید ، و بسوئے تفاوت و تہافتِ سابق و لاحق بسا اینکہ ذہنش نزدو نرسد ، و فروقِ عباراتِ خود و دگراں بسا اینکہ نفہمد و نسنجد ، و گاہ در زمانِ لاحق ہم سخنِ سابق درمیان آرد ، گویا کہ تناقض و تہافت نیست۔

۲۱۰ ــــــ اذناب وے تا حال در اصلاحِ خبط و خلط و تہافت و تساقط و تعارض و تناقض و جہلِ بسیط و مرکّب وے جانہا و ایمانہا باختند ، و فرقہا شدند ، بل تکفیر یکدگر کردہ ماندند ، تاہم چیزے نتانستند ، و تعلیم و ذخیرۂ وے مصداق ؎

سگ بدریائے ہفتگانہ بشوے
چوں کہ تر شد پلید تر باشد

افتادہ (واللہ غالب علی امرہ)

۲۱۱ ــــــ و فی الحقیقت وے خود مرادِ سابقین نمی فہمد ، و نہ مودّائے مقاطعِ خود۔ و اذناب در ہوّۂ ہادیہ افتادہ اند ، و وے در نقول و حوالہ جات مغالطہ

خورده و داده، چنانکہ در حیاتِ عیسیٰ ؑ بسوئے امام مالکؒ، و امام بخاریؒ، وحافظ ابو حزم وحافظ ابن تیمیہ نسبتِ اعتقادِ موت کرده، و ہمگی خلاف واقع است۔ وچوں بصراحِ نقول از کتبِ ایشاں اعتقادِ حیات نموده شد اذنابِ وے در مجالس مفتضح می شوند، و میدان خالی دیده باز از الحاد و مغالطہ باز نیایند۔

۲۱۲ــــــ وے از مناسبتِ قرآن چنداں محروم بوده کہ بغایتِ کثرت آیات را محرّف وغلط نقل می کند، و مضمونہا بسوئے قرآن نسبت کند کہ رائحۂ آنہا قرآن موجود نیست، و بر مثلِ کتاب صحیح بخاری افتراء ھذا خلیفۃ اللہ المھدی نموده کہ موجبِ فضیحت است، و بر معاصرینِ خود دانستہ افتراء ہا بستہ، و ہمہٓ ایں امور را ناظرین ثابت کرده شائع کردند۔ لیکن اذنابِ وے را ہیچگونہ ہدایت دست نداد۔ ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور۔

۲۱۳ــــــ آیاتِ کثیره را از قرآن در موتِ عیسیٰؑ می نہد، کہ مساس ہم بموت حضرتِ ایشاں ندارند، و از جہلِ تام و طامّ ندانستہ کہ احادیثِ نزول کہ در متنی خود بحال داشتہ از ہموں قرآن مستفاد اند، از کدام اجتہاد ویا اسرائیلیات پس ضرور است کہ در قرآن چیزے ازیں فرموده باشد، وآں ملائمِ تعبیر نزول باشد، نہ منافرِ پس موت ذکر نکرده است، زیرا کہ منافرتِ اسلوبِ لفظی ہم درمیانِ قرآن وحدیث نقیصہ است عظیم، و مغالطۂ فہم حدیث وقرآن را نسبت شرح ومتن باید بود، وایں از جاہلے۔ و نہ اینکہ قرآن موت اعلان کند، وحدیث رجوع، کہ بدونِ بیانِ مراد متناقض صنیع قرآن شدے ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ، وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَہُمْ

[illegible]

الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ [1]

۲۱۴ ـــــ حدیث را لازم است کہ اتّباعِ اُسلوبِ قرآن کند، واگر مغایرت کند اطلاع دہد۔ وبناءِ کلام بر اغراضِ مکنونہ کہ مخاطب ثمرۂ ازاں نشمیدہ وعہد نداشتہ ہدایت نیست، بل دانستہ اضلال است، ونہ دعالم از کدام سلیم الفطرت بوقوع آمدہ، ویا در احادیث نظیرآں واقع شدہ، آیا ہمیں یک موضع است فقط کہ اُمت تباہ شد ؟ وہمیں جاکہ جائے الحاد ایں ملحد واتّباعِ ہوٰی وخواہشِ نفسِ وے است کوتاہی رفت ؟ وبرائے ایں ملحد گذاشتند ؟

پیغمبرِ اسلام در احادیثِ متکاثرہ، کہ بتواتر رسیدہ اند، وعلی رؤس الاشہاد وعلی اعین الناس رسانیدہ اند، یک بار ہم بسوئے مراد اشارہ نہ فرمود ؟ واُمت را ہمگی بر باطل گذاشت ؟ وایں امر فظیع روا داشت ؟ کارے کہ بیک لفظ کسے برآید ونہ برآورد مانندِ وے کدام کس ہا طل پسند نیست۔ وحال آنکہ در رفع ونزول در قرآن وحدیث طباق است، ونزول متقابلِ مصداقِ رفع۔ بالفرض اگر ذکرِ نزول بعد ذکرِ موت بودے آنگاہ محمل وے دریافت کردہ شدے، نہ آنکہ کہ ذکرش بعد از ذکرِ رفع است وشریطے از یک سلسلہ است۔

۲۱۵ ـــــ غرض اینکہ ایں اسودِ کاذب مجمع ومعجونِ عیب ونقائص است، وشاید کم کسے چنیں ساقط از حواس ودماغ باشد، ومعہذا دعویٰ افضل الرسل

[1] النحل : ۶۴

بودن دارد ، واللہ عزیز ذو انتقام ـــــ و قطع وتینِ وے بقہرِ مرضِ ہیضہ و قے واسہال و پُر خواری کرد ، کہ بقولِ ناخلفِ وے بعد از دعوئ نبوت در حدود ہفت سال بوده

۲۱۶ ـــــ مخفی مباد کہ ملحدانِ ایں زمانہ الحادے و وسوسۂ شیطانی از خود آفریده آنرا حقیقتِ متقررۂ علیہ مے سازند ، بعد ازاں از اہلِ حق مطالبہ کنند کہ ردِّ صریحِ وے از قرآن بر آرید ، و چوں ایں امر ہر جا میسّر نیست کہ قرآن با ہر وسوسۂ کہ آفرینند دور کند ، در جماعتِ خود ریشخندہ ہا می زنند ، گویا نفسِ ایجادِ کدام الحاد کافی است ، اثرے و اثارۂ از علم دارد ، و یا ندارد ـ وگاه دیدیم کہ مطالبہ کنند ردّ ایں از علماء سابقین پیش کنید ، و چوں پیش کرده شد گویند کہ در حدیث نیامده ، و چوں از حدیث پیش کرده شد گویند کہ در قرآن نیامده ، و چوں از قرآن پیش کرده شود گویند کہ یک بار آمده است ، مزید تاکید نفرموده ـ و ہمچنیں از مرحلۂ بمرحلۂ فرار کنند ، چنانکہ با احقر در لفظِ نزول من السماء باضافۂ ایں قید واقع شده ، کہ از کتاب الاسماء والصفات للبیہقی پیش کرده بودم ـ پس یاد باید داشت کہ عدمِ تیسّر ردِّ امرے از قرآن برائے صواب بودنِ وے کافی نیست ، و نہ اہلِ حق را اضطراب باید ، بلکہ گاہے نفسِ ایجادِ وے الحاد است ـ و گاہے عنوانے از جانبِ خود اختراع کرده مطالبہ می کنند کہ بایں لفظ و عنوانِ خاص از قرآن وغیره پیش کنید ، ورنہ خیال ما ثابت است ـ

وفی الحقیقت برائے بطلانِ کدام الحاد عدمِ وجودِ آں در ذخیرۂ دین کافی است نہ اینکہ ردِّ آں ہر جا در قرآن باشد ، و بہماں لفظ باشد کہ خواہند ، و نہ اینکہ

ع "ان السفیہ اذا لعربنہ ما ھو"

۲۱۷ــــ وبسبب قلتِ علم وکثرتِ جہل وکبر وتعلّی جبلّی وتنگ ظرفی و تنگ ظرفی و دون فطرتی و کم حوصلگی امورِ معمولی را، کہ پیش پا افتادہ باشند، مواہبِ غیبیہ و منّنِ سمادیہ می دارد، و پندارد کہ ہیچ حقیقت از حقائقِ غیبیہ از مَبلغِ علم و ادراکِ وے بیرون نیست و ازیں پندار در الہیات و نبوّات در آویزد، وکلامِ سوقیانہ و دریدہ دہناں می کند ؎

خواجہ پندارد کہ او را حاصلے است ــــ حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

خیالاتِ نادانِ خلوت نشیں   بہم بر کُند بیخِ دنیا و دیں

۲۱۸ــــ بروز شاید در کلام کدام یکے بمعنی فیض روحانی و تربیت باطنی بودہ، و اتحاد در کلامِ عُشّاق بمعنی تشابہ و فناءِ محبّانہ۔ ایں جاہل بسا اطلاق می کند،، وخیال، و وے اینکہ بر مرادِ صوفیہ نشان زدم، وفی الحقیقت در ذہنِ وے ہیچ مصداق نباشد، الا لقلقۂ لسانی، و تلقّفِ کلمات دگراں، ومحاکاتِ ایشاں۔ رفتہ رفتہ در مغاکِ صریح تناسخ افتادہ، و بہ جنم و اوتار تفسیر کردہ کہ اصولِ بنیادی ہنود است۔

۲۱۹ــــ آیا اثباتِ نبوّت کسے بہ تخفیفِ امرِ اصلِ نبوّت و تہوینِ شانِ وے و ایرادات بر انبیاء می باشد؟ ویا بتقریرِ کدام اصلِ ثابت علی حدہ و آیات بیّنات؟

۲۲۰ــــ می گوید کہ اگر در انباءِ غیب کلام نقصان ماندہ آں جزء کہ بر روئے کار آمد منتفع باید شد، پیشینیاں ہم ہمیں شبہہ محروم ماندند کہ انباءِ سابقہ بر بدعیان

نبوت بحسبِ تصویرِ خود راست ندیدند، و محروم ماندند۔ کسے را می رسد کہ گوید
در حالِ التباس یقین نفع نیست، و چناں اگر ہست چنیں ہم است، پس ایں
مشورہ مشورۂ نصح و اخلاص نیست، بلکہ براے غرضِ خود تلبیس و دغا است

اے بسا ابلیس کآدم روئے ہست   پس بہر دستے نباید داد دست

۲۲۱ —— آیا الہام ہمچو ملکۂ انشا پردازی است و سلیقہ و آمدِ طبیعت است؟
اکثر دیدہ شدہ کہ در کتبِ سابقہ کدام چیز دیدہ و آموختہ مانندِ وے الہام می تراشد
مانندِ اخطئ و اصیب و مانندِ الہامِ عمانوئیلؔ کہ دروغ ہم برآمد۔ وگاہے
چیزے می تراشد کہ کدام حقیقتِ محصّلہ ندارد، سپس موافقِ وے الہام
نیز می زاید، مانندِ انت منی بمنزلۃ بروزی و حقیقتِ وے در کتبِ
سماویہ ہیچ نیست۔

۲۲۲ —— آیا باُمورِ موہومہ و مشکوکہ، کہ یا ثبوت آنہا معلوم نبود، و یا
گماں باشد کہ کدام پیوند و شرطے از سلسلہ فرو ماندہ، و راوی فروگذاشتہ،
بر قطعیات اعتراض کردن و برہم آنہا کار ایمانداری است کہ ایں فرقہ در بابِ
عصمتِ انبیاء ہمچنیں کردہ، و باُمورِ مجہول الحال قطعیات و متواترات برہم
زدہ، و حال آنکہ در استراق و تلقفِ خود، کہ آنرا وحی نام نہادہ، تعلق بتواتر
وے می کند، و چوں غرضِ ایں ملحد برہم زدنِ دین بود، و می دانست کہ در
پیشین گوئیہا ذلیل و رسواء خواہم شد، اوّلاً تدبیر کرد کہ انبیاء انبیاء را مکذب باید
کرد، تا بوقتِ حاجت بکار آید، و مقدمۂ ممہدہ ماند۔

۲۲۳ —— توہینِ انبیاء اوّلاً ابلیس کردہ، و وے با حضرتِ حق مناظرہ کردہ
کہ وہبِ تو در تشریف کسے بدون کمالاتِ کسبیہ حق نیست۔ حق فرمود کہ مرا

اختیارِ فصل وتشریعِ وداد از خود است ، ابلیس ایں اختیار جائز نداشت
در فاضل از بنیۂ کدام و اجزاء وے انعام کردن معقول نگفت ، گویا مزاجِ قیدات
سلطانی بود ۔ سپس ایں شقی بر قدمِ ابلیس بلکہ بدرجہا زائد از وے آمدہ ،
و مزید اظہارِ کفرِ مکنونِ خود در توہینِ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام بکار بردہ ، و
غرضِ وے آنست کہ عظمتِ اوشاں از قلوبِ مسلمین آرد ، و جائے اوشاں
گیرد ۔ ؎ کجا عیسیٰ کجا دجّالِ ناپاک

ولہٰذا با پیشوایان ہنود ایں معاملہ نکردہ و توقیر و استمالۂ اوشاں نمودہ ؛

۲۲۴ ـــــــ واستدلال بہ متشابہات کہ ذہن بسوئے آنہا نرود ، و ترکِ
محکمات در باب آیا الحاد نیست ؟ کہ ایں ملحد امورے را کہ در کتب از وساوس
و شبہاتِ بے ایمانان آوردہ اند ، التقاط کردہ دینِ خود ساخت ، و چوں
و حضِ کسے خواہد اثارۂ شبہات شیطانیہ کند ، و چوں جلب خواہد ایجادِ مناسبات
مزورہ نماید ، و حمل بر استعارۃ و مجاز تاویل کہ موضوعِ ذخیرۂ خود ساختہ
از اکثر عقائدِ اسلامیہ و بعض احکامِ شرعیہ ، مانندِ زکوٰۃ و حج و جہاد فراغ
یافتہ است ، و از ناب وے عن قریب از دگر احکام ہم بیباق خواہند
شد ، و صرف گردانِ الفاظ کفایت خواہد کرد ، و ذخیرۂ آخرت و ہدیۂ آں
بارگاہ تاویلے چند خواہند ماند ۔ زیرا کہ دیدیم او خود افعال را ہم استعارہ می
گوید چنانکہ در کشتی نوح ص ، ۴۷ می سراید (مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ
کی گئی ۔ اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا ، اور آخر کئی مہینے کے
بعد ، جو دس مہینے سے زیادہ نہیں ، بذریعہ اس الہام کے مجھے مریم سے

عیسیٰ بنایا گیا) ایں استعارۂ فعلی را شنیدہ باش کہ از علوم مختصہ وے است
کہ بوے در خارج حامل تواں شد۔

۲۲۵ ـــــــ در تحصیلِ حطامِ دنیا ہیچ دقیقہ از حیل فروگذاشتہ، مانندِ فروختنِ تصویر خود، و جلب زکوٰۃ در اہواءِ خویش، والغاءِ مصارفِ شرعیۂ وے، وایجابِ وے مبلغ بر مریدان، واخراجِ اوشاں از بیعت اگر بر وقت نرسد۔ و در تذلیلِ مخالفان تصویر ہائے اوشاں بوقتِ موت اشاعت کردہ خبر از تخمیرِ ضمیرِ خود دادہ، کہ مانندِ قبرِ ظالم تنگ وتاریک است، و در القاءِ تاثیر بر مخاطبان محاکاتِ انبیاء و تعبیر و خطابِ ایشاں وکتب سماویہ نمودہ، از تکثیرِ حلفہا، و اظہارِ ہمدردیٔ بنی نوع انسان، و در ردِّ مخالفان جانبِ دعوتِ اوشاں، و اظہارِ نصح اوشاں، و دلسوزی بحالِ ایشاں؛ و ابرازِ مظلومیِ خود از مخالفان، و تکرار و اصرارِ وے ہمراہ داشتہ۔ و چیز ہائے مخالفِ خویش را بہ تشبیہات و تشویہاتِ قبیحہ، و ہر گونہ کہ امکان تنفیر بود تقبیح کردہ، ابلہ فریبی نمودہ، اقتصار بر دائرۂ علم و دلیل ندارد، چنانکہ در متعلقاتِ عیسیٰ علیہ السلام در احادیثِ قتلِ خنزیر و مثلِ آں تمسخر با درپیشنہند ہا کردہ، کہ از اربابِ اخلاقِ فاضلہ متوقع نیست، و دروں طبیعتانِ کمیں ہمتاں، کہ مسقطِ نظرِ اوشاں مجردِ مطلب بر آریٔ خود باشد، کارِ اوشاں است کہ در حدِّ اخلاقِ فاضلہ متقید نمانند۔ و اصحابِ وے کہ ما دیدیم ہمگی از اوصافِ دیانت و ایمانداری و حیاء و اخلاص خالی و عاری دیدیم، و خود وے مطالعۂ احوالِ متنبّئینِ سابقہ کردہ، و طریقۂ نفاذِ دعوتِ اوشاں نگاہ

واشتہ، و در تعبیر کوشش ہرچہ تواند در القاء اثر صرف کردہ، از محاکاتِ کتبِ سماویہ و تشبّہ بانبیاء، و تلقّف از متنبّیین۔ ولیکن این ہمہ صورتِ تعبیر است، و ترقیقِ کلام، تحتِ آن صورت ہیچ مادہ از دلیل و سخنِ حق موجود نیست، بل اثارۂ شبہات و تدریج در استدلال و استنزال۔ چنانکہ در تحفۂ اثنا عشریہ از مراتبِ دعوتِ باطنیہ آوردہ۔ و گمانِ غالب آنکہ علاوہ کتبِ بلب و بہاء، کتبِ شیعۂ متصوفہ، کہ فلسفہ را تصوف ساختہ اند دیدہ و وز دیدہ کہ وافر اند و کثیرے در زبانِ فارسی۔ زیرا کہ تا علومِ فتوحات رسائی وے نیافتم، واز فنِ حقائقِ صوفیہ ہیچ چیز را صحیح نفہمیدہ، و در الٰہیات چنان تشبیہاتِ سوقیانہ و تعبیراتِ جاہلانہ دادہ و کردہ کہ قرزشت بر بدن افتد، اختراعِ حقائقِ باطلہ از جانبِ خود، مانندِ بعثتِ ثانیہ خاتم الانبیاء، سپس تحریفِ نصوصِ دین بر وفقِ آن اہواء، کہ اذنابِ وے ایمان بران باختہ اند و علوم و معارف باور کردہ۔

۲۲۶ ——— و چون از کسے مایوس شود کہ در دام نیفتاد، و صید نشد بفحش کلامی تمام و مغلظات با وے در آویزد، و دقیقۂ از اذلال فرونگذارد، و در ہر امرے کہ کند آسیا می گرداند۔

۲۲۷ ——— دعویٰ شوکت و نصرت در الہاماتِ خود، و امتلاء قلب و انشراحِ صدر، و لذت و بردِ یقین، در مثل، ضرورۃ الامام و حقیقۃ الوحی و ازالۃ الاوہام وغیرہ۔ و بعد این شورا شوری در حمامۃ البشری ص ۴۰ کمال بے نمکی در الہامِ موتِ عیسیٰؑ و در نبوّتِ خود۔ از عشرۂ کاملہ۔ و شنیدہ شد کہ گوید بخوفِ مسلمانان نہان داشتم، و در نہ حیاتِ عیسیٰؑ از اول عقیدۂ من نبود، اگرچہ در براہین، کہ آن ہم

بالہام است ، بخوف نوشتہ ماندم ، چیزے از عشرہ ص ۲۵ بحوالۂ حمامۃ
البشریٰ ص ۶ ، باید دید۔

۲۲۸ ـــــ استبعاداتِ سوقیانہ در متعلقاتِ عیسیٰؑ ، وادعاء اشدّ از آں وازید در متعلقاتِ خود۔ مانندِ حجاب بر داشتنِ حضرتِ حق از چہرۂ خود ، وتسخر بادوے از مزورۃ الامام۔ وگاہے آں الہامات کہ از دائرۂ حیاء وآدمیت خارج اند ، مانندِ اظہارِ خدا فعلِ رجولیت بر وے۔ عشرہ کاملہ ص ۳۲

۲۲۹ ـــــ تکدیرِ انباءِ انبیاء علیہم السلام ، وایرادات بر بعض اجزاءِ آنہا واینکہ بتمام اجزاء تمام نشدہ اند ، وبامور موہومہ وشبہات ہدم وتکدیر قطعیات ، واثارۂ شبہات اندراں ، تا بوقتِ ناراست شدنِ پیشین گوئیہائے وے سامان جواب باشد۔ پس تا وقتیکہ مساہمتِ بانبیاء جوید در اعتراضات اوشاں را شریکِ غالب گوید۔ یعنی بنسبتِ وے بریشاں اعتراضات زیادہ اند ، وچوں نوبتِ اختصاصِ وے رسید ، آں را غیبِ مصفّیٰ می گوید۔

۲۳۰ ـــــ تخفیفِ شانِ معجزات ، وانکار کبارِ آنہا ، مانندِ حملِ معجزۂ شق القمر بر کسوف ، وحملِ معراج بر کشف ، وانکارِ احیاءِ موتیٰ ، وحمل بر مسمریزم۔ وارتقاءِ صغار تا امورِ محقّرۂ خود را در معجزات تواں آورد ، مانندِ حصولِ چندۂ وشیوعِ بیعت ، کہ ہر یکے را معجزۂ مستقلہ شمردہ ، عددِ معجزات خود تا دہ لک نوشتہ ، وعددِ معجزات خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سہ ہزار قرار دادہ۔

حق تعالےٰ بر اُمّتِ مرحومہ رحم کناد۔ واز
الحاد وارتداد ایں لعین نجات دہاد۔

خاتم النبیین

محمد یوسف لدھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱ــــــ بے حد حمد و شکر اس ربّ معبود کے لیے جو کون و مکان اور زمین و زماں کا خالق ہے اور بے شمار درود و سلام سرورِ کائنات فخرِ موجودات پر، جو اللہ تعالیٰ کے رسول، نبیوں کے ختم کرنے والے اور مقصودِ تخلیقِ عالم ہیں۔ اور آپؐ کی آل و اصحاب پر، اور تمام اُمّتِ مرحومہ اور اس کے برگزیدہ حضرات پر۔

۲ــــــ (۱) جو خدا کہ روزِ جزا کا حاکم ہے، وہ بذاتِ خود موجود ہے (اسی لیے) اس کا نام خدا ہے۔

(۲) یہ بلندی و پستی سب اسی کے ہاتھ میں ہے، ہر چیز نے اسی سے جامۂ ہستی مستعار لیا۔

(۳) اگر غور سے دیکھو تو (موجودِ حقیقی) وہی ایک پاک ذات ہے، باقی یہ سب کچھ اس کی نشانیوں کا دفتر ہے۔

(۴) اس بارگاہ میں جو کاروانِ رفتہ کی صدا ہے، اس امر کا اعلان ہے کہ اب سرورِ دو جہاںؐ کا دور ہے۔

(۵) محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جو پیامِ الٰہی کے فاتح اور خاتم ہیں، آپؐ پر بے شمار درود و سلام۔

(۶) آپؐ کا وجودِ پاک، جو بجائے خود صداقت کا نشان ہے، وہی تخلیقِ عالم کی اصل غرض و غایت ہے، باقی سب تمہید تھی۔

۳ــــــ بعد از حمد و صلوٰۃ۔ بندۂ ہیچ میرز محمد انور شاہ کشمیری، عفا اللہ عنہ، تمام اہلِ اسلام خواص و عوام کی خدمتِ عالی میں عرض پرداز ہے کہ یہ ایک مقالہ ہے

ختم نبوت اور آیتِ کریمہ خاتم النبیین کی تفسیر میں، جو مرزا قادیانی ـــ علیہ ما علیہ ـــ کے الحاد و زندقہ اور کفر و ارتداد کے ردّ میں تحریر کیا گیا۔

اور اگرچہ یہ شخص علم و عمل سے کوئی حصّہ نہیں رکھتا اور علم و فہم اور تقویٰ و طہارت کے فضائل سے یکسر عاری اور محض کورا تھا اور اس نے عارفین کے حقائق میں سے ایک بات کو بھی صحیح نہیں سمجھا، اور اس کا خمیر خبط و خلط، جہلِ مرکب اور ذلّت و خواری سے تیار ہوا تھا، لیکن اس نے نبوّت و مسیحیّت کا دعویٰ کر کے اُمّتِ مرحومہ میں تہلکہ مچا دیا۔

۴ ـــ جو حضرات، قرآن حکیم کی بلیغ عبارت اور عربِ عَرباء کے محاورہ سے کچھ بھی ذوق رکھتے ہیں وہ یقیناً اس مقالہ سے محظوظ و مستفید ہوں گے، اور جس شخص نے مفردات و ترکیب، تقدیم و تاخیر، تعریف و تنکیر، حذف و ذکر، اظہار و اضمار، فصل و وصل اور ایجاز و اطناب میں نظمِ قرآن کا اعجاز دیکھا اور سمجھا ہو وہ حق کے پانے اور مراد کے سمجھنے میں لغزش نہیں کھائے گا۔ ان تمام امور کے باوجود سب کچھ قدرت کے ہاتھ میں ہے "جس کو اللہ تعالےٰ ہدایت فرماتے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، اور جس کو وہ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں" حق تعالےٰ شانہٗ حق اور اہلِ حق کی مدد فرماتے۔

(ترجمہ شعر) "ہمارا دردِ سر خود ہمارا سر ہے اور ہمارے کندھوں کا بوجھ خود اپنے کندھے ہیں"

۵ ـــ (۱) اے اللہ! دینِ حق کو قائم رکھ تاکہ کفر کو تباہ و برباد کر ڈالے۔

(۲) شیاطین کو سنگسار کرنے کے لیے شہابِ ثاقب نازل فرما، اور شیاطین کو خراطین کی طرح زیر زمین دفن کر دے۔

(۳) مجھ سرگرداں کے ہاتھ میں کیا رکھا ہے، جو کچھ کرتے ہیں بلاشبہ آپ ہی کرتے ہیں۔

(۴) میں اپنی خاطر (ردِّ قادیانیت میں) نہیں اُلجھا ہوں بلکہ آپ ہی کی رضا کے لیے سر اُٹھایا ہے۔

(۵) جو نالۂ سوز کہ سینے میں نہیں سما سکا۔ غم ہلکا کرنے کے لیے باہر
اُبل پڑا۔

(۶) اے بادشاہ! اے مالک! اور اے بے نیاز! تیرا کام تو تجھ
ہی سے ہوگا، نہ کہ کسی خانہ باز (قلاش و مفلس) سے۔

۶ــــــــ جاننا چاہیے کہ سلسلۂ ابوت اور نبوت بلا فصل کے جاری کرنے
ــــــــ میں کوئی عقلی یا شرعی تلازم نہیں (یعنی جس شخصیت سے سلسلۂ
ابوت جاری ہو عقلاً یا شرعاً یہ لازم نہیں کہ اس سے سلسلۂ نبوت بھی جاری ہوا
کرے) لیکن مشیتِ ازلیہ نے نبوت اوّلاً نوح علیہ السلام کی اولاد میں رکھی،
اور پھر ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ــــ اور انھوں نے (اپنی اولاد کے حق میں)
دعا بھی کی تھی کہ "بھیج ان میں ایک عظیم الشان رسول انہی میں سے" (البقرہ ۱۲۹) اور ابوت
جب معانی کی طرف مضاف ہوتی ہے تو اس سلسلہ کے اجراء کو متضمن ہوا کرتی
ہے، جیسا کہ فتوحات کے باب ۳۱۴ میں ذکر کیا ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم ہمارے روحانی باپ ہیں اور آدم علیہ السلام جسمانی باپ ہیں، اور نوح علیہ
السلام، جو آدم ثانی ہیں، رسالت میں پہلے باپ ہیں، اور ابراہیم علیہ السلام
اسلام میں پہلے باپ ہیں۔" پس فتوحات کا یہ فقرہ اس مراد کی جانب بھی مشیر ہے،
(الغرض ابوت و نبوت کے درمیان تلازمِ عقلی یا شرعی اگرچہ نہیں، لیکن سلسلۂ
نبوت جاری کرنے میں سُنتِ الٰہیہ یہی رہی ہے کہ جس شخصیت سے سلسلۂ ابوت
جاری کیا جائے اسی سے سلسلۂ نبوت بھی جاری ہو) اس سُنت کے پیشِ نظر
خیال ہو سکتا تھا کہ اب یہ سلسلۂ نبوت شاید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں
جاری کیا جائے گا۔ اس وہم کو رفع کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم
سے) سلسلۂ ابوت (جاری) نہیں (ہوگا) بلکہ خود آپؐ کی نبوت کا سلسلہ ہی تا قیامت
قائم و دائم رہے گا، آپؐ کے بعد کوئی نبوت نہیں ہوگی۔ اور ایسی ابوت جو کسی
سلسلہ کے اجراء کو متضمن ہوتی ہے اور جو یہاں اگر موجود ہوتی تو اجرائے

سلسلۂ نبوّت کے مناسب ہوتی، یہاں موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے بجائے ختم نبوّت ہے۔ پس یہ ہے (آیت: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں) کلام کی وجہ ربط، جو لکن میں شرط قرار دی گئی ہے، اور بہت سے لوگوں کو اس سے ذہول اور غفلت ہوئی اور انھوں نے یہ نہیں سمجھا کہ ابوت، اجرائے سلسلہ کے مناسب ہے، اور "اب" بمعنیٰ "اصل" بھی اسی سے متفرع ہے۔

تشریح: — مصنفِ امامؒ نے 'لکن' کی جس شرطِ استعمال کی طرف اشارہ فرمایا اس کی مختصر سی وضاحت ضروری ہے — 'لکن' (مشدّدہ ہو یا خفیفہ) حرف استدراک ہے جس کی تفسیر قول مشہور و محقق کے مطابق یہ ہے کہ اس کے مابعد کی طرف ایسا حکم منسوب کیا جائے جو حکم ماقبل کے مخالف ہو، یہی وجہ ہے کہ اس کے ماقبل کا مابعد کے مناقض یا اس کی ضد ہونا لازم ہے۔ شیخ ابن ہشام لکھتے ہیں:

"و فی معناہا ثلاثۃ اقوال احدہا — و ھو المشھور — انہ و احد و ھو الاستدراک، و فسّر بان تنسب لما بعدہا حکما مخالفا لما قبلہا، و لذالک لا بد ان یتقدمہا کلام مناقض لما بعدہا. او ضد لہ"۔ (مغنی اللبیب ص ۲۲۵ و قریب منہ فی القاموس) پس 'لکن' کے ماقبل و مابعد کے درمیان ضدّیت، تباول اور تدافع کا ہونا یہی اتساقِ کلام ہے جو لکن کے لیے شرط ہے اور اسی بناء پر علمائے بلاغت کے نزدیک "لکن" "قصر قلب" کے لیے آتا ہے۔ یعنی جب مخاطب خلافِ واقعہ ایک حکم کے اثبات اور دوسرے کی نفی کا زعم رکھتا ہو تو متکلم اس کی اصلاح کے لیے پہلے تو اس کے ثابت کردہ حکم کی نفی کرتا ہے اور پھر 'لکن' کے بعد اس چیز کا اثبات کرتا ہے جس کی مخاطب نے نفی کی ہو۔ (دیکھئے شرحِ تلخیص بحث عطف)

اس تمہید کے بعد اب آیتِ کریمہ پر غور کیجئے کہ اس میں 'لکن' سے قبل آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ابوت کی نفی کی گئی ہے اور 'لکن' کے بعد آپؐ کے لیے رسالت و خاتمیت کا اثبات کیا گیا ہے، سوال یہ ہے کہ ابوت و خاتمیت کے درمیان

آخر کونسی ضدیت اور تدافع ہے جس کے اظہار کے لیے کلمۂ لکن لایا گیا ؛ اور مخاطبین کا وہ کیا زعم تھا جس کی اصلاح کے لیے بطور "قصرِ قلب" ابوت کی نفی کر کے 'لکن' کے بعد خاتمیت کا اثبات فرمایا گیا ؛ — عام طور سے اس سوال پر توجہ نہیں دی گئی اور استدارک کے ایک مرجوح معنیٰ (دفع التوہم الناشی من الکلام السابق) لے کر آیت کی تقریر یہ کی گئی کہ "نفی ابوت سے ابوتِ روحانی کی نفی کا وہم ہوسکتا تھا اس کو رفع کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ آپؐ کی روحانی ابوت اعلیٰ و اکمل بھی ہے اور تا قیامت دائم و قائم بھی۔ کیونکہ آپؐ اللہ کے رسول بھی ہیں اور خاتم النبیین بھی"

یہ تقریر بجائے خود درست ہے، مگر اس میں 'لکن' کی شرطِ استعمال۔ یعنی اس کے ماقبل و مابعد کے درمیان ضدیت اور تنافر کا پایا جانا۔ اور "قصرِ قلب" کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ مصنفِ امامؒ نے اس عقدہ کو حل کیا ہے۔ آپ کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ سنتِ سابقہ کے مطابق اگر آپؐ سے سلسلۂ ابوت جاری کیا جاتا تو لازم تھا کہ سلسلۂ نبوت بھی جاری ہوتا۔ مگر مشیتِ الٰہیہ میں آپؐ کے ذریعہ اجرائے نبوت نہیں بلکہ اختتامِ نبوت مقدر تھا۔ اس لیے آپؐ کے حق میں ابوت مقدر نہ ہوئی اور اسی لیے آپؐ کے صاحبزادگانِ عالی مقام کا بچپنے میں انتقال ہوا۔ اُدھر حضرت زید رضی اللہ عنہ کے متبنّٰی ہونے کی وجہ سے لوگوں نے آپؐ کو "زید کا باپ" سمجھنا شروع کیا۔ ان کا یہ زعم اجرائے نبوت کو مستلزم تھا۔ اس خیال کی اصلاح کے لیے بطور "قصرِ قلب" فرمایا گیا کہ آپؐ سے ابوت مقدر نہیں، جو اجرائے نبوت کو مستلزم ہے، بلکہ اس کے برعکس آپؐ کے ذریعہ ختمِ نبوت مقدر ہے اس لیے آئندہ کسی بالغ مرد کو آپؐ کا بیٹا کہہ کر نہ پکارا جائے۔

۷ — اب آیتِ کریمہ کا حاصل یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجرائے نبوت کیلئے نہیں بلکہ ختمِ نبوت کے لیے ہیں۔ یہ آیتِ کریمہ (جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوتِ مستقلہ کا دروازہ بند کر دیتی ہے اسی طرح) اجرائے نبوت بالاستفادہ کی بھی بدرجۂ اولیٰ نفی کرتی ہے۔ کیونکہ استفادہ کی صورت میں ابوت اور بھی واضح تر ہے۔ برعکس اس کے نبوتِ مستقلہ میں ابوت اس قدر واضح نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

۸ــــــ زمانۂ سابق میں نئے نبی کی آمد کے بعد بھی گذشتہ نبی کی نبوّت اگرچہ بحال رہتی تھی۔ تاہم یہ بات صادق آتی تھی کہ ایک اور نبی آ پہنچا اور عہدۂ نبوّت از سرِ نو تازہ ہوگیا، بخلاف زمانۂ خاتم الانبیاء کے، کہ آپؐ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آنے کا۔ اس لیے فرمایا: وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ یعنی آپؐ اشخاصِ انبیاء کے خاتم اور آخری فرد ہیں (کہ علمِ الٰہی میں انبیاء کی جو تعداد مقرر تھی وہ آپؐ کی تشریف آوری سے پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور انبیاء کرام کی گنتی ایک ایک کرکے پوری ہوچکی) اور (جب آپؐ کی آمد سے انبیاء کرام کی تعداد ختم ہوچکی تو) اس سے خود بخود یہ لازم آتا ہے کہ آپؐ سلسلۂ نبوّت کے بھی خاتم ہوں۔ اور چونکہ آئندہ نبوّت کی تجدید نہیں ہوگی۔ اس لیے اب قیامت تک آپؐ ہی کی نبوت دائم و قائم رہے گی۔

۹ــــــ اور اب یہ احتمال بھی باقی نہ رہا کہ آپؐ نبوّتِ مستقلہ کے لیے تو خاتم ہوں، مگر آپؐ کی پیروی سے نبوّت جاری رہے۔ نہیں! بلکہ آپؐ تو اشخاصِ انبیاء کے خاتم اور ان کی تعداد کے تکمیل کنندہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ انبیاء کرامؑ اپنی شخصیت کے لحاظ سے جدا جدا وجود رکھتے ہیں۔ یعنی ان کی نبوت خواہ بلا واسطہ ہو یا (بالفرض) بواسطۂ اتباع ہو۔ بہر صورت ہر ایک کی اپنی شخصیت دوسرے سے ممتاز اور جداگانہ رہے گی۔ یہ تو نہیں ہوگا کہ اتباع کی صورت میں اُن کا شخصی تغایر کالعدم اور نظر سے ساقط ہوجائے، نہیں بلکہ وہ تعداد میں جتنے تھے اتنے ہی رہیں گے۔ اور نصِ قرآن اسی تعداد کے ختم ہونے اور اسی سلسلہ کے اختتام کا اعلان کرنے کی غرض سے نازل ہوتی ہے[۱]۔ اور اس نے کہیں بھی تقسیمِ نبوت سے تعرض نہیں کیا اور نہ

---

[۱] علماءؒ نے کہا ہے کہ ارشادِ خداوندی: "خاتم النبیین" حق تعالیٰ کی جانب سے وصیت ہے، اور اہلِ جہان کو آگاہ اور متنبہ کرتا ہے کہ یہ پیغمبر آخری پیغمبر ہے۔ اور آخری حجت ہے جو پوری کر دی گئی، آپؐ کا دین آخری دین اور آخری پیغامِ الٰہی ہے، ایسا نہ ہو کہ اس سے بھی محروم رہ جاؤ۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی قوم کا مقتدا اور رئیس یوں کہے کہ "یہ میری تم سے آخری بات اور آخری عہد و وصیت ہے ایسا نہ ہو کہ اس کو ضائع کر ڈالو اور پھر وقت ہاتھ سے نکل جائے۔" اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ آپؐ رسول تو اپنی اُمت کے لیے ہیں اور خاتم انبیاء سابقین کے لیے۔ اور یہ نکتہ جو علماء نے ارشاد فرمایا ہے، نہایت لطیف ہے، اور

یہ بتایا ہے کہ نبوت کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک نبوت بالاصالۃ (بلاواسطہ) اور دوسری نبوت بواسطۂ اتباع۔ پس قرآن کے صریح منطوق کو چھوڑ دینا اور جو چیز اس کی نظر میں ناقابلِ اعتبار ہے اسکا اعتبار کرنا قرآن کو اس کے مقصد و مدعا سے خالی کرنا (اور اسے اپنے خود تراشیدہ معنیٰ پہنانا) ہے جو سب سے بڑا الحاد ہے۔

۱۰ــــــــ پھر نبوت کو دو اقسام کی طرف تقسیم کر کے یہ کہنا کہ "انبیاء بنی اسرائیل، جو شریعتِ موسوی پر عامل تھے ان کی نبوت ثمرۂ اتباع نہیں تھی[1] بخلاف سلسلۂ محمدیہ کی نبوت کے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا ثمرہ ہے" یہ ایک بے معنیٰ بات اور محض خود تراشیدہ سخن سازی ہے، کیونکہ نبوت بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ، نبوت کے خصائص دونوں جگہ موجود ہوں گے۔ رہا یہ کہ نبوت کے یہ امتیازی اوصاف و خصائص بمنزلہ شرط بے تاثیر اور موقوف علیہ محض کے ہیں، یا بمنزلہ سبب اور علتِ موثرہ کے؟ یہ تمام غیبی امور ہیں۔ اور آسمانی دین کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ منصب محض عطیۂ خداوندی ہے، کسب و محنت سے حاصل نہیں ہوتا (اور جب یہ بات طے ہوئی کہ جہاں نبوت ہوگی وہاں نبوت کے امتیازی اوصاف و کمالات بھی بہرحال موجود ہوں گے) پس اگر آپ کے بعد بھی نبوت جاری ہوتی تو اس کا حال بھی دورِ سابق کی نبوت سے قطعی طور پر یکساں ہوتا۔ جیسا کہ مرزا نے چشمۂ مسیحی ص۲۲ میں خود بھی نادانستہ اس کا اعتراف کیا ہے (چنانچہ لکھا ہے:

"صراط الذین انعمت علیہم۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کو یہ مرتبہ ملا انعام کے طور پر ملا، یعنی محض فضل سے نہ کسی عمل کا اجر۔" پس انبیاء بنی اسرائیل کی نبوت کو بلاواسطہ بتانا اور اپنی نبوت کو بواسطۂ اتباعِ نبوی قرار دینا محض سخن سازی نہیں تو اور کیا ہے؟)

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس سے آیت کا باہمی ربط واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کے بعد کسی نبی کا انتظار مت رکھو۔ منہ

[1] اس مضمون میں قادیانی کا تناقض رسالہ "مراق مرزا" ص۴۹ میں دیکھئے: "یہ اعتقاد رکھنا پڑتا ہے کہ ایک بندہ خدا کا عیسیٰ نام، جس کو عبرانی میں یسوع کہتے ہیں، تیس برس تک موسیٰ رسول اللہ کی شریعت کی پیروی کر کے خدا کا مقرب بنا۔" منہ

۱۱ـــــ اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ خود کو اسرائیلی بھی کہتا ہے[1]، پس (جب وہ خود بھی بزعمِ خویش اسرائیل سے ہے تو) مسیح اسرائیلی اور مسیح محمدی کا فرق، جس کا وہ نعرہ الاپتا ہے، درمیان سے اٹھ گیا۔

۱۲ـــــ اور چونکہ انبیاء بنی اسرائیل بھی، جو شریعت تورات پر عامل تھے، شریعت جدیدہ نہیں رکھتے تھے، پس ان کی نبوت بھی غیر تشریعی تھی، ٹھیک اسی نوعیت کی غیر تشریعی نبوت یہ ملحد، حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی جاری رکھتا ہے، پس جو منصب کہ انبیاء بنی اسرائیل کے سپرد تھا اس کے درمیان اور جو منصب یہ اپنے لیے تجویز کرتا ہے۔ اس کے درمیان کسی نوعیت کا فرق نہ رہا۔ بلکہ واقعہ اور مشاہدۂ حسی کے اعتبار سے امت کے سامنے یہ دونوں منصب مساوی ہوئے۔ رہا وہ ذہنی اعتبار جو اس نے ایجاد کیا ہے (کہ انبیاء سابقین کی نبوت بلا واسطہ اور مستقل تھی اور میری نبوت غیر مستقل اور اتباعِ نبوی کا ثمرہ ہے) اس سے امت کو کیا واسطہ؟ اور اس کا کیا اعتبار؟ کیونکہ یہ ایک ذہنی مفروضہ ہے جس کا وجود صرف فرض کنندہ کے ذہن میں ہوتا ہے، خارج میں وہ وقتی اعتبار نہیں ہوتا اور نہ احکامِ واقعیہ ہی اس پر مرتب ہو سکتے ہیں۔ اپنے گھر بیٹھے آدمی جو چاہے تراشتا رہے جس کو اردو محاورہ میں "من مانی" کہتے ہیں یعنی ایک ایسی بات ہے جو ایک شخص نے دل میں فرض کر لی ہے، ایک نفسانی خیال ہے جو اس کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے، ایک جھوٹی تمنا ہے جو اس کے سینے میں ابھرتی ہے اور ایک خواہش ہے جو اس کے نہاں خانۂ خیال میں گردش کرتی ہے۔ اس کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

۱۳ـــــ اور حدیث مشہور (میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

انّ مثلی ومثل الانبیاء من	میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی
قبلی کمثل رجل بنی بیتاً فاحسنہ	ہے کہ ایک شخص نے ایک نہایت حسین و جمیل
واجملہ الا موضع لبنۃ من	محل تیار کیا، مگر اس کے ایک کونے میں ایک
زاویۃ، فجعل الناس یطوفون	اینٹ کی جگہ خالی تھی لوگ اس کے گرد چکر

[1] "خدا نے مجھے یہ شرف بخشا ہے کہ میں اسرائیلی بھی ہوں" ایک غلطی کا ازالہ ص۱۸ از مرزا غلام احمد قادیانی منہ

به ويتعجبون له ويقولون: هلّا وضعت هذه اللبنة قال فانا اللبنة و انا خاتم النبيّين۔	لگنے اور اس (کی خوبیٔ تعمیر) پر تعجب کرنے لگے، اور لوگ بطور تعجب کہتے کہ یہ اینٹ کیوں نہ لگا دی گئی (کہ محل بہمہ وجوہ کامل و مکمل ہو جاتا ہے) فرمایا، پس میں (قصرِ نبوّت کی وہی) آخری اینٹ ہوں اور خاتم النبیّین ہوں (کہ میری آمد سے انبیاء کرام کی تعداد پوری ہو گئی)۔
(صحیح بخاری ص ۵۰۱/۱)	

اس حدیث نے نبوّت کو حسی محل کے ساتھ تشبیہ دے کر (ملحد قادیان کے) ان تمام ذہنی اعتبارات اور خود تراشیدہ حیثیات کو بیخ و بُن سے نکال پھینکا ہے اور مسئلہ ختم نبوّت کو ذہن سے نکال کر محسوسات کے دائرے میں داخل کر دیا ہے، جس میں ذہنی حیثیات و اعتبارات کا احتمال ہی نہیں (بلکہ ہر شخص سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ قصرِ نبوّت کی تکمیل ہو چکی۔ اب اس پر مزید اضافے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔)

۴ا ـــــ اور جب مالکِ عمارت، عمارت کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر اسے ختم کر دے تو مزدوروں کو یہ حق حاصل نہیں کہ مناقشہ کریں کہ تعمیر کو ختم کر دینا تو نقص ہے (پس جبکہ مالکِ مختار نے قصرِ نبوّت کی تکمیل کا اعلان کر دیا، تو کس کی ہمت ہے کہ اس کی تعمیر جاری رکھنے کا اللہ تعالےٰ سے مطالبہ کرے۔)

۵ا ـــــ البتہ (نئے نبی کی آمد پر) شریعت سابقہ بعینہٖ باقی رہے گی ؟ یا یہ کہ اس کے کسی حکم کی تجدید ہو گی ؟ یہ فرق معلوم بھی ہے اور معقول بھی۔ اسی طرح بنی اسرائیل میں نئے نبی کی آمد پر اکثر و بیشتر نئی اُمّت شمار نہیں کی گئی اور کبھی یہ تعلق تبدیل بھی ہو سکا، کیونکہ بقاء و تبدیل دونوں کو متحمل ہے۔ الغرض شریعتِ سابقہ کی بقاء یا تجدید کا تعلق اور اسی طرح کسی نبی کی اُمّت ہونے یا نہ ہونے کا تعلق تبدیل ہو سکتا ہے اور یہ فرق معقول المعنیٰ بھی ہیں اور اثر و نشان بھی رکھتے ہیں۔ بخلاف اس فرق کے جو اس مُلحد نے ایجاد کیا ہے۔ (کہ پچھلے زمانہ میں نبوّت بلاواسطہ ملتی تھی اور اب بواسطۂ اتباع ملتی ہے) دینِ سماوی میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ بلکہ یہ فرق محض من گھڑت اور خواہشِ نفس کی پیروی ہے اور کسی کو یہ حق نہیں کہ

اپنے نفسانی خیالات کی پیروی میں اندھیرے سے تیر چلائے اور اس کے مطابق فیصلہ کرے کیونکہ سوائے دلیل قطعی کے اور کوئی چیز لائق التفات نہیں۔

۱۶ــــــ گذشتہ دور کے بارے میں بھی کہا جا سکتا کہ (مثلاً انبیاء بنی اسرائیل کی نبوت) نتیجۂ اتباع تھی اور (اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبوت جاری ہو تو) زمانہ مابعد کے بارے میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے۔ خارج اور مشاہدہ کے اعتبار سے ان دونوں کے مابین کوئی فرق نہیں رہ جاتا، (پس ان دونوں زمانوں کے درمیان یہ فرق کرنا کہ زمانۂ سابق میں تو نبوت ثمرہ اتباع نہیں تھی، بلکہ بلاواسطہ حق تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت بذریعۂ اتباعِ نبوی حاصل ہونے لگی۔ یہ فرق) محض ایک ذہنی مفروضہ ہے جو کسی کے ایجاد کرنے سے دین میں داخل نہیں ہو سکتا، نہ اس پر کسی حکم کی تفریع ہی درست ہو سکتی ہے۔

۱۷ــــــ اہلِ حق بھی نبوت کے فیوض و کمالات کو جاری کہتے ہیں اور نصِ قرآن اور بیشمار احادیث کے تواتر کی بناء پر، جو بغیر کسی قید اور شرط کے مسئلہ ختم نبوت میں وارد ہیں، بابِ نبوت کو مطلقاً مسدود مانتے ہیں، اور مرزا بھی بزعم خود آیت خاتم النبیین کی پیروی کرتے ہوئے "نبوت مستقلہ" کو ممنوع مانتا ہے۔ اور "نبوت مستقلہ" کی قید کا اضافہ اپنی مطلب براری کے لیے، خود اپنی جانب سے کرتا ہے۔ پس جس طرح کہ اس ملحد نے آیت کا محمل اپنی طرف تراش رکھا ہے (کہ آیت میں نبوت مستقلہ کا دروازہ بند کیا گیا ہے) کیا ٹھیک اسی طرح اہلِ حق کو یہ حق حاصل نہیں کہ تواترِ احادیث کی بناء پر، جو علی رؤس الاشہاد تمام دنیا کی آنکھوں کے سامنے بغیر کسی حرف تقیید کے موجود ہیں۔ نیز اجماع بلا فصل کی بنا پر جو صدرِ اوّل سے آج تک چلا آتا ہے، اس کی تحریف کو "کالائے بد بریشِ خاوند" کہہ کر اس کے منہ پر مار دیں۔

۱۸ــــــ اور یاد رہے کہ رسول اور نبی کے درمیان نسبتِ تباین نہیں ہے۔ کیونکہ ارشادِ خداوندی "وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا"[1] میں دونوں جمع ہیں اور ان دونوں کے درمیان نسبتِ مساوات بھی نہیں، کیونکہ ارشاد خداوندی: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَّ

---

[1] سورۂ مریم: ۵۱

لَا نَبِیٍّ" (الحج: ۵۲) میں دونوں کو بالمقابل ذکر فرمایا ہے، پس جب یہ دونوں نسبتیں نہیں ہیں تو لامحالہ کوئی اور نسبت ہوگی، اور وہ نسبت اسی آیت کریمہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب: ۴۰) سے مستفاد ہوتی ہے کہ نبی عام ہے اور رسول خاص۔

رسول، جمہور علماء کے نزدیک وہ ہے جو کتاب یا شریعتِ جدیدہ رکھتا ہو، یا شریعتِ قدیمہ کے ساتھ قوم جدید کی جانب مبعوث کیا گیا ہو۔ جیسا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام قبیلہ بنو جرہم کی جانب مبعوث ہوئے۔ اور نبی وہ ہے جو صاحب وحی ہو۔ خواہ کتاب جدید یا شریعتِ جدیدہ یا قوم جدید رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ رسول اور نبی کے درمیان عموم و خصوص کی نسبت کے اس آیت کریمہ سے مستفاد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر دونوں کے درمیان تساوی کی نسبت ہوتی تو یہاں ضمیر لوٹانے کا موقعہ تھا، نہ کہ اسم ظاہر لانے کا۔ اندریں صورت خاتم النبیین کے بجائے خاتمھم فرمایا جاتا۔ اور خاتم النبیین میں جو اسم ظاہر لائے وہ اسی نکتہ کے لیے لائے تاکہ کلمۂ عموم سے ہر قسم کی نبوت کا اختتام سمجھا جائے۔ اور آپ کے بعد نبوت کے بالکلیہ منقطع ہونے کی صاف صاف تصریح ہو جائے۔ پس یہ طرز نبی کے عموم اور رسول کے خصوص پر دلالت کرتا ہے۔ اور معلوم ہے کہ یہ عام، خاص کے بغیر اسی صورت میں پایا جاتا ہے جبکہ وحی تو ہو مگر بغیر کتاب یا شریعتِ جدیدہ کے، اسی مادۂ افتراق کی خاطر عنوان کو ضمیر لانے کے بجائے اسم ظاہر کی طرف تبدیل فرمایا۔ پس اس نکتۂ جزیلہ کو سمجھ لینے کے بعد معلوم ہوگا کہ یہ آیت کریمہ جس طرح نبوتِ تشریعیہ کے انقطاع پر نصِ قطعی ہے اس سے کہیں بڑھ کر نبوت غیر تشریعیہ کے انقطاع پر نصِ قطعی ہے۔ اس لیے کہ ضمیر لانے کے بجائے اسم ظاہر اسی مقصد کے لیے واقع ہوا ہے کہ لفظِ 'خاتم النبیین' سے ہر قسم کی نبوتِ عامہ کے منقطع ہونے کی صراحت کر دی جائے۔ اس ملحد کو قلتِ علم اور کثرتِ جہل کی بناء پر اس کی درایت نہ ہو سکی۔ والحمد للہ الذی عافانا مما ابتلاہ بہ۔

لے حضرت شاہ عبدالقادرؒ "موضح القرآن" سورۂ مریم میں فرماتے ہیں: "رسول وہ ہے جو کتاب رکھتا ہو یا امت" اور مختصری مختصر

۱۹ـــــ اور خاتم الانبیاءؐ انبیاء کرام کی اس تعداد کا جو اُن کے شخصی تغایر پر مبنی ہے ختم کرنے کی وجہ سے خاتم الانبیاء ہیں، نہ کہ کسی اور لحاظ سے، اور جس طرح کہ بالغ مردوں کے حق میں آپؐ کی ابوت ہر اعتبار سے منقطع ہے، اور تبنّی بھی باطل ہوئی، اسی طرح اُمّت سے بالغ مردوں میں نبوت کی بھی کوئی قسم باقی نہیں رہی اور نہ اس کا باقی رہنا مقدّر ہوا اور اس کا توارث اور استفادہ بھی باقی نہ رہا۔ البتہ اس کے بدل میں آپؐ کی شخصی نبوت دائم قائم ہے، کیونکہ مورث خود موجود ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ "انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں"[۱] اور اسی بناء پر اس صورت میں فرمایا: وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ[۲] پس دیگر تمام تعلقات کو باقی رکھا، مگر سلسلۂ نبوّت کو باقی نہیں رکھا۔

۲۰ـــــ اور حاصل آیت کا مع لحاظ قصّۂ تبنّی کے یہ ہے کہ تم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلۂ ابوت کو جاری سمجھتے ہو، جو کہ اجرائے نبوت کے مناسب ہے، اس کے برعکس ہماری تقدیر میں آپؐ کے ذریعہ اجرائے نبوت نہیں، بلکہ آپؐ پر نبوّت کا اختتام مقدّر ہے، پس اسی وجہ سے لفظِ ابوت کو ذکر کیا، نہ کہ لفظ تبنّی کو۔ حالانکہ نزولِ آیت کے وقت آپ کا کوئی فرزند موجود ہی نہ تھا، پس لفظ تبنّی کا ترک کرنا اسی نکتہ کے لیے ہے، ورنہ بظاہر حقِ مقام یہ تھا کہ ابوت کو نہیں بلکہ تبنّی کو باطل کیا جاتا۔

۲۱ـــــ اور شاید ارشادِ نبوی: "ہم میراث نہیں چھوڑتے ہیں جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے"[۳] اسی آیت کریمہ سے ماخوذ ہے یعنی نہ تو مال کی وراثت جاری ہوگی اور نہ نبوت کی، جو کہ باپ سے بیٹے کو میسّر ہوا کرتی ہے، چنانچہ آیت کریمہ: یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ[۴] اور آیت وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ[۵] میں علماء نے دونوں احتمال لکھے ہیں، گویا فرمایا گیا ہے کہ یہاں دونوں وراثتیں نہیں، بلکہ ایک ہی رسالت اور ختم نبوّت ہے جو تا قیامت ایک ہی رہے گی۔ ہمیشہ اسی کے سایۂ عاطفت میں لطف اندوز ہو اور اجرائے وراثت کا انتظار مت رکھو۔

۲۲ـــــ اور شاید اسی تناسب سے حضرت علیؓ کے حق میں فرمایا کہ "تم مجھ سے وہی تعلق رکھتے

---

[۱] فتح الباری ص ۳۵۲ ج ۶ مجمع الزوائد ص ۲۱۱ ج ۸ [۲] الاحزاب: ۶ [۳] مشکوٰۃ ص ۵۵۰ [۴] مریم ۶

[۵] النمل: ۱۶

ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھا۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" کیونکہ منشاء استثناء، ذاتِ علیؓ کو ذاتِ ہارونؑ سے تشبیہ دینا نہیں ہے، اس لیے کہ حدیث کے لفظ یہ نہیں کہ "تم بمنزلہ ہارون کے ہو"۔ بلکہ یہ ہیں کہ "تم مجھ سے وہی علاقہ رکھتے ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھا"۔ یعنی ایک تعلق کی تشبیہ دوسرے تعلق کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو مانگ کر لیا تھا میں نے بھی تجھ کو مانگ کر لیا ہے۔ لیکن اس اخوت سے نبوت بطور ورثہ کے حاصل نہیں ہوگی، اور خصائص صـ۲۴۹ میں طبرانی کی روایت سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں "مگر یہ کہ نہ نبوت ہے نہ وراثت"۔

۲۳ــــــ اثباتِ ابوت سے وراثت نبوی جاری ہونے کا وہم ہو سکتا تھا، اور جب آیت کریمہ میں ابوت کی نفی کر دی گئی تو استدراک ختم نبوت کے ساتھ مناسب ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کی نبوت مقدر ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہی ہوتی، لیکن وہ بھی مقدر نہ ہوئی۔ پس نبوت کی اس قسم کا نکالنا ہی خالص انکار ہے اور محض اپنی خواہش نفسانی کو پورا کرنے کے لیے ہے اور بس۔

۲۴ــــــ اور جب کسی کام کا صاحب اختیار مالک خود ہی فیصلہ کر دے کہ فلاں سلسلہ، جو فلاں حد سے شروع ہوا تھا، ہم اسے فلاں حد پہ ختم کر دیں گے۔ اب اگر کوئی شخص اس مقررہ حد کے بعد بھی تاویل و تحریف کے ذریعہ اس سلسلہ کا جاری رہنا تجویز کرتا ہے تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ وہ اس مالک مختار سے معارضہ اور مقابلہ کرتا ہے اور اس کے کلام کا مذاق اڑاتا ہے، کیونکہ صاحب امر تو اس سلسلہ کے بقاء کی مدت بیان کر کے اس کی آخری حد مقرر کرتا ہے، اور یہ سرکش خود اسی کے رُو برو اس کے کلام کے ایسے خود تراشیدہ معنیٰ بیان کرتا ہے جو اس کے مقصود و مدّعا کی عین ضد ہیں۔

۲۵ــــــ پس (ارشادِ خداوندی کے مطابق) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کا زمانہ اجرائے نبوت کا دور تھا (اس لیے انبیاء کرامؑ یکے بعد دیگرے تشریف لاتے رہے) اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ دور ختم ہو چکا اور زمانہ آخر تک آپؐ کی نبوت کے ذیل میں شامل ہو گیا۔ (الغرض جب نبوت محض عطیۂ الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ[1] خود اعلان

---

[1] مشکوٰۃ ص ۵۶۳ بحوالہ بخاری و مسلم

کر چکا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت ختم کیا جاتا ہے، آپؐ کے بعد کوئی شخص اس منصب پر فائز نہیں ہوگا، اس صریح اعلان کے بعد بھی جو شخص اجرائے نبوت کا مدعی ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ سے مناقشہ کرتا ہے کہ نبوت کی فلاں قسم تو ابھی باقی تھی (نعوذ باللہ) آپ نے غلط فہمی سے مطلقاً ختم نبوت کا اعلان کر دیا۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ کسی کام کے ختم کرنے میں صاحبِ اختیار کے ساتھ مناقشہ کیوں؟ آخر وہ کس وقت ختم کرتا؟ (اور کس کے مشورے سے کرتا؟) جب مالک مختار اور حکیم مطلق کی جانب سے سلسلۂ نبوت کے بالکلیہ اختتام کا اعلان ہو چکا تو اس کے بعد یہ سوال کرنا (کہ نبوت کیوں ختم ہو گئی؟ اور یہ کہنا کہ وہ دین تو لعنتی دین ہے جس میں نبوت کا سلسلہ جاری نہ ہو) یہ ٹھیک اسی طرح کی کٹ حجتی ہے جو حدیث میں مذکور ہے کہ "لوگ ہر بات میں بیہودہ سوالات کیا کریں گے۔ یہاں تک کہ کہا جائے گا کہ ساری چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں، اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟"[1] لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

۲۶ —— اور کسی کام کی انتہاء کبھی تو فقدانِ قابل کے سبب ہوتی ہے (کہ اب کوئی ایسا آدمی ہی میسر نہیں آتا جو اس کام کو کرنے کی صحیح اہلیت رکھتا ہو، اس لیے مجبوراً وہ کام بند کر دینا پڑتا ہے، اور) یہ نقص ہے۔ اور کبھی کسی کام کی انتہا بسبب ارادۂ فاعل کے ہوتی ہے کہ وہ اس کام کو نقطۂ کمال تک پہنچا کر ختم کر دینا چاہتا ہے اور یہ (نقص نہیں بلکہ عین) کمال ہے۔ (چنانچہ ختم نبوت کے مسئلہ میں یہی دوسری صورت پیش آتی ہے کہ نبوت کو اس کی معراجِ کمال تک پہنچا کر اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی پر ختم کر دیا گیا۔)

۲۷ —— حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ "آپؐ کو خاتم الانبیاء کہو مگر یہ نہ کہو کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں۔"[2] (اس سے قادیانی گروہ نے استدلال کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک آیت خاتم النبیین اجرائے نبوت کے خلاف نہیں۔ مگر اس سے یہ استدلال کرنا قادیانی ملاحدہ کی کج فہمی ہے۔ کیونکہ اول تو یہ قول بلا سند ہے، جو لائق اعتبار نہیں، بالفرض اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کے دو صحیح محل ہو سکتے ہیں

[1] مشکوٰۃ ص ۱۸ بحوالہ بخاری و مسلم [2] درّ منثور ص ۲۰۴ ج ۵

ایک) احتمال یہ ہے کہ انھوں نے یہ ارشاد اس وہم کو رفع کرنے کے لیے فرمایا ہو کہ آپؐ کے بعد معاذ اللہ آپؐ کی نبوت کا قصہ بھی ختم ہوا، اور اب اس کا حکم بھی باقی نہیں رہا۔ یا یہ کہ آپؐ کے بعد کا زمانہ، زمانۂ فترت کی مانند ہو گیا۔ (اس خیال باطل کی تردید کے لیے فرمایا کہ یہ تو صحیح ہے کہ آپؐ خاتم النبیین، یعنی آخری نبی ہیں آپؐ پر سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا، اب کوئی شخص منصبِ نبوت پر فائز نہیں ہوگا، مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپؐ کا دورِ نبوت بس آپؐ کی زندگی تک ہی محدود تھا، اور زمانۂ مابعد کے لیے نہ کوئی نبی ہے، نہ کسی نبوت کا حکم باقی ہے۔ نہیں! بلکہ خاتم النبیینؐ کی نبوت کا حکم تاقیامت جاری وساری رہے گا) جیسا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تشریف آوری کے پیش نظر فرمایا ہو (یعنی خاتم الانبیاء کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی شخص منصبِ نبوت پر فائز نہیں ہوگا۔ یہ نہیں کہ آپؐ سے قبل کے تمام نبی مر چکے ہیں اور اب کوئی سابق نبی بھی نہیں آئے گا۔ بہرحال حضرت صدیقہؓ کے ارشاد سے قادیانی گروہ کا اجرائے نبوت پر استدلال کرنا حمق و غباوت ہے)

۲۸ —— شاگرد کا استاذ کے علم کو سیکھ لینا اور اپنی فطری استعداد کے مطابق اس سے کمالات کا استفادہ کرنا اہل جہان کی عادت ہے، اسی طرح مرید کا مرشد سے استفادہ کرنا بھی موجود و معلوم ہے، لیکن یہ صورت کہ کسی شخص میں نبوت منعکس ہو جائے اور صحبت و ریاضت اور کمالِ اتباع کی بدولت اسے مقام نبوت حاصل ہو جائے، یہ ایک لایعنی دعوٰی ہے جس سے دین سماوی کی پوری تاریخ ناآشنا ہے، محض لفاظی ہے جو مفہوم و معنیٰ سے عاری ہے، خالی عنوان جس کے تحت کوئی معنون نہیں اور نہ اس پر کوئی واقعی حکم مرتب ہو سکتا ہے، اس کی مثال ایسی سمجھئے کہ ایک شخص دعوٰی کرتا ہے کہ وہ بادشاہ کا ظل و بروز ہے اور —— اسی "بروزی اتحاد" کی وجہ سے اسے بادشاہ کا نام و مقام حاصل ہو گیا ہے (لہٰذا شاہی محلات اور حشم و خدم اب اس کے زیر تصرف ہیں اور ملک کا تمام نظم و نسق اب بادشاہ کے بجائے اس کے سپرد ہے ظاہر ہے کہ ایسا شخص واقعتاً بادشاہ کا محب و عاشق نہیں کہلائیگا، بلکہ اسے سرکش، غدار اور باغی

تصور کیا جائے گا، اور) وہ سزائے بغاوت کا مستحق ہوگا اور اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ کر رہے گا۔ (ٹھیک اسی طرح جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے ظلی اتحاد کا دعویٰ کرکے نبوّت کے نام و مقام اور حقوق کو اپنی طرف منسوب کرکے یہ کہے اب میں محمد رسول اللہ ہوں، رحمۃ للعالمین ہوں، اور تمام دنیا کی نجات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی کے بجائے اب میری اِتباع میں منحصر ہے۔ ایسا شخص اگر پاگل اور دیوانہ نہیں تو اسلام کا غدّار اور محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلّم کا باغی ہے اور وہ جرمِ بغاوت و ارتداد کی بناء پر قتل کا مستحق ہے)

۲۹ ـــــ اور معلوم رہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم سے استفادہ کے ذریعہ نبوت کا جاری ہونا اس آیت کریمہ میں عربیّت کے لحاظ سے بھی باطل ہے ـــــ کیونکہ حرف "لکن" قصرِ قلب" کے لیے آتا ہے اور اس کا مابعد، ما قبل کے بدل میں واقع ہوتا ہے، اور وہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان دونوں کے درمیان تبادل اور تدافع شرط ہے تاکہ بدل اور مُبدَل منہ جمع نہ ہوجائیں۔ جیسا کہ کتب نحو و معانی میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے ـــــ آیت کریمہ میں 'لکن' سے ما قبل ابوت کی نفی ہے اور 'لکن' کے بعد ختم نبوت کا اثبات ہے، اور اہل فہم پر مخفی نہیں کہ ابوت اور ختم نُبوّت کے درمیان بلا واسطہ کوئی تدافع نہیں کہ مؤخر الذکر، اوّل الذکر کے بدل میں واقع ہو سکے اور 'لکن' کے استعمال کی شرط پوری ہو جاتی، بلکہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ پس آیت کی تفسیر وہی ہے جو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ یعنی ابوت سے اجرائے نبوت کا وہم ہو سکتا تھا، اس لیے ابوت کی نفی کرکے اس کے بدل میں ختم نبوت کو رکھا گیا۔ کیونکہ سُنّتِ سابقہ کے مطابق بقائے ابوت اور ختم نبوت کے درمیان ایک طرح کا تدافع تھا خوب سمجھ لو۔

۳۰ ـــــ نبوت درحقیقت انبیاء کرامؑ کی تکمیل ذات کے لیے نہیں ہوتی، کیونکہ تکمیلِ ذات تو ولایت ہے جو نبوت کا ایک ذیلی شعبہ ہے۔ بلکہ نبوت یا تو تشریع کے لیے ہوتی ہے یا شریعت کی حفاظت و بقاء اور اُمّت کی سیاست و نگہداشت کے لیے (یہ نکتہ ملحوظ رکھ کر غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم

کے بعد نبوت کی ضرورت ہی ختم ہو چکی، کیونکہ یہاں شریعت خود اوج کمال تک پہنچ چکی ہے (چنانچہ اعلان فرما دیا گیا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدہ:۳) اور شریعت کی بقاء و حفاظت کی کفالت خود حضرت حق جلّ شانہٗ نے اپنے ذمّہ لے رکھی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (الحجر: ۹) لہٰذا اب نہ تشریع کے لیے اجرائے نبوّت کی ضرورت رہی، نہ شریعت کی حفاظت کے لیے۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ واقعہ میں بھی وہ محفوظ ہے۔ (رہی سیاست امت، تو وہ خلفاء کے سپرد ہو چکی ہے) اور تکمیل نفسی کا شعبہ دو بیتے (جو اولیاء امّت) کے سپرد کیا جا چکا۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کوئی منصب ایسا باقی نہ رہا جس کے لیے کسی نئے نبی کی ضرورت ہو۔)

۲۱ـــــ اور شاید لفظِ 'ختم' کا استعمال عرف لغت میں اشخاص کے ساتھ زیادہ مناسب ہے اور لفظِ 'انقطاع'، وصف رسالت و نبوت کے ساتھ 'انسب' ہے، نہ کہ اشخاص کے ساتھ۔ لفظِ 'ختم' ماقبل کے امتداد کو چاہتا ہے اور یہ امر 'انقطاع' کے مفہوم میں معتبر نہیں۔ پس قرآن نے فرمایا کہ (وہ) اشخاص (جنہیں نبی کہا جاتا ہے) ختم ہو لیے (اور ان کی فہرست مکمل ہو گئی) اور حدیث نے بتلایا کہ یہ عُہدہ ہی باقی نہیں رہا، یا یوں کہو کہ یہ منصب بند کر دیا گیا (چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ — بیشک رسالت و نبوت منقطع ہو چکی،

فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا نَبِيَّ (ترمذی) — پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہو گا نہ نبی۔)

۲۲ـــــ عالم کی موجودہ صورت نہ تو ابتداء ہی سے کامل پیدا کی گئی ہے اور نہ تماثلِ ادوار واکوار سے ظہور پذیر ہوئی بلکہ بطور تربیت تمہید سے مقصود کی جانب ترقی ہوتی رہی، جیسا کہ جواہر و احجار، نباتات و اشجار اور حیوانات و انسان میں مشاہد ہے۔ چونکہ مخلوق کا آغاز نفسِ واحدہ سے کیا گیا اور پھر اسے عروج و کمال تک پہنچایا گیا، تو اس سے معلوم ہوا ہوا کہ کامل ترین ذات حضرت خاتم النبیین صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کامل ترین دَور ہی میں لایا جاتے گا، نہ کہ اس کے برعکس۔ اور جس طرح کہ عالم کی ابتداء آدمِ صوری و زمانی سے ہوئی ہے، نہ کہ کسی اعتباری و اضافی سے۔ اسی طرح انتہاء بھی ایسے خاتم پر ہونی چاہیے جو

لہ الحجر: ۹

صورۃً و معنیً دونوں طرح کا خاتم ہو۔ یعنی اس کے بعد اصل نبوت اور کمالِ نبوت دونوں کا انقطاع ہوجائے، نہ کہ وہ فقط اضافی و معنوی خاتم ہو۔ اور یہی مُدّعا ہے حدیثِ عرباض بن ساریہؓ کا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین لکھا ہوا تھا۔ جبکہ حضرت آدمؑ ہنوز آب و گل میں تھے"[1] مراد یہ کہ آغازِ کار ہی سے یہ امر ملحوظ تھا کہ سلسلۂ نبوت کا اختتام مجھ پر ہوگا، زمانہ کے اعتبار سے بھی اور کمال کے اعتبار سے بھی۔ اب اگر آپؐ کی خاتمیت کو حقیقی نہیں بلکہ اضافی فرض کریں تو آدم علیہ السلام سے تقابل فوت ہوجاتا ہے، اور حدیث بے ربط ہوجاتی ہے اور یہ مضمون احادیث میں بار بار آیا ہے۔

۳۳ ــــــ اور مخفی نہ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے نبوت کے تمام دائرہ کو اور اس کے مقام و مسافت کو اوّل سے آخر تک طے فرمایا ہے۔ اور اسی بناء پر اوّل و آخر میں ظہور فرمایا، اور آپؐ اس تمام دَورہ پر حاوی ہوئے۔ اندریں صورت کسی شخص کا آپؐ کے بعد آنا اگرچہ آپؐ سے استفادہ کے ذریعہ آئے۔ آپؐ کے حق میں ایک نقص ہے، گویا آپؐ بذاتِ خود اس مرحلہ کو طے نہیں کرسکے۔ اس نکتہ کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ یہ غبی شقی قادیانی اس سے محروم رہا ہے۔

۳۴ ــــــ اور فتوحات کے باب ۳۸۷ میں اس نوعیت کے خواتم اور فواتح پر کچھ بحث کی ہے، اور ان خواتم کے زیرِ سیادت سابقین کو رکھا ہے، نہ کہ بعد میں ان سے استفادہ کرنے والوں کو، کیونکہ اس صورت میں ختم علی الاطلاق صادق نہیں رہتا۔

۳۵ ــــــ اور یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ منتہائے کمال اگر باعتبار "لِمْ" کے مبدا ہے تو باعتبار "اِنْ" کے مرتّب اور مستنِد ہے، جو کہ مؤخّر ہوتا ہے، اور شاید قوسِ نزول و عروج میں، جو صوفیائے کرام کے یہاں مقرر ہے اور غالباً آیت کریمہ "يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ"[2] میں اور پھر "مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ"[3] میں اسی کی جانب اشارہ ہے، اسی طرح ہوتا ہوگا۔ اور شاید اس قسم کے خواتم میں ختم معنوی یعنی ختم کمالات کی ظاہری صورت سُنّت اللہ میں یہی ختم زمانی ہوگی، کیونکہ ہر معنیٰ کے لیے ایک صورتِ مناسبہ ہوتی ہے، اسی طرح

[1] مشکوٰۃ ص ۵۱۳ بحوالہ شرح السنّۃ و مسند احمد [2] الطلاق: ۱۲ [3] المعارج: ۳

ہر مرتبہ و منزلت بھی کسی مناسب صورت میں ہی جلوہ گر ہوتی ہے ۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو چونکہ فاتح اور خاتم بنانا منظور تھا تو اس کی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ آپ کو باعتبارِ علم کے مبدا قرار دیا جاتے اور باعتبارِ زمان کے سب سے آخر میں رکھا جاتے۔ مشہور اشراقی فلسفی شیخ شہاب الدین مقتول، تقدم و تاخر کی تمام اقسام کا مرجع تقدم و تاخرِ زمانی کو قرار دیتا ہے

۳۶ ۔۔۔۔۔ اور یہ امر بھی سمجھ لینا چاہیے کہ لفظ 'ختم' کے مدلول کا تعلق ما قبل سے ہے، نہ کہ ما بعد سے ۔۔۔ پس مدلولِ آیت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا جو تعلق انبیاء کرامؑ سے ہے، وہ تمام تر خاتمیت کا تعلق ہے، اور یہ تعلق انبیاء سابقین سے ہے، نہ کہ بعد میں آنے والے نبیوں سے۔ اور انبیاء سابقین کو آپؐ کی زیرِ سیادت رکھا گیا کیونکہ کسی پیشرو کا بعد میں آنے کی اتباع کرنا مؤخر الذکر کی سیادت و کمال کو زیادہ واضح کرتا ہے بہ نسبت اس کے برعکس (کہ بعد میں آنے والے اپنے پیشرو کی اتباع کیا ہی کرتے ہیں، الغرض انبیاء سابقین بمنزلہ رعیّت کے ہیں اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم بمنزلہ سلطان الانبیاء کے ہیں) اور قاعدے کی بات ہے کہ رعیّت کے پہلے سے موجود ہوتی ہے، تب سلطان ان کے بعد آتا ہے۔ جیسا کہ شبِ معراج میں انبیاء کرامؑ، بیت المقدس میں جمع ہونے کے بعد نماز کے لیے امام کے منتظر تھے۔ غرضیکہ جو چیز اجتماع کا مقتضا ہو وہ اجتماع کے بعد ہوتی ہے، نہ کہ اس سے قبل ۔۔۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السّلام کے قصّہ میں بھی یہی ہوا کہ سامان پہلے سے مہیّا کیا گیا، اور خلیفہ بعد میں لایا گیا۔

۳۷ ۔۔۔۔۔ اور[1] کسی شخصیّت پر کمال کا ختم ہو جانا اور مقصد کا اس پر پورا ہو جانا بذاتِ خود

---

[1] قادیانی یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا 'نبی ساز' ہونا آپ کی بہت بڑی فضیلت ہے اور 'ختم نبوت' کو تسلیم کرنے سے یہ فضیلت فوت ہو جاتی ہے۔ آگے دور تک اسی مغالطہ پر بحث چلی گئی ہے کہ اول تو 'نبی ساز' کا افسانہ محض سخن سازی اور طبع کاری ہے۔ قرآن و حدیث میں کہیں اس کا ذکر نہیں، پھر آپ کی خاتمیت جو اعلیٰ درجہ کی فضیلت ہے، اس کے معارض ہے، اور اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جاتے تو آپؐ کا

اعلیٰ درجہ کی فضیلت ہے، جو نبی ساز ہونے کے مغالطہ سے معارض ہے۔ پس اگر ان دونوں فضیلتوں کو جمع کرنا ہو تو اس کی بس یہی صورت ہے کہ انبیاء سابقین کو آپؐ کے زیر سیادت رکھا جائے اور آپؐ کو ختم کنندۂ کمال یقین کیا جائے، کیونکہ آپؐ کے بعد بھی اگر نئے نبیوں کی آمد باقی ہو تو اس سے تو یہ ثابت ہوگا کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بھی) مقصدِ نبوت ہنوز پورا نہیں ہوسکا۔ بلکہ تشنۂ تکمیل ہے (اس سے ہر فہیم سمجھ سکتا ہے کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوت کا جاری رہنا آپ کی فضیلت و منقبت کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ اس سے آپؐ کی تنقیص ہوتی ہے کہ سب سے اعلیٰ و افضل ہونے کے باوجود آپ مقاصدِ نبوت کی تکمیل نہیں کرسکے، تبھی تو مزید انبیاء کے بھیجنے کی ضرورت لاحق ہوتی۔)

۳۸ ـــــ مختصر یہ کہ انبیاءِ سابقین کے دور میں زمانہ چونکہ ممتد تھا۔ اس لیے انبیاء کرام کو تکمیل کار کے لیے یکے بعد دیگرے لایا جاتا رہا۔ اور جب عالم کی بساط لپیٹ دینے کا ارادہ فرمایا گیا تو نوبت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی اور (چونکہ آپؐ کی آمد سے مقاصدِ نبوت کی تکمیل ہوگئی اور کوئی حالتِ منتظرہ باقی نہ رہی، اس لیے) اس سلسلہ کو ختم فرما دیا۔ اب یہ شبہ کرنا کہ (اگر آپؐ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو تو آپ کی) نبوت "نبی ساز" نہیں رہے گی، محض شیطانی وسوسہ اور سوقیانہ واحمقانہ قیاس آرائی ہے، اور براہِ راست صاحبِ اختیار مالک الملک کے ساتھ مزاحمت ہے

۳۹ ـــــ اور اس کٹ حجتی کا آغاز سب سے پہلے ابلیس نے کیا تھا جس کی وراثت وہ اپنی ذریت کے لیے چھوڑ گیا ہے۔ حق تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو "نبیوں کے ختم کرنے والا" بنایا ہے، اور یہ شقی (مرزا) کہتا ہے کہ آپؐ نبی تراشنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ سے ایسا صریح مقابلہ و مناقضہ ابلیس نے کیا تھا جس کی وراثت اس شقی کو پہنچی ہے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) "نبی ساز" ہونا انبیاء سابقین کے اعتبار سے ہے، اس میں دونوں باتیں جمع ہوجاتی ہیں۔ منہ

۴۰—— اور یہ شتقی نبوّت کو قوّتِ مولّدہ پر، جو ابقائے نوع کے لیے ہوتی ہے اور جو انواعِ متناسلہ میں پائی جاتی ہے، قیاس کرتا ہے۔ جبکہ حق تعالےٰ عہدۂ نبوّت ہی کے ختم ہونے کا اعلان فرماتے ہیں، اور اس نوع ہی کو ختم کر رہے ہیں — واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

۴۱—— پس حق تعالےٰ نے مجموعہ شخص اکبر میں کہ مجموعۂ عالم ہے، ایک خاص نظام ملحوظ رکھا ہے، اور کمالِ عالم کو سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ختم فرما دیا ہے۔ "کسی شَے کا مقصد ذہن میں سب سے اوّل ہوتا ہے اور وجود میں وہ سب کے بعد آتا ہے"۔ احقر نے ایک نعت میں کہا ہے: "اے ختم رسل! آپؐ کی اُمّت سب سے بہتر اُمّت تھی، اس لیے سب کے بعد وجود میں آئی، جس طرح کہ درخت کا ثمرہ اصل مقصود ہوتا ہے اور فصل کے آخر میں وجود پذیر ہوتا ہے۔"

۴۲—— اور جانتے ہو کہ جو کثرت کہ وحدت کی طرف راجع اور اس کے رشتہ میں منسلک نہ ہو وہ شیرازۂ منتشر کی طرح ہے، جو رفتہ رفتہ فنا ہو جاتا ہے۔ اور جس چیز میں جس قدر وحدت قوی تر ہو گی۔ وہ اسی قدر زیادہ معزز ہو گی اور اس کی صورتِ نوعیہ سب سے افضل تر ہو گی۔ انسان کی روح، پھر اس کے جسم، پھر دیگر کائنات و موالید میں درجہ بدرجہ غور کرو۔ کہ یہ بکھرے ہوئے سامان کی طرح نہیں ہیں اور نہ عناصر کی مانند ہیں، جو کہ مادہ ہے۔ اسی وجہ سے فلاسفہ کہتے ہیں کہ مادہ سے کثرت ہے اور صورت سے وحدت۔

۴۳—— (حضرت خاتم الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے کتاب نبوت کی تمت تمام ہو چکی اور سلسلۂ نبوّت ایک خاص نظام کے مطابق پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا، اس کے بعد مرزا قادیانی کی یہ کج بحثی کہ "وہ دین، لعنتی دین ہے جو نبی ساز نہ ہو" (فضلِ خداوندی پر اعتراض ہے، اگر یہی منطق ہے تو نعوذ باللہ) گذشتہ اُمتّوں کو بھی اپنے نبیوں کے مقابلے میں یہ کہنے کا حق حاصل تھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تمہی لوگوں کو نبوّت کے لیے مخصوص و منتخب کیا گیا؟ اور یہی معارضہ ابلیسِ لعین نے اللہ تعالیٰ سے

سے کیا تھا کہ امرِ خلافت کا مدار آپ کے انتخاب و اجتباء پر کیوں ہے؟ یہی کج بحثی بطورِ وراثت، ابلیس سے اس مُدّعی (قادیانی) کو پہنچی ہے۔

اور حقیقۃ الامر یہ ہے کہ جس طرح کہ پہلی اُمّتیں انبیاءِ سابقین کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرتی تھیں اور مشیّتِ الٰہیہ کے مطابق نبوّت کے علاوہ دیگر مراتبِ قرب حاصل کرتی تھیں اور اُمت کے کسی فرد کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ انبیاءِ کرامؑ سے مقابلہ آرائی کرے اور نہ وہ اس معاملہ میں کٹ حجتی کر سکتا تھا (اسی طرح اُمّتِ محمدیہ بھی قیامت تک آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت کے ظلِّ رحمت میں زندگی بسر کرے گی) اور نبوّت کے علاوہ جس قدر مراتبِ قُرب، کسی کے حق میں اللہ تعالےٰ کو منظور ہیں انھیں حاصل کریگا لیکن اس کٹ حجتی کا کسی کو حق حاصل نہیں کہ کسی اُمّتی کو مقامِ نبوت کیوں نہیں عطا کیا جاتا؟ پس جیسا کہ اُس نبی کی نسبت اُس زمانہ میں اپنی اُمّت کے ساتھ تھی اسی طرح اب مشیّتِ الٰہیہ یہ ہے کہ وہی نسبتِ واحدہ آخیر زمانہ تک قائم رہے اور یہ تعلق پوری اُمّت کے ساتھ ختمِ عالم تک باقی رہے۔

۴۴ ——— اور ترمذی کی حدیث نے ہر غم و فکر سے اہلِ ایمان کو شفاءِ صدر عطا کردی ہے (اور قادیانی ملاحدہ کے تمام وسوسوں کا جواب شافی دے دیا ہے) آپؐ نے فرمایا کہ "رسالت و نبوت بند ہو چکی ہے پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی"۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ خبر لوگوں کو شاق گذری (کہ رسالت و نبوت تو ایک رحمت تھی اس کا انقطاع، اُمّت کے لیے موجبِ حرمان ہوگا) آپؐ نے فرمایا: "لیکن مبشّرات باقی ہیں" انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مبشرات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: "مومن کا خواب! اور یہ اجزاءِ نبوّت میں سے ایک جز ہے"۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے[۱]۔ اس حدیث نے اسی قلق کا ازالہ کیا ہے (جو آج قادیانی ملاحدہ کی جانب سے پیش کیا جاتا ہے) اور صاحبِ 'فتوحات' نے بھی باب ۳۲۳ میں اس سلسلہ میں کچھ تحریر فرمایا ہے۔

۴۵ ——— اور چونکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زیرِ سیادت تمام انبیائے سابقین ہیں

[۱] سنن ترمذی: ابواب الرؤیا ص ۲۲ ج ۲

اور محشر میں تمام انبیاء کرام آپؐ ہی کے جھنڈے تلے ہوں گے، اور نیز چونکہ آپؐ نبی الانبیاء ہیں، جیسا کہ علماء عارفین نے تصریح کی ہے۔ اس لیے انبیاء سابقین نے آپؐ کی ماتحتی میں آکر اس باب میں، بعد میں آنے والے نبیوں سے مستغنی کر دیا ہے، اور اب مزید انبیاء کی حاجت نہیں رہی۔ اور یہ بات صادق آئی کہ آپؐ ایسے نبی ہیں کہ اپنے ماتحت انبیاء رکھتے ہیں، مگر وہ انبیاء سابقین ہیں، نہ کہ آپؐ کے بعد میں آنے والے۔ نظامی فرماتے ہیں: "آپؐ ایسے نبی ہیں کہ سب سے آگے نکل گئے۔ حق تعالیٰ نے ختم نبوت کا منصب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا۔"

۴۶ ـــــ اور یہی مدعا ہے حدیث "نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ"[1] کا۔ یعنی "ہم سب سے بعد آئے اور سب سے آگے نکل گئے"۔ اور یہی مفہوم ہے اس حدیث کا کہ آپؐ نے فرمایا: "میں تخلیق میں سب نبیوں سے پہلے تھا۔ اور بعثت میں سب سے آخر میں آیا۔" یہ حدیث ابن ابی شیبہ اور ابن سعد وغیرہ نے روایت کی ہے۔ اور اس کی تفسیر ایک دوسری حدیث میں آئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک 'خاتم النبیین' لکھا ہوا تھا۔ درآنحالیکہ آدم علیہ السلام ہنوز آب و گل میں تھے۔" اس کو بغوی نے شرح السنہ میں اور امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے، جیسا کہ 'مشکوٰۃ' میں ہے۔[2] اور "لکھا ہوا ہونے" سے مراد محض نبوت کا مقدر ہونا نہیں، کیونکہ یہ چیز تو تمام انبیاء کرام میں مشترک ہے۔ بلکہ اس سے خلعتِ نبوت اور اختصاصِ الٰہی کے ساتھ مشرف ہونا مراد ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبوت محض عطیۂ ربانی ہے۔ محنت و ریاضت سے حاصل نہیں ہوتی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے اول اس خلعت کے ساتھ مشرف کیا گیا، گویا عالم وجود میں آپؐ جس وقت بھی چاہیں اس تشریف و تکریم کے ساتھ آراستہ اور اس منصب پر فائز ہوں۔

اور امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بیشک اللہ تعالیٰ نے

---

[1] مشکوٰۃ ص ۱۱۹ بحوالہ بخاری و مسلم [2] مشکوٰۃ ص ۵۱۳

آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوق کی تقدیریں لکھیں اور 'الذکر' میں تحریر فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم 'خاتم النبیین' ہیں یہ حدیث 'مواہب لدنیہ' میں صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کی ہے، مگر صحیح مسلم کے موجودہ نسخہ میں یہ پوری حدیث ان الفاظ میں مجھے نہیں ملی۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل میں مروی ہے کہ "آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوت تھی، اور آپ خاتم النبیین تھے"۔ (شمائل ترمذی)

'خاتم' یعنی جس چیز سے کسی چیز پر مُہر کی جائے وہ لگانے کے وقت تو سب سے آخر میں ہوتی ہے، لیکن نظرِ ثانی میں وہ سب سے اوّل واقع ہوتی ہے، اور سب سے پہلے اسی کو کھولا جاتا ہے۔ مسند طیالسی ص ۳۵۴ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اسی مضمون کی جانب اشارہ ہوا ہے[1]

---

[1] مسند طیالسی کی جس حدیث کا حضرت مصنف نور اللہ مرقدہٗ نے حوالہ دیا ہے، اس کا مضمون یہ ہے کہ جب لوگ طلبِ شفاعت کے لیے علی الترتیب حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات) کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو وہ یہ کہہ کر عذر کر دیں گے کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بنایا گیا۔ اس کے ساتھ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا مشورہ دیتے ہوئے فرمائیں گے۔

ولکن أرأیتم لو ان متاعاً	لیکن یہ بتاؤ کہ اگر کچھ سامان کسی ایسے
فی وعاءٍ قد ختم علیہ أکان	برتن میں ہو جو سربمہر کر دیا گیا ہو، تو
یوصل الی ما فیہ حتی	جب تک اس مُہر کو نہ کھولا جائے
یفض الخاتم؟	کیا اس برتن کے اندر کی چیز تک
فیقولون: لا۔ فیقول: فان	رسائی ممکن ہے؟ وہ حاضرین اس کا جواب
محمداً صلی اللہ علیہ وسلم	نفی میں دیں گے تو آپ فرمائیں گے کہ

۱۴ ـــــ اس کے بعد یہ شبہہ کرنا کہ "دین کامل وہ ہے جو نبی ساز ہو" اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اگر حصولِ نبوّت کا مدار علیّت بالطبع اور ایجابِ ذاتی پر ہے ـــــ جیسا کہ ابلیس سے بحث کی تھی، اور یہی کٹ حجتی بطورِ وراثت اس کی اولاد (مرزا قادیانی وغیرہ) کو نصیب ہوئی ـــــ تو یہ ایک ایسا امر ہے جو خدا تعالےٰ نے پہلے ہی دن تسلیم نہیں کیا۔ اور اگر نبوّت کا حصول اللہ تعالےٰ کی مشیّت و ارادہ پر موقوف ہے تو ہم کہیں گے کہ نبوّت، شرف و اختصاص کی وہ خلعتِ فاخرہ ہے جو ہر کسی کی قامت پر راست نہیں آتی۔

اور یہاں معاملہ کی نوعیت کچھ اور ہے وہ یہ کہ سلسلۂ نبوّت کو اس کے کمال کی آخری حد تک پہنچا کر ختم فرما دیا گیا اور نہیں چاہا گیا کہ اسے انحطاط پر ختم کریں۔ اور نبوت کا یہ اختتام اس وقت ہوا جبکہ کارِ نبوّت ختم ہو لیا۔ مقصدِ نبوّت پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا، اور عالم کے خاتمہ کا وقت قریب آ پہنچا۔ نیز حکمتِ خداوندی نے نہ چاہا کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اُمّت مرحومہ کا تعلق واسطہ در واسطہ ہو، بلکہ یہ چاہا گیا کہ ایک ہی تعلق اوّل سے آخر تک پوری اُمّت کو شامل و محیط ہو۔ نیز یہ نہیں چاہا گیا کہ اُمّتِ مرحومہ کے لیے جن امور پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں

ـــــ حاشیہ صفحہ گزشتہ ـــــ

قد حضر الیوم الحدیث	پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج یہاں موجود
(مسند طیالسی ص۳۵۴ مطبوعہ حیدر آباد دکن)	ہیں۔ ان کی خدمت میں جاؤ۔"

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا اس تشبیہ سے مقصد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "خاتم النبیّین" ہیں، لہٰذا جب تک نبیوں کی مُہر کو نہ کھولا جائے اور آپؐ شفاعت کا آغاز نہ فرمائیں تب تک انبیاء علیہم السلام کی شفاعت کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ اور نہ کسی نبی کی شفاعت کا حصول ممکن ہے۔ لہٰذا تم لوگ سب سے پہلے حضرت خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو، "پہلے نبیوں کی مہر" کو کھولو۔ آپؐ سے شفاعت کا آغاز کراؤ، تب کسی اور نبی کی شفاعت ممکن ہے۔ واللہ اعلم (مترجم)

سے کوئی جز باقی رہ جائے، کہ آئندہ کسی مدعیٔ نبوت کے انکار سے وہ کافر ٹھہریں؛ بلکہ یہ چاہا گیا کہ ان کا ایمان تمام انبیاءِ سابقین کے پورے سلسلہ کو حاوی ہو، کیونکہ حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لانا تمام انبیاء سابقین (علیہم السلام) پر ایمان لانے کو متضمن ہے، اور خاتم الانبیاءؐ پر ایمان لانے کے بعد اس سلسلہ کا کوئی جزو ایمان باقی نہیں رہ جاتا۔

۴۸ـــــ موضح القرآن میں سورۃ اعراف کی آیت وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ کے ذیل میں اس مضمون کی جانب اشارہ ہوا ہے اور سورۃ حج میں بھی[1] اور یہی مدعا ہے اس آیتِ کریمہ کا: (اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا)[2]

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"یہ اس اُمّت پر حق تعالیٰ شانہٗ کا سب سے بڑا انعام ہے کہ ان کے لیے ان کے دین کو کامل کر دیا۔ اس لیے وہ اپنے دین کے سوا کسی اور دین کے اور اپنے

---

[1] سورۃ اعراف کی آیت[۱۵۶] کے ذیل میں حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: "شاید حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اُمّت کے حق میں دنیا اور آخرت کی نیکی کی جو دعا مانگی مراد اس سے یہ تھی کہ سب اُمّتوں پر مقدم رہیں۔ فرمایا کہ میرا عذاب (اور رحمت کسی) فرقے پر مخصوص نہیں۔ سو عذاب تو اسی پر جس کو اللہ چاہے اور رحمت سب کو شامل ہے، لیکن وہ خاص رحمت لکھی ہے ان کے نصیب میں جو اللہ کی ساری باتیں یقین کریں، یعنی آخری اُمّت کو سب کتابوں پر ایمان لاویں گے۔ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمّت میں جو کوئی آخری کتاب پر یقین لاوے وہ پہنچے اس نعمت کو، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ان کو لگی۔"

اور سورہ حج کی آخری آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: "یعنی پسند کیا تم کو اس واسطے کہ تم اور اُمّتوں کو سکھاؤ، اور رسول تم کو سکھاوے، اور یہ اُمّت جو سب سے پیچھے آئی سب کی غلطی اس پر معلوم ہوئی، سب کو راہ صحیح بتاتی ہے۔" [2] المائدہ: ۳

نبی (صلوات اللہ وسلامہ علیہ) کے سوا کسی اور نبی کے محتاج نہیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خاتم الانبیاء بنایا، اور تمام جنّ و انس کی طرف مبعوث فرمایا"۔
(تفسیر ابن کثیر)

پس اہلِ حق نے سلسلۂ نبوّت کے اختتام کو نعمت و رحمت شمار کیا ہے (جب کہ قادیانی کے نزدیک یہ نعمت معاذ اللہ لعنت ہے) اور یہی مصداق ہے ارشادِ خداوندی: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ[1] کا۔ یعنی "ہم نے آپؐ کو تمام جہان والوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

۴۹ ــــ اور حق تعالیٰ آیاتِ کریمہ میں تمام اُمتوں کو ایک طرف اور اس اُمتِ مرحوم کو دوسری طرف رکھتے ہیں، اور پوری اُمت کو اوّل سے آخر تک ایک ہی اُمت شمار کرتے ہیں، اس سلسلہ کی چند آیات ملاحظہ فرمائیے۔

۱ــ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الآیہ (آل عمران: ۱۱۰)

۲ــ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ: ۱۴۳)

۳ــ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا (النساء: ۴۱)

۴ــ لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (الحج: ۷۸)

۵ــ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ۔ (النحل: ۸۹)

اور حق تعالیٰ شانہٗ خاتم الانبیاءؐ کی بعثت کو قیامت کے متصل رکھتے ہوئے آپؐ کے اور قیامت کے درمیان کوئی اُمت نہیں رکھتے (پس جب تمام اُمم سابقہ کو ایک طرف اور اُمتِ مرحومہ کو دوسری طرف رکھا گیا اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے متصل مبعوث فرما کر اُمتِ مرحومہ کا دامن قیامت تک وسیع کر دیا گیا تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ آپ آخری نبی

---

[1] الانبیاء: ۱۰۷

ہیں۔ اور آپؐ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں۔ بلکہ قیامت تک اُمّت مرحومہ پر آپؐ ہی کا سایۂ نبوّت و رحمت محیط رہے گا۔ والحمد للہ)

۵۰۔۔۔۔۔اور (قادیانی ملحد کا یہ کہنا کہ "وہ دین لعنتی دین ہے جس میں نبوت کا سلسلہ جاری نہ ہو" اس کے جواب میں) بطورِ معارضہ کہا جائے کہ وہ دین، دینِ رحمت نہیں جس کے تمام اجزاء پر آدمی ایمان لائے، مگر باوجود اس کے محض کسی شقی کی نبوت کے انکار سے کافر ٹھہرے۔ نیز قادیانی سے یہ سوال کیا جائے کہ آیا دین کے بارے میں بھی یہی منطق جاری ہوگی کہ وہ دین، دینِ رحمت نہیں جو نئے دین کو پیدا نہ کرے۔ نیز یہ امر بھی دریافت طلب ہے کہ اس شقی کی نبوت، جس نے اب تک کوئی نبی پیدا نہیں کیا، اور نہ اس پر وہ راضی ہے۔ اس پر بھی لعنت ہے یا کیا ہے؟

۵۱۔۔۔۔۔اور گذشتہ بحث سے آپ نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "واسطۃ العقد" (ہار کے درمیانہ موتی) کی حیثیت سے عالمِ وجود میں نہیں لایا گیا کہ آپؐ کا تعلق سابقین سے کچھ اور نوعیت کا ہوتا اور لاحقین سے کسی دوسری نوعیت کا، نہیں، بلکہ آپؐ کو صدرِ جلسہ کی حیثیت سے لایا گیا ہے کہ ساری تمہید پہلے ہوا کرتی ہے، اور صدرِ جلسہ کی آمد کے بعد جلسہ کا اختتام ہو جاتا ہے اور مقصد ختم ہو جانے کے بعد سوائے کوچ کا نقارہ بجانے کے اور کوئی کام باقی نہیں رہ جاتا، ورنہ لازم آئے گا کہ مقصد ابھی تک پورا نہیں ہوا۔

۵۲۔۔۔۔۔(قادیانی نے نبوت کو بادشاہت پر قیاس کرتے ہوئے کہا ہے کہ شہنشاہ وہی کہلاتا ہے جو اپنے ماتحت بہت سے بادشاہ رکھتا ہو۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمالِ نبوت اسی وقت ظاہر ہو سکتا ہے جب کہ آپؐ کے فیضِ نبوت سے بہت سے نبی وجود میں آئیں۔ لیکن) اس شقی غبی نے بزعمِ خود کمال ثابت کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کا التزام کیا ہے۔ کیونکہ شہنشاہ کو اپنے ماتحت بادشاہوں اور جانشینوں کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ مقصد ہنوز نامکمل ہے، کیونکہ سلطنت کا سلسلہ جاری ہے۔ (اس کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف

آوری سے مقصد رسالت پایۂ تکمیل تک پہنچ چکا) اور کوئی حکیم و دانا مقصد کی تکمیل کے بعد کام کو جاری نہیں رکھا کرتا۔ (اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی انبیاء کے مبعوث ہونے کی ضرورت باقی ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ آپؐ مقصدِ رسالت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے سے معاذ اللہ قاصر رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر آپؐ کی تنقیص اور کیا ہو سکتی ہے) پس ایک طرف مقصد کی تکمیل کو اور دوسری طرف اس شقی کے قیاس کو رکھ کر دونوں کا اچھی طرح موازنہ کرو۔

۵۳ ـــــ علاوہ ازیں یہ کہنا کہ "شہنشاہ" اپنے ماتحت بادشاہوں کو پیدا کیا کرتا ہے نہایت سطحی بات ہے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ایک ہی شخصی سلطنت ہوتی ہے جو کارپردازی کے لیے اپنے ماتحت نائب مقرر کرتی ہے، اور ولی عہد اصل کی غیر موجودگی کے سبب مقرر کیا جاتا ہے ـــ ان تمام لوگوں کی ضرورت محض اس بناء پر پیش آتی ہے کہ بادشاہ کی ذات تن تنہا حکومت کا تمام کاروبار چلانے سے قاصر ہے۔ اور یہاں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انبیاء کی پیدائش اعمال نبوت کے لیے (فرض کی جائے تو غلط) ہے۔ کیونکہ ذات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کفایت فرمادی ہے اور اگر نئے نبیوں کی آمد محض ان کی ذات کے لیے ہے، اُمت اور اعمالِ اُمت سے انہیں کوئی سروکار نہیں، تو درحقیقت یہ نُبوّت ہی نہیں۔ باقی رہی سیاست اور اُمت کی نگہداشت، تو حدیث میں ختمِ نُبوّت کا اعلان کر کے سیاستِ اُمت کو خلافت پر چھوڑ دیا ہے اور روحانی تربیت کا منصب ولایت کے سپرد ہے جو نُبوّت کا ایک ضمنی شعبہ ہے۔ (الغرض خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جدید نبوت کا کوئی مصرف ہی باقی نہ تھا، اس لیے یہ منصب ختم کر دیا گیا۔)

۵۴ ـــــ اور یہاں ابلیس کی بحث کی مراجعت کی جائے، جس کا خلاصہ شہرستانی نے کتاب الملل والنحل میں یہ ذکر کیا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت میں کلام نہیں تھا بلکہ اس کی حکمت پر اعتراض تھا[1] اور اس ہیچمدان کے نزدیک اسے متعدد

[1] شہرستانی نے مقدمہ ثالثہ میں ابلیس اور ملائکہ کے درمیان مناظرہ نقل کرتے (باقی اگلے صفحہ پر)

اصول میں کلام تھا، اور اس کی اصل بحث اس امر میں تھی کہ (نبوت و رسالت اور دیگر مواہب الٰہیہ کا مدار) ایجاب بالذات اور طبعی صلاحیت پر ہے؟ یا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے ارادہ و اختیار اور مشیت پر؟ (ابلیس شق اوّل کا قائل تھا، یہی وجہ ہے) کہ وہ ہر کام کی علّت کے بارے میں اُلجھتا ہے اور (اس کے برعکس) آدمؑ اور اولادِ آدمؑ (کا مسلک یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے کسی فیصلہ پر چون وچرا نہیں کرتے کہ یہ تقاضائے عبدیت کے خلاف ہے، بلکہ وہ) معاملہ کو صاحب معاملہ (جلّ شانہٗ) کے سپرد کرکے اطاعت وتسلیم بجالاتے ہیں اور اپنی عبدیت پر نظر رکھتے ہیں، (اور سچ پوچھو تو آدمیت کی محبوب ترین ادا یہی عبدیت اور تفویض وتسلیم ہے۔ چنانچہ انسانیت کے گلِ سرسبد اور اولادِ آدمؑ کے مایۂ افتخار سیّدنا محمّد صلّے اللہ علیہ وسلّم کا سب سے بڑا وصف یہی بیان کیا گیا ہے) کہ عبدہٗ و رسولہٗ۔ اور (اس کے مقابلہ میں) شیطان

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہوتے لکھا ہے کہ ابلیس نے فرشتوں سے کہا:

"میں مانتا ہوں کہ باری تعالےٰ میرا اور ساری مخلوق کا معبود ہے، وہ عالم ہے، قادر ہے، اس کی قدرت و مشیت پر بحث نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرے تو اس کے کلمۂ "کن" سے وہ فوراً وجود میں آجاتی ہے، وہ حکیم بھی ہے، مگر اس کی حکمت پر چند سوالات متوجہ ہوتے ہیں، فرشتوں نے پوچھا وہ سوال کیا ہیں، اور کتنے ہیں؟ وہ ملعون بولا: سات!"

"اللہ تعالےٰ نے فرشتوں سے فرمایا: "اس سے کہو کہ تو اپنے پہلے اقرار میں، کہ میں تیرا اور ساری مخلوق کا معبود ہوں، صادق اور مخلص نہیں۔ کیونکہ اگر تو واقعی تصدیق کرتا کہ میں الٰہ العالمین ہوں تو "یہ کیوں؟ اور وہ کیوں؟" کی منطق کے ساتھ مجھ پر حکم چلانے کی کوشش نہ کرتا۔"

(دیکھئے الملل والنحل برحاشیہ کتاب الفصل لابن حزم صفحہ ۱۰ تا ۱۳) مترجم

سے جو مالک سے کے اختیار میں نزاع کرتا ہے اور ہر بات کی علت میں اُلجھتا ہے۔

یہ آیت کریمہ و اذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ متعدد مسائل و فوائد پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اس میں ایمان باللہ کے بعد مسئلہ نبوت ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو مبعوث فرمائیں گے جن کی اطاعت فرض ہوگی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت جبھی معتبر ہے جبکہ اس کے حکم سے اس کے مامور کی اطاعت کی جائے، اور یہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے حد فاصل اور فیصلہ کن معیار ہے اور یہی مطلب ہے حق تعالیٰ اس ارشاد کا کہ "حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا"[1] نیز اس ارشاد کا کہ: "اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس واسطے کہ اس کا کہا مانا جائے اللہ کے حکم سے"[2] نیز اس حدیث کا جس میں آپؐ نے ایک خطیب کو فرمایا تھا کہ: "یوں کہہ کر جو شخص نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی"[3] اس حدیث میں قرآن کریم سے اقتباس کرتے ہوئے اللہ و رسول کو الگ الگ ذکر فرمایا۔ کسی شخص کا اپنی عقل سے کسی کی اطاعت کرنا یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں بلکہ اپنے نفس کی اطاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت تو جب متحقق ہوتی ہے جبکہ اس کے حکم سے کسی دوسرے کی اطاعت کی جائے (چنانچہ قصۂ ابلیس و آدم میں شیطان نے خدا کو سجدہ کرنے سے انکار نہیں کیا، بلکہ اس کے حکم پر حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سربسجود ہونے سے انکار کیا جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے حکم دیا تھا اس لیے خدا کا نافرمان اور منکر ٹھہرا) نیز اس آیت میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ حُسن و قبح شرعی ہے یا عقلی، اور تعدیل و تجریر، اسماء و احکام اور وعدہ و وعید کے مسائل بھی ہیں۔ یہ تو شہرستانی نے ذکر کیے ہیں۔ نیز اس میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ خیر و شر کی تقدیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اور یہ کہ علوم کی انتہاء اللہ تعالیٰ کے علم پر ہوتی ہے، اسی واسطے آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم دی۔ اور یہ کہ انسان کا شرف عبدیت اور توبہ و انابت میں ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا، اور وہ سب سے باز پرس کر سکتا ہے۔ نیز اس میں مراحم ملکیہ (شاہانہ نوازشوں) کا مسئلہ ہے اور یہ کہ یہ (اللہ کے رحم و کرم سے فیض یاب ہونے کی) آخری تدبیر ہے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[1] النساء: ۵۹ [2] النساء: ۶۴ [3] صحیح مسلم ص ۲۸۶ ج ۱

اور اس قصّہ (آدمؑ و ابلیس) سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان میں خلل قابلِ برداشت نہیں، ہاں اعمال میں تقصیر اور کوتاہی ہو تو قابلِ مغفرت ہے۔

۵۵ ——— اور جب قرآن کریم نے اعلان کر دیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اشخاصِ انبیاءؑ کے خاتم ہیں تو (اس کے معنیٰ اس کے سوا اور کیا ہیں کہ انبیاء کرامؑ کی جو تعداد علم الٰہی میں طے شدہ تھی آپؐ پر اس کا اختتام ہو چکا۔ آپؐ سلسلۂ انبیاء کے آخری فرد تھے۔ آپؐ کے بعد اب کوئی ایسی شخصیت باقی نہیں رہی جس کا نام انبیاء کی فہرست میں درج ہو۔ لہٰذا آپؐ کے بعد حصولِ نبوت کا دروازہ بالکلیہ بند ہو چکا، اور اب) مجازاً اتحاد (یا ظل و بروز وغیرہ کا دعویٰ بھی) نبوّت کے اجراء و بقاء کے لیے سود مند نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ امر قطعی و بدیہی ہے کہ تمام انبیاء کرامؑ اپنی شخصیّت کے اعتبار سے الگ الگ اشخاص ہیں (ان کے اسی شخصی تغایر کے لحاظ سے ان کی ایک قطعی تعداد علمِ الٰہی میں معیّن ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی) اور نصِ قرآن اسی تغایرِ اشخاص پر مبنی تعداد کو ختم کرنے کے لیے وارد ہوتی ہے نہ کہ وساطت و عدمِ وساطت پر (مدار رکھنے کے لیے۔ لہٰذا یہ کہنا) کہ (خاتم النبیّین کے بعد بلا واسطہ نبوّت کا دروازہ تو بند ہے، مگر بالواسطہ نبوت کا دروازہ کھلا ہے) یہ قرآن کی تحریف اور اس کے مقصود کو باطل ٹھہرانا ہے جس کا منشاء محض شیطانی فریب اور خواہشِ نفس کی پیروی ہے۔ اس لیے کہ اگر بالفرض نبوت بالواسطہ بھی (کسی شخص کو حاصل) ہوتی تب بھی تعدّدِ اشخاص سے تو الگ نہیں ہو سکتی تھی، (بلکہ لامحالہ ایسے شخص کی نبوت بھی فہرستِ انبیاءؑ میں ایک نئے نبی کا اضافہ کرتی) حالانکہ قرآن نے اس قصہ ہی کو ختم کر دیا، اور تمام نبیوں کا ان کے اشخاص کی مجموعی تعداد کے اعتبار سے احاطہ کیا ہے) نہ کہ نبوت کی کسی خاص قسم کے اعتبار سے (پس قرآن یہ نہیں بتاتا کہ نبوت کی فلاں فلاں قسمیں ختم ہو چکی ہیں اور فلاں قسم ابھی باقی ہے۔ نہیں! بلکہ وہ تو یہ اعلان کرتا ہے کہ

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور ہر گنہگار پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی رحمت اس کے غضب سے بڑھی ہوئی ہے۔ نیز اس میں انبیاء کرام کے تمام مخلوق سے افضل ہونے کا مسئلہ ہے۔ نیز ایجاب و اختیار کا مسئلہ بھی ہے۔ منہ

نبیوں کی تکمیل تعداد، جو عنداللہ مقرر تھی، وہ ایک ایک کرکے پوری ہو چکی ہے۔" لہٰذا نبوت کی تقسیم کرنا اور بالواسطہ، بلاواسطہ، مستقل غیر مستقل کی رٹ لگانا قرآن کی نظر میں سراسر لغو ولایعنی ہے۔)

۵۶ ــــ علاوہ ازیں اتحادِ محبانہ، ولولۂ عاشقانہ، فنا و محویت اور اس طرح کی دیگر اصطلاحات کا اطلاق، باب عشق میں ہوتا آیا ہے، اور یہ کسی قدر وجہ تسمیہ بھی پیدا کر سکی ہیں۔ لیکن سب کچھ حقیقت واقعیہ پر محمول نہیں، بلکہ احوال اور خیال آفرینی سے قبیل سے ہیں، چنانچہ مشہور ہے کہ "فقر خیال بندی کا نام ہے"۔ اور (اگر کسی از خود رفتہ عاشق نے "من تو شدم، تو من شدی، من جان شدم تو تن شدی۔ تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم، تو دیگری" کا نعرہ لگایا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ سچ مچ عاشق و معشوق کی ذات متحد ہو گئی اور اب ان کی دونوں شخصیتوں کے الگ الگ احکام باقی نہیں رہے، بلکہ یہ تصورات کی دنیا میں عاشق و معشوق کو نقطۂ نظر میں ایک سمجھنے اور اس سلسلہ میں تیز نگہی کا مظاہرہ کرنے کے باب سے ہے، یہ نہیں کہ (ان خیالی تصورات سے) حقائق بدل جائیں اور احکام میں تغیر و تبدل ہو جائے (کہ نعوذ باللہ بندہ پر خدا کے یا خدا پر بندہ کے احکام جاری ہونے لگیں یا کوئی فنافی الرسول کا مدعی واقعتہ محمد رسول اللہ بن بیٹھے)

۵۷ ــــ اور عالم خیال اپنے دائرے میں ایک وسیع مملکت رکھتا ہے، اور یہ تمام کا تمام امثال و صُوَر کے قبیل سے ہے، نہ کہ حقیقتِ واقعیہ کے باب سے۔ اور اس کے آثار و احکام اِس جہان میں مشاہَد و معلوم نہیں ہیں۔ لہٰذا ان فدیانہ الفاظ اور از خود رفتہ لوگوں کے اقوال کی بناء پر شریعتِ سماویہ اور قانون الٰہی کے احکام کو بدل ڈالنا الحاد و زندقہ ہے۔

ان احوال و اقوال کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی اصلاح و تاویل کی جائے اور ان کے قائلین کی گلو خلاصی کی صورت پیدا کی جائے، یہ نہیں کہ ان کے ذریعہ دوسروں کی گردن ناپی جائے۔ اور جو کچھ کہ اس ملحد نے حقیقۃ الوحی صـ۹۴ میں کہا ہے۔ مع قل یا عبادی کی تفسیر باطل کے، یہ قرآن کا

نشیرہ نہیں ہے۔[1]

اور فرق ظاہر جس میں مرتبۂ نفس الامر بھی شامل ہے۔ اس کو لغو قرار دینے کا راستہ باطنیہ اور حلولیہ ہمیشہ سے ہموار کرتے آئے ہیں۔ اور قرآن کریم انہی تحریفات کی اصلاح کے لیے نازل ہوا ہے جو مختلف ادیان میں (اس قسم کے لوگوں کی کج فہمی سے) پیدا ہو گئی تھیں۔ مثلاً یہود میں عقیدۂ رجعت، اور نصاریٰ و ہنود میں عقیدۂ حلول۔ (اب انہی تحریفات کو قرآن میں ٹھونسنا بدترین ظلم و الحاد ہے۔)

۵۸ ——— اور معلوم رہے کہ علمائے ظاہر، ظاہر شریعت سے باطن کی طرف جا کر اور خود کو فرمانِ الٰہی و نبوی کی صورت میں مقید کر کے سلامتی میں رہے ہیں۔ خواہ حقیقت و مستمیٰ تک بلا کم و کاست پہنچے ہوں یا صرف اطاعتِ فرمان میں کوشاں رہے ہوں۔ جیسا کہ علمائے باطن، باطن سے ظاہر کی طرف آتے ہوئے پوشیدہ اسرار و رموز کے اظہار میں کبھی کبھی ٹھیک نشانے پر اپنا تیر نہیں لگا سکے اور یہیں سے اختلاف رونما ہوا۔ یہی سبب ہے کہ بسا اوقات انھوں نے ایسی چیزیں بیان فرمائیں جو دوسروں کے فہم تک نہ پہنچ سکیں، باوجودیکہ انھوں نے بسوط اور ضخیم کتابیں لکھی تھیں۔ اور ایک صاحبِ فن عالم یہ سمجھتا ہوگا کہ اس قدر توضیح و تشریح کے بعد اب کونسی بات لوگوں کی استعداد سے بالاتر رہی ہوگی، مگر واقعہ یہ نہیں، بلکہ سیکڑوں اور ہزاروں امور اب بھی فہم سے بالاتر رہ گئے ہیں۔ اور خود صوفیائے کرام نے وصیت فرمائی ہے کہ اجنبی لوگ، جو ہمارے "حال کا ذوق" نہیں رکھتے، وہ ہماری کتابوں کا مطالعہ نہ کریں۔[2] خود انہی کی وصیت کے بعد اور کیا چاہتے ہو؟ ابن خلدون نے مقدمہ میں اس

---

[1] اس مقام میں مرزا کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ فنا و محویت کی حالت میں نبیوں پر بطور استعارہ "خدا" اور "خدا کے بیٹے" کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اسی بناء پر قل یعبادی میں لوگوں کو "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے" کہا گیا ہے۔ مترجم۔

[2] علامہ شعرانیؒ نے اس پر بہت اچھی بحث کی ہے دیکھئے الیواقیت ص ۱۰ ج ۱۔ مترجم

سلسلہ میں کچھ لکھا ہے [۱]

۵۹ ـــــ اور معلوم رہے کہ ایمان اور کفر کے مابین حدِّ فاصل صرف ایک حرف ہے اور وہ ہے انبیاء کرامؑ پر ایمان لانا اور ان کی تعلیم و ہدایات پر انحصار کرنا۔ یہی چیز ہے جو ایمان و کفر کے درمیان امتیاز کی لکیر کھینچتی ہے ورنہ تمام قومیں اثباتِ باری تعالیٰ کے مسئلہ میں بعض بعض چیزوں کا اعتقاد رکھتی ہیں، لیکن حق تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کر لینے بعد وہ اس کی جانب سے آمدہ تعلیم و ہدایات پر انحصار نہیں کرتیں، بلکہ حقوقِ عبدیّت کی ادائیگی میں اپنی خواہشات کی پیروی کرتی ہیں۔ بخلاف ادیانِ سماویہ کے (کہ ان کا تمام تر انحصار ہدایاتِ ربانی پر ہے۔ جن کی تعلیم انبیاء علیہم السّلام کے ذریعہ دی گئی ہے) اور یہ جو بعض ملاحدہ کا خیال ہے کہ "انبیاء کرام کی تعلیم اگر صحیح بھی ہو تب بھی ان کی ذات پر ایمان لانے کو کیوں جزوِ ایمان قرار دیا جائے"۔ یہ خیال مسخِ فطرت کی علامت ہے۔ کیونکہ جب ہم نے خدا تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہدایات پر انحصار کیا تو لامحالہ خدا اور بندوں کے درمیان پیغامبروں کی ضرورت لاحق ہوئی اور ہدایات کا توقّف ان کی ذات پر ٹھہرا۔

۶۰ ـــــ نیز یہ بھی معلوم رہے کہ حضرات انبیاء اور حُنفاء کی عبادت محضِ عبدیّت ہے، کہ وہ (ہمیشہ) تفویض و تسلیم اور ربّ العالمین پر توکّل کے راستہ (پہ گامزن رہتے ہیں، اس) کے علاوہ اپنی جانب سے ایک حرف بھی درمیان میں نہیں لاتے، نہ (احکامِ خداوندی میں) اپنی عقل کا کوئی دخل دیتے ہیں۔ اس لیے کہ عبدِ مطلق اپنی ناچیزی و بے مائیگی اور تمام معاملات و اختیارات کو آقا کے سپرد کرنے کے سوا اور کوئی مطمحِ نظر نہیں رکھتا۔ بخلاف صابئین کے، جن میں بُت پرست بھی شامل ہیں، کہ وہ عبادت کا طریقہ اپنی عقل سے تجویز کرتے ہیں اور اعمالِ سفلیہ کے ذریعہ علویات کی تسخیر سے رسومِ عبادت بجا لاتے ہیں۔ مثلاً ہیکل اور مورتیاں بنانا اور منتر جنتر پڑھنا وغیرہ ـــــ گویا ان کی عبادت کا حاصل ایک قسم کا جادو اور عملِ تسخیر ہے۔ یہ فرق ہے انبیاء اور غیر انبیاء کے دین میں۔

---

[۱] مقدمہ ابن خلدون ص ۴۶۷۔ باب ۶، فصل ۱۱

۶۱۔۔۔۔۔۔ اس عالم میں عقلاء و علماء اور عارفین کے کسی گروہ کے درمیان اختلافِ رائے کبھی ختم نہیں ہوا، سوائے انبیاء علیہم السلام کے۔ کہ ان حضرات میں سے کسی ایک نے بھی نہ کبھی دوسرے نبی کی ہجو کی، نہ اس کی کسی بات پر رَدّ کیا۔ پس سلامتی اس میں ہے کہ ان کے احکام کی باطنی حکمت کا مطالبہ نہ کیا جائے، بلکہ بغیر چون وچرا اور بحث ومباحثہ کے ان کی اطاعت کی جائے۔

عالمِ تشریع، جو عالمِ تکوین کی سطح ہے، اس میں سبب اور مسبّب کا باہمی ربط بسا اوقات (اتنا دقیق ہوتا ہے کہ اربابِ نظر کو بھی) نظر نہیں آتا، اطاعت شعار عاقل و بالغ کے لیے زیبا نہیں کہ اس سطح کو توڑ کر باطنی ربط و تعلق کے مطالبہ میں اُلجھے۔ اور باطنی حکمت اور اندرونی حقیقت کے کھل جانے تک قانونِ الٰہی کی تعمیل کو معطل رکھے، شیطان کی ضد اور ہٹ دھرمی درحقیقت یہی تھی (کہ جب تک سجدۂ آدم کی حکمت نہ بتائی جائے اس وقت تک فقیر تعمیلِ حکم سے قاصر ہے) بخلاف سنّتِ انبیاء علیہم السلام کے (کہ ان کا ذوق احکامِ الٰہیہ کے بارے میں یہ ہے:

زباں تازہ کردن با قرارِ تو
نینگیختن علّت از کارِ تو

۶۲۔۔۔۔۔۔ چونکہ حضراتِ صوفیاءؒ کے محاورات و اصطلاحات کا سلسلہ ایک علیحدہ اور مستقل سلسلہ ہے (اس لیے فنِ تصوّف کی اصطلاحات کو اگر فقہ وعقائد اور دیگر علومِ ظاہری سے گڈمڈ کر دیا جائے تو اس سے الحاد و زندقہ کے سوا اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ چنانچہ) یہ مُلحد (بھی یہی کرتا ہے کہ) فنِ تصوّف کے بعض اجزا کا سرقہ کرکے انہیں علومِ ظاہری کے بعض اجزاء سے جوڑ دیتا ہے اور اس قطع وبرید سے الحاد کا نتیجہ نکال لیتا ہے جو کہ ایماندار کا کام اور مومن کا شیوہ نہیں ہے۔

سادہ لوح، سادہ منش یا محروم القسمت لوگ اس کے اس دعویٰ کو دیکھ کر کہ "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے مرتبۂ نبوت پایا ہے" نقدِ ایمان اس کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص سچ مچ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے فدا کاروں میں سے ہوگا ، لیکن وہ نہیں جانتے کہ اس نے آیت (ختمِ نبوت) کی تاویل و تحریف یہی تو کی ہے (کہ جو شخص فنا فی الرسول ہو ، اسی کو نبوت ملتی ہے) اور اسی زندقہ کے ذریعہ اس نے نبوّت کا دروازہ کھولا ہے ، اس لیے اس کو (اپنی مطلب برآری کے لیے) اس دعویٰ (فنائیت) کے اصرار و تکرار کے بغیر چارہ نہیں۔ اور (یہ صرف اسی دجّال پر منحصر نہیں ، بلکہ) سب دجّالوں نے یہی کیا ہے (کہ محویت و فنائیت ایسے بلند بانگ دعووٰں سے مخلوقِ خدا کی آنکھوں میں خاک ڈالی) یہاں تک کہ دجّال اکبر بھی شروع میں اپنی نیکی و پارسائی کا مظاہرہ کرے گا ، جیسا کہ فتح الباری میں روایت نقل کی ہے[1]۔ بعد ازاں تدریجاً دعویٰ خدائی تک پہنچے گا۔ ورنہ اگر وہ ابتداء میں پارسائی و پرہیزگاری کی نمائش نہ کرتا تو اس کی دعوت کو فروغ اور مقبولیت حاصل نہ ہو سکتی۔ اسی طرح یہ دجّالِ (قادیان) بھی دعویٰ اِتّباع (محض اپنی مطلب براری کے لیے کرتا ہے ، جس) میں وہ متفرد نہیں ہے۔

۶۴ــــــــ اور (مرزا قادیانی ایک طرف تو بڑی شدّ و مد سے کہتا ہے کہ حصولِ نبوّت کے لیے "سیرت صدیقی کی کھڑکی" کھلی ہے ، اور اتباعِ نبوی کی وساطت سے اس اُمّت میں بھی نبوّت کا سلسلہ جاری ہے۔ لیکن) اسی کے ساتھ اجرائے نبوّت سے جو اصل غرض تھی ، (یعنی اپنے تئیں نبی بلکہ 'آخری نبی' ثابت کرنا) اس کو بھی اپنے ہمراہ رکھا کہ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک) نہ اگلوں میں سے کوئی شخص اس مرتبہ (نبوت) تک پہنچا ، نہ بعد میں آنے والوں میں سے (کسی کو یہ مرتبہ نصیب ہوگا) کسی بندۂ خدا کو یہ ہدایت نہ ہوئی کہ (اس 'نئے نبی' پر ایمان لانے سے پہلے اس سے کم از کم اتنا ہی پوچھ لیتا کہ حضرت !) جب نبوّت کا دروازہ کھلا ہے تو پھر (آپ کے سوا کسی دوسرے کے لیے یہ شجرۂ ممنوعہ کیوں ہے ؟ آخر دوسروں کے حق میں) یہ رکاوٹ کہاں سے نکل آئی ؟ گویا (مرزا نے) سارے اصول ، دوسروں پر نبوت کا دروازہ بند کرنے اور اپنے لیے کھولنے کے واسطے وضع کیے ہیں۔ دوسروں

[1] باب ذکر الدجال ص ۹۰ ج ۱۳

پر نبوت کے بند ہونے کے ثبوت میں ختم نبوت کو پیش کرتا ہے اور اپنے لیے نبوّت کا دروازہ کھول لیتا ہے۔ دیکھئے رسالہ ترکِ مرزائیت ص ۲۹، ۳۶ - نیز مصباح العلیّہ ص ۱۹۔

۴۴ ——— مرزا کہتا ہے کہ "پہلے انبیاء جو بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ کے دین کی تائید کے لیے آئے، ان کی نبوت اتباع کا ثمرہ نہ تھی، بخلاف اس اُمّت کے" لہ اس سلسلہ میں وہ اگر کچھ کہہ سکتا ہے تو یہی کہہ سکتا ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل کی نبوت میں موسیٰ علیہ السلام کی ذات کا دخل نہیں تھا۔ لیکن یہ بات اس کے کلام سے غیر شعوری طور پر اس دین میں بھی لازم آتی ہے، کیونکہ وہ کہتا ہے کہ "وہ دین لعنتی دین ہے جس میں نبوت کا سلسلہ جاری نہ ہو" لہ پس اس نے اجرائے نبوت کو دین کا

لہ اس سلسلہ میں رسالہ "مراقِ مرزا" ص ۱۱ سے مرزا کا تناقض بھی ملاحظہ فرمائیے، حاشیہ حقیقۃ الوحی ص ۹۷ میں کہتا ہے:

"اور بنی اسرائیل میں اگرچہ بہت نبی آئے، مگر ان کی نبوت موسیٰ کی پیروی کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ وہ نبوتیں براہِ راست خدا کی جانب سے ایک موہبت تھیں موسیٰ کی پیروی کا اس میں ایک ذرہ کچھ دخل نہ تھا"

اس کے برعکس اخبار الحکم مؤرخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء ص ۵ کالم ص ۲ میں کہتا ہے کہ:

"حضرت موسیٰ کی اتباع سے ان کی امت میں ہزاروں نبی ہوئے"

اور مثل مشہور "دروغ گو را حافظہ نباشد" کے مطابق اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ دینِ موسوی میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے ہزاروں نبی ہوئے اور دینِ متین (محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں صرف یہی ایک شقی ہوا، اور اگر کوئی شخص یہ نکتہ ایجاد کرے کہ دورِ سابق میں اتباع شرط نہیں تھی اور اب شرط ہے؟

تو یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ ہر نبی قبل از نبوت کسی دینِ حق پر ضرور عمل پیرا تھا۔ اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے قبل الہام سے عبادت کرتے تھے۔ منہ۔

لہ حقیقۃ النبوۃ ص ۱۴۲ ضمیمہ ۳

خاصۂ لازمہ قرار دیا، ذاتِ نبوی درمیان سے نکل گئی۔ دیکھئے عشرہ کاملہ ص ۵۷، اشد العذاب ص ۳۲، ضرورۃ الامام ص ۲۰۔۱ اور رسالہ ترکِ مرزائیت ص ۲۰،۱۴ میں اس سے بھی واضح تر عبارت ہے۔

۶۵ ——— یہاں مرزا نے "فنا فی الرسول" کی شرط کو بھی ملحوظ نہیں رکھا، جیسا کہ (اشد العذاب کے) ص ۳۴ میں اس کا دعویٰ نقل کیا ہے، اور نہ ختمِ نبوت کی اس کے سوا کوئی تاویل و تحریف کہ وہ شریعت جدیدہ نہیں رکھتا، اور اسی طرح (اشد العذاب کے) ص ۳۹ میں صرف یہ تاویل کی ہے کہ (اس کی شریعت) شریعتِ جدیدہ نہیں۔

پس آیتِ ختمِ نبوت کی تحریف، ان عبارتوں میں، جو کہ آخری دَور کی عبارتیں ہیں، دوسری تحریف کی جانب منتقل ہو گئی، اور "فنا فی الرسول" کی شرط بھی ضروری نہ رہی، پس جب تک کہ اجرائے نبوت کے لیے "فنا فی الرسول" کی شرط تھی۔ تب تک تو شریعت بھی تجویز ہو سکتی تھی۔ گو شریعتِ جدیدہ نہ سہی، اور جب شریعت جدیدہ نہ ہونے کی شرط ملحوظ نظر ٹھہری تو شرطِ اوّل درمیان سے جاتی رہی اور اس کی ضرورت نہ رہی۔ اسی طرح ان خیالی "الہامات" میں بھی۔ جن کو وہ اِدھر اُدھر سے لے کر جوڑتا اور ان کا نام "وحی" رکھ لیتا ہے۔ جیسا کہ حقیقۃ الوحی ص ۱۱ وغیرہ میں ہے۔ نبی و رسول کا لقب اپنے لیے بغیر کسی قید کے لگاتا ہے اور اس کے ناخلف (مرزا محمود) نے تصریح کی ہے کہ اس کے باوا کی "وحی" میں نبوت کے ساتھ ظلّی، بروزی اور انعکاسی وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے، یہ تمام الفاظ اس کے باپ نے محض تواضع کے طور پر لکھے ہیں[1]

۶۶ ——— اور آیت ختم نبوۃ کی تیسری تحریف قادیانی نے حقیقۃ الوحی ص ۹۷، ۲۸ میں ایجاد کی ہے کہ خاتمِ نبوت، نبوت کو بند کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اسے جاری کرنے کے لیے ہے) (چنانچہ صفحہ ۲۸ پر لکھتا ہے: "اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں، ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی حاصل ہو سکتی ہے۔" اور صفحہ ۹۷ پر لکھتا ہے:

۱؎ اشد العذاب ص ۲۰ بحوالہ اخبار الحکم ۲۱ اپریل ۱۹۱۲ء ہیڈ بل ۳ منہ

"اللہ جلّ شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحبِ خاتم بنایا۔ یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لیے مُہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی، اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا، یعنی آپ کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہِ روحانی "نبی تراش" ہے، اور یہ قوتِ قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی"

حالانکہ محاوراتِ لغت میں لفظِ خاتم، خواہ تا کے کسرہ کے ساتھ ہو جس کے معنی ختم کنندہ کے ہیں، یا تا کے فتحہ کے ساتھ ہو، جس کے معنی ہیں "وہ چیز جس سے کسی چیز کو ختم کیا جائے"۔ بہر دو صورت "خاتم القوم" کی ترکیب میں (یعنی جبکہ یہ لفظ کسی جماعت کی طرف مضاف ہو) "آخری فرد" کے سوا کسی اور معنیٰ کے لیے نہیں آتا، اور علمائے لغت نے تصریح کر دی ہے کہ جب یہ لفظ کسی قوم کی جانب مضاف ہو تو خواہ فتحہ کے ساتھ ہو یا کسرہ کے ساتھ، اس وقت اس کے ایک ہی معنی ہوتے ہیں یعنی "اس قوم کا آخری فرد"۔

اور اصلِ لغت یہ ہے کہ "خاتِم" بالکسر کے معنی ہیں "انجام و اختتام تک پہنچانے والا" کیونکہ اسم فاعل صیغۂ صفت ہے، اور "خاتَم" بالفتح کے معنی ہیں: "وہ شخص یا چیز جس کے ذریعہ کسی شیئے کو انجام و اختتام تک پہنچایا جائے"۔ کیونکہ یہ اسم ہے نہ کہ صفت، جیسا کہ علمائے صرف پر مخفی نہیں (آیت میں فتحہ اور کسرہ کی دونوں قرائتیں متواتر ہیں۔ خاتِم بھی، اور خاتَم بھی۔) اور حاصل دونوں قرأتوں کا ایک ہی ہے یعنی "آخری نبی" یا "انبیاء کرام کی جماعت کا آخری فرد" اور بس۔ اس کے علاوہ باقی سب تعبیرات فروعی ہیں۔

پس اصل معنیٰ کا ترک کر دینا ناروا ہے، اور فروعی تعبیرات کی نہ کوئی اہمیت ہے، نہ ان کا کوئی ضرر ہے۔ اِلّا یہ کہ حق تعالیٰ نے (مرزا قادیانی کی طرح) کسی شخص کو ہدایت سے محروم و بے توفیق کر دیا ہو۔ اور (یہ جو ہم نے کہا کہ دونوں قراءتوں کا ایک ہی حاصل ہے) یہی مطلب ہے اس قول کا جو بعض مفسرین نے امام لغت ابو عبیدہؒ سے نقل کیا ہے کہ "خاتم بالکسر اصل ہے"۔ یعنی اس مقام میں مرجع مراد، اور ملک علّام کے کلام کا حقیقی مقصد

۴۰

مدعا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے ختم کنندہ ہیں۔ اور ابوعبیدہ کا یہ قول "کیونکہ آیت کی تاویل یہ ہے کہ آپؐ نے ان کو ختم کر دیا۔ لہٰذا آپؐ ان کے خاتم ہیں"۔ (یہاں تاویل کے لفظ سے کسی کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ) "تاویل کے معنیٰ اہل لغت کی اصطلاح میں "ظاہر سے ہٹانے" کے نہیں، بلکہ تخریج وجہ اور مآل مراد کے بیان کرنے کے ہیں۔ فی الجملہ ابوعبیدہؒ کی مراد یہ ہے کہ دونوں قرائتیں اشتقاق اور مدلول کے لحاظ سے مشترک ہیں۔ معالم التنزیل میں آیت خاتم النبیین کی تفسیر میں لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعہ نبوت کو ختم کر دیا، امام عاصم کی قراءت میں خاتَم بفتح تا بطور اسم ہے۔ یعنی "آخری نبی" اور دوسروں کی قراءت میں خاتِم بکسر تا، صیغہ اسم فاعل ہے کیونکہ آپؐ نے نبیوں (کی تعداد) کو ختم کر دیا۔ لہٰذا آپ ان کے ختم کنندہ ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ اگر مجھے آپؐ کے ساتھ نبیوں (کے سلسلہ) کو ختم نہ کر دینا ہوتا تو میں آپؐ کو ایسا بیٹا عطا کرتا جو آپ کے بعد نبی ہوتا۔"

یہی مضمون عامۂ تفاسیر میں ذکر کیا گیا ہے، حتیٰ کہ جلالین جیسی مختصر تفاسیر میں بھی۔

۴۷ ______ اور چونکہ آیت میں لفظ خاتَم (بفتح تا) بمعنی ما یختم بہ الشیٔ ہے (یعنی جس کے ذریعہ کسی چیز کو ختم کیا جائے) اس لیے اگر کسی نے خاتَم کے معنیٰ مُہر کے لیے تو چنداں خلاف تحقیق نہیں گیا (کیونکہ مہر لگا کر بھی کسی چیز کو ختم کیا جاتا ہے) پھر قرآن کریم کی عبارت میں یہ تو نہیں کہ آپؐ مُہرِ نبوت ہیں (بلکہ یہ ہے کہ آپؐ نبیوں پر مُہر ہیں) اور یہ بھی نہیں کہ آپؐ صاحب مُہر ہیں، جو کہ مُہر لگانے والا ہوتا ہے۔ بلکہ (آیت میں تو یہ ہے کہ) آپ کی ذات گرامی خود مُہر ہے جو دوسروں پر۔ اور وہ انبیاء سابقین ہیں۔ لگا دی گئی۔ (پس صاحب مُہر آپؐ نہ ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعہ سلسلۂ انبیاء پہ مُہر لگا کر اسے ختم کر دیا) بہرحال اس کے اصل معنیٰ ہیں "انجام تک پہنچا دینا" اور اس کے تمام فروعی معنیٰ اس حقیقت سے معرّا نہیں۔

۴۸ ______ مرزا کرامات الصادقین ص ۱۹ میں لکھتا ہے:

"پس یہ خیال کہ گویا جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے بارے میں فرمایا ہے اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔ بدیہی البطلان" حالات قادیانی ص۴۲

(گویا قرآن کے علوم و معارف، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مرزا قادیانی نے بیان کیے ہیں۔ نعوذ باللہ من الحمق والغوایۃ)

۶۹ ـــــ اور جب کہ مرزا نے شریعت[1] اور تجدید احکام کا دعویٰ بھی کیا ہے، جس کی نوعیت مجددینِ اُمت کی تجدید جیسی نہیں، تو ساری تاویلات ہاتھ سے نکل گئیں، اور فراغِ کُلی حاصل ہوگیا۔ دیکھئے۔ اشد العذاب ص ۴۸ (اربعین ص۴ ص۶ متن و حاشیہ) اور "انعکاس" جو مرزا کی چوتھی تحریف ہے، اشد العذاب ص۴۱، اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" مصباح العلیہ اور اوائل حواشی نزول المسیح میں دیکھی جاسکتی ہے۔

۷۰ ـــــ اور جس حالت میں کہ اس نے حقیقی شریعت کا دعویٰ کیا ہے، خواہ نئی شریعت نہ سہی، پھر یہ بھی کہتا ہے کہ قرآن کی تفسیر اور قبول حدیث کا مدار اس کی وحی پر ہے، نہ کہ اس تواتر پر جو صدرِ اوّل سے آج تک چلا آتا ہے اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم، دجال، یاجوج و ماجوج اور دیگر بعض امور کی حقیقتِ واقعیہ کما ہی منکشف نہیں ہوسکی[2]، جیسا کہ اس شقی پر منکشف ہوئی ہے۔ ان تمام حالات میں اس کی تجدید دیگر مجددینِ دین کی مثل نہ رہی۔ اور اسے تمام قیود سے سبکدوشی اور فراغِ کلی حاصل ہوگیا۔ یہ وہی مثل ہوئی کہ "میں کہتا ہوں، تم لقمے گنو" اگرچہ اس نے "شریعتِ جدیدہ" کا دعویٰ لفظی طور پر نہیں کیا، لیکن اس کا مصداق وصول کرالیا۔

ع "چھپ کر پیو شراب کہ قاضی کا خوف ہے"

۷۱ ـــــ نیز معلوم رہے کہ اس نے شریعت کا دعویٰ اُن علماءؒ کے مقابلہ میں کیا ہے جو آئندہ کسی شریعت کی آمد کو ناممکن فرماتے تھے، اور ان کی گفتگو شریعتِ جدیدہ ہی میں تھی۔ اس لیے کہ شریعت سابقہ جو پہلے سے موجود ہے، اسی کا مکرر آجانا، یا وحی سابق کے الفاظ کاٹ چھانٹ کر نئی وحی بنا لینا، جیسا کہ یہ ملحد کرتا ہے، ایک بے مقصد بات

[1] توضیح مرام ص۹-۱۰ میں مرزا لکھتا ہے کہ نبوت تامہ اس کے نزدیک وہ ہے۔ جس میں شریعت ہو۔ منہ

[2] ازالہ اوہام ص ۲۸۲ طبع پنجم

ہے جو کوئی نتیجہ نہیں رکھتی۔ پس ان حضرات کے مقابلہ میں اس کا دعویٰ شریعت کرنا شریعتِ جدیدہ کے دعویٰ کو مستلزم ہے۔ (علماء فرماتے تھے کہ نئی شریعت نازل نہیں ہوسکتی، مرزا نے کہا مجھ پر نازل ہوئی ہے، بتلایئے یہ شریعتِ جدیدہ کا دعویٰ ہوا یا نہیں؟) علاوہ ازیں یہ ملحد کہتا ہے کہ جہاد میرے آنے سے منسوخ ہوگیا، اور آئندہ حج قادیان کی طرف ہوا کرے گا۔ اور جو شخص قادیان کا چندہ ادا نہ کرے وہ اس کی بیعت سے خارج ہے، جو اس کے نزدیک خروج عن الاسلام کے مترادف ہے، پس زکوٰۃ سب چندۂ قادیان میں منحصر ہوگئی۔ دیکھئے کادیہ ص ۹، (بتایئے نئی شریعت اور کس کو کہتے ہیں؟)

۴۲ــــ اور یہ بھی معلوم رہے کہ مجدّدِ دین کی تجدید کی مثال ایسی ہے جس طرح کہ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ سے ایمان کی تجدید کی جاتی ہے۔ یعنی دین کی مٹی ہوئی باتوں کو از سرِ نو تازہ کر دینا۔ یہ نہیں کہ وہ دینِ متین میں کوئی اضافہ کرتے ہوں۔ (اس کے برعکس مرزا نے ارکانِ ایمان میں اپنی نبوت و مسیحیت اور وحیٔ قطعی پر ایمان لانے کا اضافہ کر دیا، اور دین کے بیسیوں اعمال و عقائد میں ترمیم و تنسیخ کر ڈالی۔ ظاہر ہے کہ اس کو تجدید نہیں کہہ سکتے، بلکہ یہ تو نئی شریعت اور نیا دین ہوا۔)

۴۳ــــ اور یہ بھی معلوم رہے کہ شریعت کا جدید ہونا یا نہ ہونا یہ دو قسمیں تو قابلِ فہم تھیں، لیکن اس ملحد نے ایک تیسری قسم ایجاد کی ہے کہ وہ صاحب شریعت ہے، لیکن وہ شریعت بطور تجدید ہے نہ کہ جدید۔ (شریعت کی ایک نئی قسم شریعتِ تجدید ایجاد کرکے) اور اس کا نام بھی شریعت رکھ کر اس نے صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اس نئی قسم کی شریعت کا فتویٰ یہ ہے کہ جب تک کہ اس ملحد کی اتباع کا واسطہ نہ ہو (دین اسلام کی پیروی) موجب نجات نہیں ہے، بلکہ آدمی کافر رہتا ہے۔ پس (جبکہ اس نئی قسم کی شریعت کا حکم بھی وہی ہے جو شریعتِ جدیدہ کا ہے تو) شریعت تجدید اور شریعتِ جدیدہ کا فرق یکسر درہم برہم ہوگیا، اور (مرزا کا یہ کہنا کہ میں نے شریعت کے ایک شوشے کو بھی منسوخ نہیں کیا، یہ) منسوخ کرلے یا نہ کرنے کی بات سب بے معنی

ہوتی (کیونکہ جب مرزا کی "شریعتِ تجدید" نے یہ اصول طے کر دیا کہ "شریعتِ محمدیہ" کی اتباع موجب نجات نہیں، بلکہ مرزا کی "شریعت تمہدیہ" کی اتباع میں نجات منحصر ہے اور اس کا منکر کافر ہے تو "شریعت محمدیہ" کالعدم اور معطل ٹھہری' اس کے باوجود مرزا کا یہ کہنا کہ "میں نے شریعت محمدیہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی' اور نہ اس کے کسی حکم کو منسوخ کیا" محض ابلہ فریبی نہیں تو اور کیا ہے ؟)

اور جس طرح کہ وہ عموماً اپنے کلام کے نتیجہ و مآل کو نہیں سمجھتا بلکہ اندھوں کی طرح چلتا ہے۔ اسی طرح اس نے یہاں بھی ایک حرف تک نہیں سمجھا۔ (بس یونہی اندھا دھند شریعت بطور تجدید' کا دعویٰ ہانک دیا) اور تقدیر مبرم نافذ ہے کہ فہم اس سے سلب ہو چکا ہے اور اس کی تعلیم میں کوئی چیز ایسی نہیں پائی جاتی جس میں خبط و خلط اور تناقض و تہافت نہ ہو، جو کہ کسی صحیح الدماغ سے وقوع پذیر نہیں ہو سکتا، پس اس کے الہام و دعاوی سے ہی نہیں بلکہ اس کی لیاقت و قابلیت سے بھی ہاتھ دھو لیجئے۔ واللہ الہادی۔

۴ ــــــ اور حقیقۃ الوحی ص ۷۰ میں دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے یہ ساری نعمت شکمِ مادر ہی میں وصول کر لی تھی۔ گویا اتباع وغیرہ محض کہنے کی بات ہے نہ کرنے کی۔ اور تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۸ اور تریاق القلوب ص۳۷۹ مطبوعہ ۱۹۲۲ء میں اور ہی نغمہ الاپا ہے۔

۵ ــــــ پس آیت: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ختمِ انبیاء اور ختمِ نبوت کے اعلان کے لئے نازل ہوئی ہے اور اس امر کا اعلان کرتی ہے کہ اب آپ کے بعد کسی اور نبی کا انتظار نہیں ہے، جیسا کہ قبل از یں انبیاءِ سابقین میں سے ہر پہلا نبی اپنے بعد آنے والے نبی کی خبر دیتا رہا ہے (اب بجائے اس کے ختمِ نبوت کا اعلان کر کے بتا دیا گیا کہ آئندہ کسی نئے نبی کی آمد منتظر نہیں ہے) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی کے ساتھ ابوت کا تعلق نہیں رکھتے، بلکہ اس کے بجائے رسالت و ختمِ نبوت کا علاقہ رکھتے ہیں' کہ یہ تعلق دائمی ہے۔ اور یہ کلام بذاتِ خود مربوط ہے، اس کا ربط ابوتِ معنویہ کے اثبات پر موقوف نہیں، جیسا کہ قراءتِ شاذہ میں (وھو اب لھم) آیا ہے، کیونکہ کسی شاذ پر مدار نہیں رکھنا چاہیئے۔ اور شاید مردوں کی تخصیص اس امر کے پیشِ نظر ہے کہ بچوں

اور عورتوں میں نبوت نہیں۔ اس لیے صرف مردوں ہی کا ذکر کرنے کی حاجت تھی۔ اور "اَحَدٍ مِّن رِّجَالِکُمْ" میں تنکیر سے مدعا یہ ہے کہ اپنی جانب سے گھر بیٹھے حصے مت لگاؤ کہ آپؐ فلاں کے باپ ہیں یا فلاں کے۔ نہیں! آپؐ تم میں سے کسی ایک کے بھی باپ نہیں ہیں۔ اس لیے ان خیالات کو یکسر چھوڑ دو، اور فلاں فلاں کے نام مت لو۔

۶۔ ——— اور انبیاءؑ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا آپؐ کے مخصوص فضائل و کمالات میں سے خود آپؐ کا اپنا ذاتی کمال ہے، (اس کا حصول) امت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا (جبکہ مرزائی عقیدے کے مطابق آپؐ کا خاتم ہونا مرزا کے "اُمتی نبی" ہونے پر موقوف ہے ورنہ آپ کی خاتمیت نعوذ باللہ باطل ہو جائیگی) اور اُمت کا آپؐ سے صرف اتنا تعلق بھی کافی نہیں کہ آپؐ کے کمال خاتمیت کا اعتقاد رکھا جاوے، (بلکہ آپؐ کی خاتمیت اُمت سے عملی تعلق کا تقاضا کرتی ہے اور وہ ہے تاقیامت آپؐ کی رسالت و نبوت سے وابستگی) کیونکہ آیت کی غرض یہ ہے کہ اُمت سے آپؐ کا رشتہ ابوت ٹوٹ چکا ہے اور اس کے بجائے رسالت و نبوت کا رشتہ ہمیشہ کے لیے پیوستہ ہو چکا ہے۔ پس جیسا کہ اُمت سے آپؐ کی ابوت کلی طور پر منقطع ہے۔ اسی طرح آپؐ کے بعد نبوت کا وجود بھی کلی طور پر منقطع ہونا چاہیے۔ آپؐ کی اکملیت کا اعتقاد تو ایک امرِ ذہنی ہے جو آئندہ نئی نبوتِ تشریعیہ کے بھی منافی نہیں (پس آپؐ کی خاتمیت کا اعتقاد کافی نہ ہوا) بلکہ معتدبہ تعلق، عملی تعلق ہے۔ بلکہ یہ اعتقاد تو اس امر کے بھی منافی نہیں کہ اعتقاد کنندہ (آپؐ کی اُمت میں بھی داخل نہ ہو بلکہ اس) کا شمار کسی اور نبی کی اُمت میں ہو، جیسا کہ اُمم سابقہ بھی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، کی اکملیت کا اعتقاد رکھ سکتی تھیں[۱]

---

[۱] مرزائی لوگ کہا کرتے ہیں کہ خاتم النبیین کے معنی "اکمل النبیین" ہیں، مندرجہ بالا عبارت میں مصنف امامؒ نے ان کے اس الحاد کو ردّ فرمایا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اوّل تو یہ آیت کے مدعا کے خلاف ہے۔ پھر یہ معنی نئی نبوت تشریعیہ آنے کے بھی منافی نہیں پس اگر خاتم النبیین کے معنی

۲۷ ـــــ اور ارشاد خداوندی وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ اَلآیۃ (۱) میں جس اخذِ میثاق کا ذکر ہے اس کی تفسیر میں دو احتمال ہیں) یا تو اس سے رسولوں کے حق میں انبیاء کرام سے اطاعت و فرمانبرداری کا عہد لینا مراد ہے کہ یہ امر بہت ہی اہم اور مہتم بالشّان ہے اور یا (اس سے مراد) انبیاء بنی اسرائیل سے بنو اسماعیل کے خاتم النّبیّینؐ کے حق میں عہد لینا اور انہیں اس امر سے آگاہ کرنا ہے کہ نبوّت بنو اسرائیل سے بنو اسماعیل کی جانب منتقل ہو جائے گی، کہ یہ امر بھی نہایت اہم ہے۔ یہ اخذِ عہد اس واقعہ کے مشابہ ہے کہ فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السّلام کی خلافت کی پیشگی اطلاع دے کر انہیں اطاعت کا حکم دیا گیا۔ لیکن (ان دونوں احتمالوں میں سے مؤخر الذکر تفسیر زیادہ راجح ہے، کیونکہ) لفظ "النّبیّین" کو جمع اور، لفظ "رسول" کو مفرد لانا۔ نہ کہ بلفظِ جمع "رسل" معرفہ یا نکرہ موصوفہ۔ اور ثُمَّ جَآءَکُمْ میں اس رسول کی آمد کو کلمۂ "تراخی" "ثُمَّ" سے ذکر کرنا تفسیرِ ثانی کا مؤید ہے۔

ظاہر آیت نے تمام نبیوں کو ایک طرف رکھا ہے اور ان سب کے بعد آنے والے رسول کو دوسری طرف۔ اور لفظ "ثم" سے معلوم ہوا کہ "وہ رسول" تمام انبیاء کرام کے بعد آئے گا، یہ نہیں کہ یہاں انبیاء کرام کے درمیان وقتاً فوقتاً آنے والے رسولوں کا تذکرہ ہو۔ اور لفظ "مصدّق" سے معلوم ہوا "وہ رسول" انبیاء کی جانب مبعوث نہیں ہوگا، بلکہ اپنے تمام پیشرو انبیاء کرام کی تعلیم کی تصدیق کرنے والا ہوگا، انبیاء کرام سے جو عہد و قرار لیا گیا اس سے اصل مقصود ان کی اُمتوں کو بتانا اور آگاہ کرنا ہے کہ اس عظیم الشان رسول کی آمد کے وقت ضائع نہ ہو جائیں، اور (ان کو لازم ہے کہ) قومی امور و معاہدات میں بعض کو قائم مقام کل کے تصور کریں، پس حضرت عیسٰی علیہ السلام کا آپؐ کے زمانہ کو) پالینا (اور بعد از نزول آپؐ کی تصدیق و اتباع کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی نیابت کے لیے) کافی ہے۔ اور شاید تواتر و رسولِ لاحق کا رسول و نبیّ سابق پر (اور ایمان) اکمل النبیّین کے نہ ہوں تو گویا صرف یہی نہیں کہ معاذ اللہ آپ کے بعد نیا نبی آسکتا ہے بلکہ نئی شریعت بھی اُتر سکتی ہے۔ نئی اُمّت بھی بن سکتی ہے اور نیا دین بھی تبدیل ہو سکتا ہے۔

---

(۱) آل عمران : ۸۱

معنیٰ کہ رسولِ متأخر کی آمد متقدم کی حیات میں ہوتی ہو، اور دونوں نے ایک دوسرے کی تصدیق کی ہو۔ ایسا توارُد حضرت عیسٰی علیہ السلام اور) حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور جگہ نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے (شاید اسی مقصد کے لیے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر زندہ) اُٹھا لیا۔ (تاکہ وہ آخری زمانہ میں نازل ہو کر تمام انبیاء کرام کی جانب سے آنحضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں، اور میثاق النبیین میں جس ایمان و نصرت کا انبیاء علیہم السلام سے عہد و قرار لیا گیا تھا وہ اپنی ظاہری شکل میں بھی پورا ہو جائے۔ ہرچند کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اپنے ساتھ اس قدر داخلی دلائل و شواہد رکھتی ہے کہ ان کے بعد کسی خارجی شہادت کی ضرورت نہیں رہ جاتی، تاہم یہ چاہا گیا کہ آپؐ کی تصدیق خارج سے بھی ہو، کیونکہ) جو تصدیق کہ خارج سے ہو وہ (بداہتہً) اولیٰ و اَنسب ہے بہ نسبت تصدیقِ داخلی کے۔ (چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا مصدّق بن کر ان سب کے لیے تصدیقِ خارجی مہیا کی، اور ان سب حضرات کی جانب سے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے آپؐ کی تصدیق کر کے "تصدیق از خارج" مہیا کر دی۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء سابقین کے مصدِّق بھی ہیں اور مصدَّق بھی) اور (چونکہ) یہ وصفِ مُصدِّقیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا مشہور وصف ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے (اس سے واضح ہے کہ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات گرامی ہے، اور آپؐ ہی کے حق میں تمام انبیاء کرامؑ سے ایمان لانے اور نُصرت کرنے کا عہد لیا گیا) اور یہی تفسیر متبادر ہے اس آیت کی دوسری قراءت: واخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب سے کہ تمام اہل کتاب کو ایک جانب رکھا اور اس رسول کو دوسری جانب۔ (خلاصہ یہ کہ آیت میں دو قراءتیں ہیں، ایک قراءت میثاق النبیین کی ہے) اور دوسری قراءت میں واذاخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب آیا ہے اور جانتے ہو کہ تعدُّدِ قراءت، بلاغت کے مختلف اعجازی نکات کے سبب ہوتا ہے، کیونکہ وہ تمام نکات ایک عبارت میں جمع نہیں ہو سکتے۔ پس ان کے تعدّد کی

وجہ سے تعدّدِ قراءت رُونما ہوجاتا ہے۔

پس (جب یہ ثابت ہؤا کہ خاتم النّبیّین کے معنیٰ "آخری نبی" کے ہیں تو) آخر کیا وجہ ہے کہ ہم آیت کے ظاہری اور کھلے کھلے معنی سے ہٹ کر تاویل رکیک کا رُخ کریں ؟ ظاہری معنی کے چھوڑنے پر کونسی دلیلِ قطعی قائم ہوئی ہے ؟ نفسانی خواہش کے بے سرو پا خیالات پر ایمان رکھنا مومن کا کام نہیں ہے۔

۸۔۔۔۔۔۔ اور (خاتم النّبیّین کی ترکیب) "یوسفُ احسنُ الاخوۃ" اور فلانٌ اعلمُ بغداد" کی ترکیب جیسی بھی نہیں جس میں مضاف الیہ بمعنٰی مفعول بہ نہیں ہوتا، اور حسن و علم بھی مطلق ہیں (بخلاف اس کے "خاتم النّبیّین" میں مضاف الیہ مفعول بہ کے معنٰی میں ہے۔ اور لفظ "خاتم النبیین" سے جس مضمون کو ادا کیا گیا ہے) ایسے موقعوں پر اصل اور معروف کلام یوں تھا کہ "آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ابوت منقطع اور نبوت دائم ہے"۔ مگر دوامِ نبوت کو لفظِ ختم سے تعبیر فرمایا گیا تاکہ دوام نبوت کی دلیل بھی ساتھ کے ساتھ پیش کر دی جائے، کیونکہ آپؐ کی نبوت کے "تا قیامت دائم رہنے کی علت یہی تو ہے کہ آپؐ پر نبوت ختم اور سلسلۂ انبیاء کا اختتام ہو چکا۔ پس یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس نے آپ کی نبوّت کے دوام اور اس کی علت دونوں کو ایک لفظ "خاتم النّبیّین" میں بیان فرما دیا) پس خود اسی لفظ میں بحثیں پیدا کرنا فہم مقصود سے کوسوں دور ہے، ورنہ (اگر لفظ "خاتم النبیین" سے آپ کی نبوّت کے دوام کا بیان کرنا منظور نہ ہوتا، صرف ایک فضیلت و منقبت کا اظہار مقصود ہوتا تو) جس طرح کہ اصلِ رسالت کا ذکر کیا تھا۔ اسی طرح اصل نبوت کو ذکر کرتے اور مثلاً اس قسم کے الفاظ فرماتے: ولکن رسول اللہ ونبیاً من المقربین، جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں ابن مسعودؓ کی قراءت ولکن نبیاً ختم النبیین نقل کی ہے۔

۹۔۔۔۔۔۔ اور کسی خاص فرد کے لحاظ سے نہیں بلکہ مجموعی اُمّت کے اعتبار سے اگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو آپؐ کی ابوت معنویہ کا لحاظ کرتے ہوئے باپ کہا جاتا تو اس کی گنجائش ہوسکتی تھی۔ جیسا کہ ازواج مطہرات کے لیے اُمّ المومنین کا محاورہ رائج ہے۔ مگر یہ محاورہ بھی

چونکہ صورۃً خلافِ مقصود کا وہم دلاتا تھا، اس لیے رائج نہیں ہو سکا۔ چنانچہ عقیدۃ الاسلام (ص ۲۰۱ طبع اول) میں اکلیل سے منع نقل کیا ہے۔

۸۰ ـــــ آیت کی مراد یہ ہے کہ جس طرح آپؐ بیٹا نہیں چھوڑیں گے۔ اسی طرح دوسرا نبی بھی نہیں آئے گا، اور جس طرح آپؐ خلف چھوڑ کر نہیں جائیں گے اسی طرح دوسرا پیغمبر بھی نہیں آئے گا جو آپ کا خلیفہ ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطور رکنیت "کسی مرد کے باپ" نہیں، بلکہ آپؐ بطورِ لقب رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں۔ اس لیے یہ نہیں فرمایا: "ولٰکن رسول اللّٰہ و نبیاً خاتم النّبیّین" کیونکہ یہ پورا عنوان، لقب نہیں تھا، گویا قرآن مجید نے اصحابِ جُمل کی طرح لقب ارشاد فرمایا ہے۔

اور یہ لقب محض تأخرِ زمانی کی بناء پر اتفاقی نہیں ہے بلکہ کسی اہم خصوصیت کا آئینہ دار ہے۔ یعنی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری زمانہ میں تشریف لائے۔ محض اس تأخرِ زمانی کو بتانے کے لیے یہ لقب نہیں ہے، بلکہ مرادِ الٰہی یہ ہے کہ ہم نے سلسلۂ نبوت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا۔ اور سلسلۂ انبیاء کی آخری حد آپؐ کی ذات کو ٹھہرانا محض اتفاقی نہیں، جو مفضول کے لیے بھی ہو سکتی تھی، بلکہ یہ کسی اہم ترین خصوصیت کی بناء پر ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں پائی جاتی ہے۔

۸۱ ـــــ اور واضح رہے کہ رسول اور نبی کے درمیان منقّح فرق وہی ہے جو اکثر علماء نے بیان فرمایا ہے اور جو پہلے گذر چکا ہے اور حقِ لغت کا تقاضا بھی یہی ہے، کیونکہ "رسول" کے معنی ہیں "فرستادہ اور پیغام لے جانے والا" اور ظاہر ہے کہ فرستادۂ خداوندی کو کتاب یا احکام شرعیہ کے سوا اور کیا چیز دے کر بھیجا جائے گا؟ اور "نبی" کے معنی ہیں خبر دہندہ، جو وحی قطعی کے ذریعہ خبر دیتا ہو، اگرچہ جدید شریعت نہ رکھتا ہو اور اس کا وظیفہ اُمت کی سیاست و نگہداشت ہے۔ چنانچہ حدیث میں انبیاء بنی اسرائیل کا اُن کی سیاست و نگہداشت کرنا ذکر فرمایا ہے[1] اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ ایک نبی گذرا تو اس کے ساتھ ایک ہی دو آدمی تھے۔ اور ایک نبی گذرا تو اس کے ساتھ ایک بھی آدمی نہیں تھا۔[2] یہ

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۲۰ [2] مشکوٰۃ ص ۴۵۲، بحوالہ بخاری و مسلم

حدیث بھی اس مضمون پر دلالت رکھتی ہے کہ نبی کا وظیفہ اور اس کا تعلق اپنی اُمّت کے ساتھ کیا ہوتا ہے لے

۸۲۔۔۔۔۔۔اور یہ مقولہ کہ "حضرت شاہ عبدالعزیزؒ خاتم المحدثین تھے" (اس پر قیاس کرتے ہوئے قادیانیوں نے کہا ہے کہ جس طرح شاہ عبدالعزیزؒ کے خاتم المحدثین ہونے کے یہ معنی نہیں کہ ان کے بعد کوئی محدث نہیں، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اس کا جواب ہے کہ اس مقولہ میں بھی خاتم المحدثین بمعنی "آخری محدث" ہی کے ہے مگر) اس اطلاق اور محاورے کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص خصائص اور کمالاتِ مخصوصہ کا ختم کنندہ ہوتا ہے، پس ان خاص کمالات کے ختم کا لحاظ کرتے ہوئے اس پر خاتم کا اطلاق کر دیتے ہیں، پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ ہے کہ اطلاق کنندہ کو نہ تو زمانۂ مستقبل کے حال کی تحقیق ہوتی ہے، نہ مستقبل کا علم ہوتا ہے، نہ اسے غیب کا علم ہے، نہ پردۂ غیب میں جو کچھ پوشیدہ

لے اور 'فتوحات' میں جو کچھ لکھا ہے وہ منتشر اور غیر منقح کلام ہے، اکثر جگہ تو انھوں نے یہ کہا ہے کہ "نبی بھی شریعت رکھتا ہے، مگر وہ اس کی ذات سے مختص ہوتی ہے"۔ لیکن حضرت ہارونؑ کے حق میں اتنی بات بھی تسلیم نہیں کی۔ اور ایک جگہ کہا ہے کہ "نبی کی شریعت دوسروں کے حق میں واجب نہیں، بلکہ ان کے اختیار پر ہے"۔ اور نوحؑ سے قبل کے انبیاء کو کسی رسول کے ماتحت نہیں رکھا۔ اور اس انتشار کلام کا سبب یہ ہے کہ شریعت نہ ہونے کی صورت میں شیخ کو نبی کی کوئی خدمت نظر نہیں آتی۔ اور اسی وجہ سے انھوں نے نبوت کی ایک نئی قسم "نبوت غیر تشریعی بمعنیٰ ولایت" نکالی۔ حالانکہ نبی کی جو خدمت متن میں ذکر کی گئی ہے وہ ایک عظیم خدمت اور جلیل القدر وظیفہ ہے، اور علماء جو نبی کے لیے غیر تشریعی نبوت کے قائل ہیں، وہ اس قسم کے نکلنے اور اس کو ولایت کے معنی میں لینے سے مستغنی ہیں، اور کتبِ سماویہ کے عرف سے اور انبیاء بنی اسرائیل۔ جو شریعتِ موسوی کے پیرو تھے اور وحی کے ذریعے اُمّت کی سیاست اور اخبار کرتے تھے۔ ان کے حالات سے بھی یہی بات مفہوم ہوتی ہے۔ پس اس کو خوب یاد رکھو اور دعا میں ہمیں نہ بھولو منہ

۵۰

ہے، اس کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، بلکہ وہ صرف اپنی معلومات اور وقتی علم کے اعتبار سے بطورِ مسامحت و سہل انگاری کے، اس بات پر اعتماد کرتے ہوئے کہ اس کا مخاطب اس کی مراد کو سمجھ جائے گا یہ فقرہ استعمال کرتا ہے اور بشر کبھی نا تمام بات بھی کہہ دیتا ہے اور تمام قیود و شرائط کا احاطہ نہیں کرتا۔ چونکہ اظہارِ خصوصیت کی حاجت تھی اس لیے محاورہ بنا لیا تاکہ اس خصوصیت کو ختمِ زمانی کے بغیر بھی ادا کر سکیں۔

۸۳ —— نیز یہ کہنا تو معقول ہے کہ فلاں عالم، فلاں کے مقابلہ میں لائقِ شمار اور قابلِ اعتبار نہیں، مگر یہ کہنا کہ "فلاں نبی، فلاں کی بہ نسبت کوئی اعتبار نہیں رکھتا" یہ نہ تو معقول ہے، نہ رائج ہے (کیونکہ اس محاورہ کے معنی یہ ہیں کہ فاضل کے مقابلہ میں مفضول کالعدم ہے اور وہ کسی گنتی میں نہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی نبی کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ناقص ہے، یا اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ یا اس کا وجود و عدم برابر ہیں، نہ صرف صریح گستاخی ہے بلکہ کفر ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی: لا تخیروا بین الانبیاء[1] کے ذیل میں علماء نے تصریح فرمائی ہے۔ اور پھر) جس طرح کہ لا الٰہ الا اللہ میں (یہ) تاویل نہیں (ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا تو ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ کیونکہ یہ تاویل نہ صرف شرک ہے بلکہ اس میں منصبِ الوہیت کی بھی توہین ہے۔ اسی طرح خاتم النبیین میں، جس کی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لا نبی بعدی کے ساتھ فرمائی ہے، یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ آپؐ کے بعد نبی تو ہیں، مگر وہ اس قدر بونے اور پست قد ہیں کہ آپؐ کے مقابلہ میں ان کا وجود و عدم برابر ہے۔ کیونکہ مسئلہ الوہیت کی طرح یہاں بھی اوّل تو ختمِ نبوت کا انکار ہے جو صریح کفر ہے، دوم منصبِ نبوت کی اہانت ہے اور یہ بجائے خود کفر ہے، بخلاف اس فقرہ کے کہ "شاہ صاحب خاتم المحدثین تھے" یہاں تاویل صحیح ہے، کیونکہ یہ کہنا بجا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے مقابلہ میں بعد کے تمام محدثین طفلِ مکتب ہیں اور بوقتِ مقابلہ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک فقرہ ایک جگہ استعمال کیا جائے تو صحیح ہے اور اسی نوعیت کا فقرہ دوسری جگہ استعمال کیا جائے تو غلط ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ)

---

[1] مشکوٰۃ صد ۵۰۷۔

اس قسم کے امور میں اصل مدار محاورہ کے جاری ہونے پر ہے، محض قیاس پر نہیں اگرچہ (کسی محاورہ کے صحیح ہونے کے لیے) جزئی علاقہ کا ثبوت ضروری نہیں، لیکن نوعِ علاقہ کا ثبوت بھی کافی نہیں۔ بلکہ اصل مدارِ ذوق اور استقراء پر ہے۔

ع "ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد"۔ یہ ہے توجیہ اور تخریج اس محاورہ کی۔

۸۴ ـــــ اور پھر یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص محدثی ختم کر گیا۔ اب اس جیسا کوئی دوسرا محدث نہیں آئے گا، مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شخص نبوت ختم کر گیا، اب اس جیسا کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ کیونکہ پہلی چیز فضائل کسبیہ میں سے ہے، اور اس میں اشتراک بکثرت ہے، خود ممدوح کے زمانہ بھی بہت سے لوگ اس کے ساتھ اس فضیلت میں شریک ہوں گے، پس لوگ فرق مراتب پر نظر رکھتے ہیں اور مماثل کو تو خاتمیت کے منافی سمجھتے ہیں مگر کم مرتبہ لوگوں کے وجود کو اس کے منافی نہیں سمجھتے، اور اس سلسلہ میں اٹکل اور تخمین سے بات کرنا روا سمجھتے ہیں۔ بخلاف بابِ نبوت کے۔ کہ وہ کمالاتِ وہبیہ میں سے ہے، اس میں ظن و تخمین کے ساتھ بات نہیں کرتے، بلکہ کفِ لسان کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ اِخبار بالغیب کا باب ہے، اس میں اطلاعِ الٰہی کا منتظر رہنا چاہیے اور محض اندازوں اور تخمینوں پر اقدام نہیں کرنا چاہیے۔ پھر یہ (خاتم المحدثین والا) محاورہ بھی نزولِ قرآن کے زمانہ میں رائج نہ تھا۔ بلکہ بعد میں پیدا ہوا، جیسا کہ فاتح المحدثین کا محاورہ اختیار نہیں کیا گیا۔ پس قرآن کریم کو زمانۂ مابعد کے پیدا شدہ محاوروں پر نہیں ڈھالنا چاہیے۔

۸۵ ـــــ اور کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص جود و سخاوت کو ختم کر گیا، مگر یہ نہیں کہتے کہ ولایت و کرامت کو ختم کر گیا۔ کیونکہ یہ رجم بالغیب ہے۔ پس یہ ہے سبیل ان محاورات کی، نہ کہ محض قیاسات و تلبیسات۔ گویا اس نوعیت کے حکم میں حکم کنندہ کے مقام و مرتبہ اور مَبلغِ علم و فہم کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

۸۶ ـــــ اور معلوم رہے کہ اہلِ عرف 'فاتح' اور 'خاتم' دونوں کو نہیں جانتے پہچانتے، الّا یہ کہ اٹکل دوڑائیں اور تخمینہ لگائیں، یا پھر انہیں بعد از وقوع اس کا علم ہوتا ہے، مثلاً

لوگوں نے دیکھا ایک بادشاہ نے سلطنت قائم کی، اسے قومی اقتدار اور اعلیٰ درجہ کی حکمرانی حاصل ہوئی، بعدازاں اس کے جانشین آئے اور انھوں نے اس کی قائم مقامی کی (اور اس کی قائم کردہ سلطنت کا سلسلہ ایک مدت تک قائم رہا) اب اہلِ عرف نے دیکھا کہ یہ منصب بادشاہی سب سے پہلے سلطان اوّل نے کھولا تھا، اس لیے اس کو 'فاتح' کہنے لگے اور 'فاتح' کا یہ علم انہیں بعد از وقوع حاصل ہوا، اور مثلاً انھوں نے کسی شخصیت کو ظن و تخمین سے خاتم کمالات سمجھا تو اسے "خاتم" کہہ دیا، ورنہ بجز شاذ و نادر صورتوں کے انہیں خاتمیتِ حقیقی کا مشاہدہ نہیں ہوتا، پس لفظ 'خاتم' کا اطلاق اکثر و بیشتر اٹکل اور تخمینے کے طور پر کرتے ہیں، بخلاف اطلاقِ 'فاتح' کے، کہ بسا اوقات اس کا مشاہدہ بھی رکھتے ہیں۔ نیز اہلِ عرف کی نظر اس نظامِ کلّی پر نہیں ہوتی جو مجموعۂ کائنات میں جاری و ساری ہے، بلکہ صرف منتشر جزئیات تک محدود ہوتی ہے، کیونکہ انہیں نظامِ کلّی کا علم نہیں، جو حق تعالیٰ نے اس مجموعۂ عالم میں ودیعت رکھا ہے۔

تم جانتے ہو گے کہ اہلِ معقول نے کثرت کے چار مرتبے قرار دیئے ہیں، کُلِّ واحد۔ کثرتِ محضہ جس میں ہیئت اجتماعی ملحوظ نہ ہو، وہ کثرت جس میں ہیئتِ اجتماعی بطورِ عروض ملحوظ ہو، وہ کثرت جس میں ہیئتِ اجتماعی بطور دخول ملحوظ ہو۔ جو کثرت کہ ایک سلسلہ میں منسلک ہو کر وحدت تالیفی رکھتی ہو اہلِ عرف کو اس کے مبداء و منتہا کا اکثر و بیشتر ٹھیک ادراک نہیں ہوتا۔ الّا یہ کہ انہیں تجربہ ہو جائے ورنہ اکثر وہ اٹکل اور تخمین ہی سے کام لیتے ہیں، اس نوعیت کے کثیر منتظم میں 'خاتم' سب سے آخر میں ہوتا ہے۔ مثلاً معمار چونکہ تعمیر کے پورے سلسلہ سے واقف ہے (کہ اس کا آغاز فلاں جگہ سے ہوگا، اور اختتام فلاں جگہ پر ہوگا) اس لیے وہ تعمیر میں اس کی رعایت رکھتا ہے۔ بخلاف دیگر امور کے کہ لوگ ان کے نظام کو نہیں جانتے (اس لیے اس کی کما حقہ قطعی رعایت بھی نہیں رکھ سکتے، بلکہ ظن و تخمین سے کام لینے پر مجبور ہیں) اور نظاماتِ الٰہیہ میں فاتح و خاتم اس طرح واقع ہوتے ہیں، کہ خاتم، خاتم کمال ہوتا ہے

اور اس کی علامت خارج میں ختم زمانی رکھی گئی ہے۔ پس اس ختم نعانی کا — جو امورِ الٰہیہ کے کثیر منتظم میں ختم کمالی پر مبنی ہوتا ہے اور جس سے اہلِ عرف غافل ہیں۔ اچھی طرح وزن کر لینا چاہیے۔ کیونکہ محاورۂ اہلِ عرف اور محاورۂ حضرت حق کا باہمی فرق اسی پر مبنی ہے اور اس کو سمجھ لینے سے قادیانی ملاحدہ کا وہ مغالطہ، جو شاہنشاہ اور شاہانِ ماتحت کی مثال دے کر "نبی ساز" نبی کو اس پر قیاس کرنے سے پیدا ہوتا ہے، از خود درہم برہم ہو جاتا ہے، اور بات کی تہ اور مغزِ سخن پر اطلاع حاصل ہو جاتی ہے۔ واللّٰہ الموفق

۸۷۔ —— پس وحی کی تحقیق کر۔ جو حقیقت الامر سے بال برابر بھی ادھر اُدھر نہیں ہوتی اٹکل بازوں کی اٹکل پر قیاس نہیں کرنا چاہیے، اور نہ طبقۂ وحی کو شاعرانہ خیال آرائی پر محمول کرنا چاہیے۔ اسی وجہ سے فرمایا ہے: "ہم نے آپؐ کو شعر نہیں سکھایا، اور نہ وہ آپؐ کے لائق ہے۔" (سورہ یٰسٓ : ۶۹) شعر سے مراد خیال بندی ہے کہ شاعروں کے محاورات کی دُنیا ہی الگ ہے، اور ان کے محاورات عام لوگوں کے محاورات اور عرفِ عام کی بول چال سے جداگانہ ہیں۔

اور قرآن کا اعجاز جیسا کہ ترکیب میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح مفردات کے انتخاب میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کسی حقیقت کو تعبیر کرنے کے لیے — خصوصاً جبکہ وہ حقیقت مشکلات میں سے ہو۔ ایسا لفظ اختیار کیا جاتا کہ اس جیسا ادنیٰ با لحقیقت لفظ لانا انسانی طاقت سے خارج ہے۔ پس محاورۂ قرآن کریم کو عامیانہ اور سوقیانہ محاورات پر ڈھالنا انتہائی جہالت و حماقت ہے، اور عقائد کے باب کو مدحی تخیلات پر محمول کرنا حد درجہ کی گمراہی اور الحاد ہے۔

۸۸۔ —— نظمِ قرآن میں مدح کے موقعہ پر بھی حقیقت سے تجاوز روا نہیں رکھا گیا۔ قرآن کریم کی روش عامیانہ محاورات و مسامحات کی سی نہیں، اور نہ مقام مدح میں بے اندازہ و بے پیمانہ اٹکل بازی سے کام لیا جاتا ہے، اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہر چیز کی کُنہ سے واقف، اس کی حقیقت سے باخبر اور اس کے حقِ تعبیر سے آگاہ ہیں (کہ اس کو کن الفاظ سے تعبیر کیا جاتے ہ)، بخلاف بشر کے وہ مسکین ان تمام امور سے

سے قاصر ہے۔ اٹکل بازی (مجازفہ) نہ کرے تو کیا کرے ؟ یہ اس کے بس کی بات نہیں کہ کسی طرح کم و بیش نہ کرے، اور کسی چیز کی حقیقتِ واقعیہ کو ٹھیک ناپ تول کر بیان کر دے، اور تقریب و تخمین سے کام نہ لے۔

۸۹ ——— پھر قرآن کریم کی مراد کی تعیین میں اگر اہلِ اجماع پر، جو کہ اہل حل و عقد ہیں۔ اعتماد نہ کیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ کفر و اسلام کی تمیز ہی اُٹھ جائے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا۔ بعد اس کے کہ اس پر امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے رستے ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے جانے کی"۔[۱] "سبیل المومنین" سے مراد اہل ایمان کا اتفاق و اجماع ہے۔ اور ضروریات دین میں تاویل بھی مسموع نہیں، شیخ اکبر فتوحات ص ۲۵۷ ج ۲ باب ۲۸۹ میں فرماتے ہیں۔ "تاویلِ فاسد کفر کی مانند ہے"۔

۹۰ ——— اور سب سے پہلا اجماع جو اس اُمّت میں منعقد ہوا وہ مسیلمہ کذّاب کے قتل پر اجماع تھا، جس کا سبب صرف اس کا دعویٰ نبوت تھا، اس کی دیگر گھناؤنی حرکات کا علم صحابہ کرامؓ کو اس کے قتل کے بعد ہوا تھا جیسا کہ ابن خلدون نے نقل کیا ہے[۲] اس کے بعد قرناً بعد قرنٍ مدعیٔ نبوت کے کفر و ارتداد پر ہمیشہ اجماعِ بلا فصل رہا ہے، اور نبوتِ تشریعیہ یا غیر تشریعیہ کی کوئی تفصیل کبھی زیر بحث نہیں آئی۔

اور شاید مسیلمہ کذّاب نے اپنا مطلب: "وَاَشْرِكْهُ فِىْٓ اَمْرِىْ" سے نکالا ہو گا کہ نبوت میں بھی شرکت ہو سکتی ہے۔ یہی مسیلمہ کذّاب کا دعویٰ تھا اور یہی غلام احمد قادیانی کا دعویٰ ہے[۳] ہمارے پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وسلّم کی مجمل تصدیق تو احادیث

---

[۱] ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی "سورۃ النساء آیت ۱۱۵ [۲] تاریخ ابن خلدون ص ۱۸۸ ج ۲۔
[۳] مسیلمہ کذّاب کہتا تھا کہ مجھے محمدؐ کی نبوت میں شریک کر دیا گیا ہے۔ اور کذّاب قادیان نے کہا کہ "تمام کمالات محمدیہ مع نبوت کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں۔ اس لیے میں بعینہٖ وہی خاتم الانبیاء ہوں گو ظلی طور پر سہی" (ایک غلطی کا ازالہ)۔ مترجم۔

شریف میں دجال سے بھی آئی ہے[1] لیکن محض اتنی بات اس کفر کو دفع نہیں کرتی، بہت سے کافر ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی اور ہمارے دین کی مجمل تصدیق کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی کہتے ہیں کہ ہمارا دین بھی سچا ہے (اسی طرح قادیانی کا ہمارے دین کی تصدیق کرنا بھی دافع کفر نہیں)

۹۱ ــــ حاصل یہ کہ ختمِ کمالات کو لفظِ خاتمیّت کے ساتھ تعبیر کرنا قرآن کریم کا عُرف ہرگز نہیں، قرآن کریم کا عُرف اس باب میں یعنی باہمی تفاضل کے بیان میں وہ ہے جو آیتِ کریمہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ الآیۃ[2] میں اختیار کیا گیا ہے یہی طریق مستقیم ہے اور یہی سادہ اور فطری طرزِ کلام ہے۔ اور (اس کے برعکس) ختمِ کمالات کو بغیر کسی قید لگائے 'خاتم' کہنا تاویل و تخریج (کے تکلف) کا محتاج بناتا ہے اور (مزید برآں یہ کہ یہ زمانۂ نزول قرآن کا عُرف نہیں بلکہ) زمانۂ مابعد کا عُرفِ جدید ہے کہ سوائے محاورہ رائج ہونے کے اس کا استعمال بھی مستحسن نہیں تھا، چہ جائیکہ وہ قرآن مجید میں مراد ہوتا کہ اس سے مغالطہ اندازی کا وہم ہوتا ہے چنانچہ پوری اُمّت نے 'خاتم' سے ختمِ زمانی سمجھا ہے نہ کہ صرف ختمِ کمالات۔ (اب اگر خدا تعالیٰ کی مراد فقط ختمِ کمالات ہوتی، جیسا کہ قادیانی ملاحدہ کہتے ہیں، تو اس سے لازم آئے گا کہ تیرہ سو سال تک 'خاتم النبیین' کا صحیح مفہوم معاذ اللہ "معنی قول در بطن قائل" کا مصداق رہا۔)

۹۲ ــــ اور معلوم رہے کہ (جو امور) اصطفاء و اجتباء (کے باب سے ہوں ان) میں قرآن کریم کا طریقہ یہ ہے کہ (انہیں) حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات کی جانب منسوب کیا جاتا ہے (اور خاتمیت بھی چونکہ اسی باب سے ہے) اس لیے (بظاہر طریقہ قرآن کے) مناسب یہ تھا کہ وجعلناه خاتم النبيين فرمایا جاتا (یعنی ہم نے آپؐ کو خاتم النبیین بنایا) لیکن (یہاں) مقصود (چونکہ) یہ تھا کہ خاتم النبیین کا لفظ بطورِ لقب بندوں کی زبان پر جاری ہو (اس لیے صرف رسول اللہ و خاتم النبیین کو بحیثیت لقب کے ذکر فرمایا)

۹۳ ــــ (خاتم المحدثین وغیرہ کا) عُرفِ جدید اس وجہ سے پیدا ہوا کہ لوگوں نے دیکھا

---

[1] فتح الباری ص ۹، ج ۱۳ [2] البقرہ، ۲۵۳

کہ کمالات کا رُخ دن بدن انحطاط کی جانب ہے (اس لیے انھوں نے کسی نابغہ کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ آئندہ دورِ زوال میں ایسا بلند پایہ شخص کہاں پیدا ہو سکتا ہے ؟ پس مستقبل میں ناامیدی کے پیشِ نظر انھوں نے اس باکمال کو اس فن کا خاتم قرار دے دیا) مگر یہ نظر اور اعتبار حق تعالےٰ کے حق میں مفقود ہے۔ اس کی بارگاہِ عالی کے لیے زیبا نہیں کہ وہ مایوسانہ انداز میں یوں کہے کہ "افسوس! فلاں پیغمبر کمالات کو ختم کر گیا، اب اس جیسا کوئی دوسرا پیغمبر کہاں آسکتا ہے"۔ البتہ اس قسم کا کلام کہ "ہم نے فلاں پیغمبر پر کمالات ختم کر دیے۔ لہٰذا اب اس جیسا کوئی دوسرا پیغمبر، ہم نہیں لائیں گے"۔ اگرچہ اس کی بارگاہ کے مناسب ہے، مگر قرآن کریم کی عبارت میں یہ مضمون نہیں۔ اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ فلاں پیغمبر آخری ہے، بالکل سیدھی صاف اور واضح بات ہے (جس میں سے سر دپا تاویلات کی گنجائش نہیں اور نہ اس کے مقصد و مدعا کے سمجھنے میں کوئی اُلجھن ہے)

۹۴ ـــــ اور تحقیق یہ ہے کہ خاتم المحدثین کا لفظ ختم کمالاتِ مخصوصہ کے اعتبار سے نہیں بولا جاتا، بلکہ "الناقص کالمعدوم" کے اصول پر ناقصوں کو کالعدم اور ناقابلِ اعتبار فرض کر کے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

یہ ہے اس لفظ کی تخریج من حیث الدلالۃ۔ جیسا کہ لاریب فیہ میں علماء نے کہا ہے، (باقی اس سے بحث نہیں کہ جس موقعہ پر یہ لفظ بولا جاتا ہے وہاں واقعۃً ناقص کو بمنزلہ معدوم کے ٹھرانا صحیح بھی ہے یا نہیں) مصداق جیسا کچھ بھی ہو ہُوا کرے (صحیح ہو یا غلط!) کیونکہ یہ آدمی کا مجازفہ اور تخمینہ ہے، بادشاہِ علام الغیوب کی تحقیق نہیں۔ بہرحال یہ ترکیب کسی شئی کی انتہاء کو بیان کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے جس سے اس شئی کا ختم اور منقطع ہو جانا قطعی طور پر لازم ہے۔ اب خواہ یہ اعلانِ انقطاع بطور مسامحت اور حقِ مقام کی پوری رعایت کیے بغیر حرف زنی کے باب سے ہو، جیسا کہ اوساط الناس کا محاورہ ہے "یا بر سبیل تحقیق ہو، جیسا کہ علام الغیوب کے کلام میں واقع ہوا ہے" اور (یہ نکتہ کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ) ناقص کو کالمعدوم اور ناقابلِ اعتبار تصوّر کرنے کا اصول انبیاءؑ کرامؑ کے باب میں رائج نہیں ہے، بلکہ یہ شرعاً ممنوع ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی سُوَرتوں

اسماء حسنیٰ اور متعلقاتِ حضرتِ ربوبیت کے مراتب میں بھی یہ طرز ناروا ہے (کیونکہ ان امور میں سے کسی ایک کو ناقص اور لایعبأ بہ قرار دینا بدترین گستاخی ہے۔ بلاشبہہ انبیاء کرام میں بعض حضرات بعض سے افضل ہیں مگر ان حضرات کی ایک دوسرے سے) فضیلت کے بیان میں قرآن حکیم کا طریقہ (یہ نہیں کہ مفضول کو ناقابلِ اعتبار اور لا یعبأ بہ فرض کرکے کالعدم قرار دے لیا جائے۔ بلکہ اس کا طریقہ) وہی ہے جس کی مثال اوپر گذر چکی، (یعنی تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ[1]) مختصر یہ کہ علم اور فضائلِ کسبیہ کا باب چونکہ بشر کے دائرۂ اختیار میں ہے اس لیے ان امور میں اس کو عمل دخل ہے (کہ کونسی چیز قابلِ اعتبار ہے کونسی نہیں۔ اور کس چیز میں ناقص کو بمنزلہ معدوم کے قرار دے کر اس کے ناقابلِ اعتبار ہونے کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے) بخلاف متعلقاتِ نبوت کے کہ حضرتِ رب العزت کے سوا کسی کو ان میں اعتبارات پیدا کرنے کا اختیار نہیں۔

۹۵ ــــــ اور ضرورت دونوں قسم کے افادوں کی پیش آتی ہے، کبھی کہتے ہیں کہ فلاں عہدہ اور منصب باقی نہیں رہا۔ اب کوئی شخص اس عہدے پر (تعینات ہوکر) نہیں آئے گا۔ اور مراد ہوتا ہے اس عہدہ کا بالکلیہ ختم اور بند کردیا جانا۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ آئندہ اس پائے کا آدمی پیدا ہونا مشکل ہے، یا اس کے مقابلہ میں دوسرے لوگ قابلِ شمار و اعتبار نہیں۔ اور اس قید کو ذکر نہیں کرتے، مواقع استعمال سے معلوم ہوجاتا ہے کہ کبھی کلام اصل شئی (کے ختم ہونے) میں ہے، اور کبھی (اعلیٰ) مراتب (کے ختم ہونے) میں۔ علماء کے باہمی تفاضل میں بھی متوخر الذکر معنیٰ مراد ہوتے ہیں، نہ کہ اوّل۔ کیونکہ یہ لوگ اس میں نہ تو صاحب اختیار ہیں اور نہ حکم کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

۹۶ ــــــ اور مخفی نہ رہے کہ اہلِ عُرف خود بھی ان محاورات میں اپنے تسامح سے مطلع ہیں، اور ان کا تعامل ان کے مطلع ہونے کی خبر دیتا ہے۔ چنانچہ ایک زمانہ میں ایک شخص کو 'خاتم المحدثین' کے لقب سے یاد کرتے ہیں، لیکن جب اس کے بعد کوئی دوسرا کامل کھڑا ہوجائے تو اس کو بھی یہی لقب دے دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان کی مراد ختمِ کمال کے لحاظ سے بھی آخریت حقیقیہ نہیں ہوتی، بلکہ اپنے زمانے کے اعتبار

---

[1] البقرہ: ۲۵۳

بے آخریت مراد ہوتی ہے۔ بلکہ ایک ہی زمانہ میں متعدد اشخاص کو بھی خاتم کہہ دیتے ہیں، اور مقصد دوسروں سے کمال کی نفی کرنا نہیں ہوتا بلکہ اپنے مخصوص دائرۂ ذہن اور سانحِ وقتی کے لحاظ سے بات کرتے ہیں، تمام زمانوں اور تمام اشخاص کے لحاظ سے نہیں۔ کیونکہ یہ بات کبھی ان کے گوشۂ ذہن میں بھی نہیں آتی۔ کلام کا مفہوم عُرفِ متکلم کے دائرہ اور عُرفِ عام کے اعتبار سے لینا چاہیے۔ نہ کہ ایسا عموم جو متکلم کا مقصود ہی نہ ہو۔ جیسا کہ متعنت لوگ لفظی مؤاخذات کرکے ایسے مناقشات کیا کرتے ہیں جو متکلم کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ گذرے ہوں۔ اس کے باوجود اہلِ عُرف کا استعمال معنیٰ آخریت کے لحاظ سے یکسر خالی بھی نہیں ہوتا، ورنہ مبالغہ، جو ان کا اصل مقصود ہے عزت ہو جائے گا۔ مبالغہ اسی حالت میں باقی رہتا ہے کہ چونکہ اس سلسلہ کی حقیقی آخریت انہیں معلوم نہیں اس لیے کمال کا لحاظ کرتے ہوئے ممدوح کو آخر کہہ دیتے ہیں۔

یہ تو ہے اہلِ عُرف کا اطلاق باعتبار اَزمِنہ و اشخاص کے۔ اب دوسری طرف اللہ جلّ شانہٗ کے طرز کو دیکھو کہ اس نے ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک سوائے مُحمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کسی کو "خاتم النبیین" کا لقب نہیں دیا، نہ ایک زمانہ میں، نہ متعدد زمانوں میں۔ نہ کسی دوسرے پر اس لفظ کا اطلاق کیا، نہ اس کی اجازت دی یہ قادیانی اشقیا، کسی لفظ کے مجازی اور تسامحی معنیٰ دیکھ لیتے ہیں تو لفظ کو اسی کے لیے موضوع ٹھہرا لیتے ہیں، گویا اب وہ معنیٰ حقیقی میں استعمال کے لائق نہیں رہا، اور اس سے بکلّی منسلخ ہو گیا، اور لفظ کی گویا جدید وضع پیدا ہو گئی کہ اب اسے حقیقی معنیٰ میں استعمال کرنا بھی جائز نہیں رہا، اور یہ غایت جہل و شقاوت ہے کہ عرفِ قرآن اور عرفِ عامیانہ میں امتیاز نہیں کرتے، اور ذرا احتیاط ملحوظ نہیں رکھتے، بلکہ جو کچھ سامنے آ جائے بلا خطر تراشے اور ہانکتے رہتے ہیں۔ درحقیقت یہ دیدہ دلیری اور ڈھٹائی اس شخص کا کام ہے جو در اصل قرآن پر ایمان ہی نہ رکھتا ہو، بلکہ اپنے فہم سقیم اور طبعِ منحرف پر ایمان رکھتا ہو۔

۹۷ ـــــــ ایک بار احقر نے (اس موضوع پر) سطورِ ذیل لکھی تھیں:

مخفی نہ رہے کہ حق تعالیٰ کے ارشاد "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" کو عوام الناس کے قول "فلاں خاتم محققین ہے" پر قیاس کرنا انتہائی جہالت و نادانی کا کرشمہ ہے۔ کیونکہ اوّل تو یہ مقولہ ایک عامی محاورہ ہے جو تحقیق پر مبنی نہیں، بہت سے محاورات مقاماتِ خطابیہ میں استعمال ہوتے ہیں جن کا مدار تحقیق پر نہیں ہوتا، بخلاف ارشادِ خداوندی کے کہ وہ سراسر تحقیق ہے اور حقیقتِ واقعیہ سے سرمو متجاوز نہیں۔ بلکہ قرآن کریم کے وجوہِ اعجاز میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے ایک کلمہ کی جگہ مخلوق دوسرا کلمہ نہیں رکھ سکتی، کیونکہ اس مقام کے حق اور حقیقتِ غرض کی گہرائی کا احاطہ انسانی طاقت سے خارج ہے۔

۹۸ــــــ دوم: یہ کہ اس فقرہ کے قائل نے خود بھی تحقق کا ارادہ نہیں کیا۔ کیونکہ نہ تو اسے غیب کا علم ہے اور نہ وہ پردۂ مستقبل میں چھپی ہوئی چیزوں سے باخبر ہے، کہ دوام کی رعایت رکھ کر بات کہتا۔ بخلاف باری تعالیٰ کے (کہ اس کے سامنے ماضی و مستقبل یکساں ہیں)

۹۹ــــــ سوم: یہ کہ یہ فقرہ ہر شخص اپنے گمان کے موافق کہتا ہے اور ایک ہی زمانے میں متعدد لوگ کہتے ہیں، اور انہیں ایک دوسرے کے قول کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک شخص اس اطلاع کے باوجود کہ اس زمانے میں دیگر اصحابِ کمال بھی موجود ہیں، اس لفظ کا اطلاق کرتا۔ اور قطعی قرینہ پر اعتماد کرتا ہے کہ دوسرے لوگ خود مشاہدہ کرنے والے ہیں اس لیے میرے سامعین ایک ایسی چیز کے بارے میں، جسے وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اپنے کانوں سے سنتے ہیں، میرے کلام کی وجہ سے غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونگے۔

۱۰۰ــــــ چہارم: یہ کہ ہر شخص کی مراد بس اس کے اپنے زمانے تک محدود ہوتی ہے، مستقبل سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

۱۰۱ــــــ پنجم: یہ کہ اس قادیانی دجّال کے خیال کے مطابق نعوذ باللہ آئندہ آنیوالے ہر نبی پر ایک اعتبار سے "خاتم" کا اطلاق کر سکتے ہیں، اندریں حالت آیت کے مضمون کا کوئی حاصل اور نتیجہ ہی نہیں نکلتا۔

۹۰

۱۰۲ــــــ ششم : یہ کہ جس صورت میں کہ (دجّال قادیان کے بقول) 'خاتم' کے معنی "مہر لگانے والا" کے لیے جائیں تو اس صورت میں اگر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کا زمانہ تمام انبیاء کرام سے مقدم ہوتا، جب بھی آپؐ خاتم بالمعنی المذکور رہو سکتے۔ حالانکہ یہ قطعاً بے معنی بات ہے۔ ایسی حالت میں مقدام المحققین بولتے ہیں، نہ کہ خاتم المحققین۔

۱۰۳ــــــ ہفتم : یہ کہ اس تقدیر پر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلّم کو اُمّتِ مرحومہ کے ساتھ کوئی زائد خصوصی تعلق باقی نہیں رہ جاتا۔ حالانکہ آیت کا سیاق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو اُمّت کے ساتھ ابوت کے بجائے ختم نبوّت کا علاقہ ہے، اور شاید آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نرینہ اولاد اسی واسطے نہیں رہی تاکہ آپؐ کے بعد نبوّت کی طمع بکلّی منقطع ہو جائے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ سے علاقۂ ابوت مت تلاش کرو، بلکہ اس کی جگہ علاقۂ نبوت ڈھونڈو۔ اور وہ بھی ختم نبوت کا علاقہ۔ اور آپؐ کی نرینہ اولاد کے زندہ نہ رہنے میں یہ اشارہ تھا کہ آپؐ کے بعد سلسلۂ نبوّت باقی نہیں رہے گا۔ جیسا کہ بعض صحابہ مثلاً عبداللہ بن ابی اوفیٰ اور ابن عباس کے الفاظ سے سمجھا جاتا ہے۔ دیکھئے شرح مواہب جلد ثالث، ذکر ابراہیمؑ۔ اور وراثتِ نبوت کے لیے جامع البیان اوائل سورۂ مریم مع حاشیہ، اور مواہب لدنیہ میں خصائص کی بحث دیکھئے۔ شرح مواہب صفحہ ۱۸۹ ج ۶ میں ہے کہ "شاید (آیت کی) مراد بذریعہ تبنّی ابوت کی نفی اور علاقۂ رسالت و نبوت کا اثبات ہے، اور رجال کی قید اس لیے لگائی گئی کہ صورتِ لفظ سے اولادِ صلبی کے حق میں بھی ابوت کی نفی مراد لیے بغیر تبنّی کی نفی نہیں ہوسکتی۔ یا ممکن ہے کہ بالغ مَردوں کے حق میں مطلقاً ابوت کی نفی مراد ہو۔" اور روح المعانی میں اس پر سیر حاصل کلام کیا ہے، غرضیکہ محاورۂ عامیہ، تحقیقی کلام نہیں، بلکہ تساہل اور تسامح پر مبنی ہے۔ اور اس کے نظائر احیاء العلوم مصنفہ امام غزالیؒ کے "باب آفاتِ لسان" میں ملاحظہ کیے جائیں، نیز جو کلام انھوں نے فخریہ القاب۔ مثلاً شاہنشاہ پر کیا ہے اسے بھی ملاحظہ کیا جائے۔ اور ممدوحین کے رُو برو ان کی تعریف و توصیف کی ممانعت معلوم ہی ہے، پس یہ محاورات نہ تو تحقیقی

لہ فتوحات میں بھی یہی سمجھا ہے منہ

ہیں، اور نہ شرعی ہیں (اس نوعیت کے غیر ذمہ دارانہ القاب و محاورات تو کیا شرعی ہوتے) چہ جائیکہ شارع علیہ السلام نے بَرّہ نام کو بھی پسند نہیں فرمایا (کہ اس میں تزکیہ و توصیف کی جھلک تھی)

۱۰۴ا ــــــ ہشتم یہ کہ لفظ "ختم" کا مدلول یہ ہے کہ خاتم کا حکم و تعلق اس کے ماقبل پر جاری ہوتا ہے، اور سابقین اس کی سیادت و قیادت کے ماتحت ہوتے ہیں جس طرح کہ بادشاہ موجودین کا قائد ہوتا ہے، نہ کہ ان لوگوں کا جو ہنوز پردۂ عدم میں ہوں اور اسکی سیادت کا ظہور اور اس کے عمل کا آغاز رعایا کے جمع ہونے کے بعد ہوتا ہے، نہ کہ اس سے پہلے۔ گویا اجتماع کے بعد کسی قوم کا کسی کی آمد کے لیے منتظر اور چشم براہ ہونا اس امر کا اظہار ہے کہ معاملہ اُس کی ذات پر موقوف ہے۔ بخلاف اسکی برعکس صورت کے کہ (قائد آئے اور چلا جائے اور ماتحت عملہ اس کے بعد آئے، اس صورت میں کسی قرینے سے اس امر کا اظہار نہیں ہوتا، بلکہ اس پیشرو کی برتری اور سیادت کا تصور) محض ایک معنوی اور ذہنی چیز ہے (جسکا خارج میں کوئی اثر و نشان نہیں ہوتا کہ اس پر کوئی دلیل و برہان ہے)۔ یہی وجہ کہ عاقب، حاشر اور مقفّی جو سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی ہیں مابعد کے لحاظ سے نہیں (بلکہ ماقبل کے لحاظ سے ہیں، جیسا کہ ان کے معانی پر غور کرنے سے بادنیٰ تأمل معلوم ہو سکتا ہے)، اور (خاتمیت سے یہ مراد لینا کہ چونکہ آپؐ کی نبوت "بالذات" ہے اور دوسروں کی نبوت "بالعرض"۔ لہٰذا آپؐ سے استفادہ کے ذریعہ اب بھی نبوت مل سکتی ہے۔ خاتمیت کا یہ مفہوم غلط ہے کیونکہ) مابالذات اور مابالعرض کا ارادہ فلسفہ کی اصطلاح ہے، نہ تو یہ قرآن کریم کا عرف ہے، نہ زبان عرب ہی اس سے آشنا ہے، اور نہ قرآنِ کریم کی عبارت میں اس کی جانب کسی قسم کا اشارہ یا دلالت موجود ہے۔ پس اس آیت میں "استفادۂ نبوت" کا اضافی مضمون داخل کرنا محض خود غرضی اور مطلب براری کیلئے قرآن پر زیادتی ہے۔ البتہ سنّت اللہ یہی واقع ہوئی ہے کہ ختم زمانی کا منصبِ عالی اسی شخصیت کے لیے تجویز فرمایا گیا جو قطعی طور پر امتیازی کمال میں سب سے فائق تھی اور تمام سابقین کو اس کی سیادت و قیادت کے ماتحت رکھا گیا۔

اور انبیاء کرام کو نبوت پیدا کرنے کے لیے نہیں بھیجا جاتا (کہ مہریں لگا لگا کر نبی پیدا کیا کریں) بلکہ سیادت وقیادت اور سیاست و ریاست کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے۔ قوم نماز کے لیے پہلے جمع ہو تو اس کے بعد امام مقرر کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہی محمل ہے حق تعالیٰ کے ارشاد: یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ[1] کا۔

پہلی اُمتوں میں انبیاء کرام تکمیلِ کار کے لیے رسولوں کے ماتحت ہوتے تھے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا میں ہے، اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ. وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ[2] نیز موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کے جواب میں ارشادِ خداوندی ہے: سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ[3] اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام میں کمال کا کوئی جزو باقی نہیں چھوڑا گیا (بلکہ کارِ نبوت کی تکمیل من کل الوجوہ آپؐ کی ہی ذاتِ گرامی سے کرا دی گئی۔ لہٰذا اب کوئی منصب باقی نہ رہا جس کے لیے کسی نئے نبی کو مبعوث کیا جاتا۔ چنانچہ آپؐ کی شان تو یہ ہے) ؎

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

۱۰۵ ـــــ اور ادھر یہ حدیث کہ "انبیاء کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں"[4] ثابت ہے کہ حیات سے اعمالِ حیات مراد ہیں، نہ کہ صرف بقائے روح۔ کیونکہ یہ تو (مومن و کافر اور نبی و غیر نبی) سب میں مشترک ہے (پس یہ امر انبیاء کرام کے ساتھ مختص نہ ہوا حالانکہ حدیث سے اختصاص ثابت ہوتا ہے۔ الغرض جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کارِ نبوت کی تکمیل ہو چکی، اور پھر حیاتِ انبیاء کی بنا پر آپؐ اُمت میں زندہ موجود ہیں۔ گو پس پردہ ہوں، تو نئے نبی کی بعثت بے معنیٰ ہوئی۔)

اور انبیاء کرامؑ کی جانب سے اُمت کی روحانی تربیت اور ان کی تکمیلِ باطنی جو ہوتی ہے وہ شاید ولایتِ نبوت کے اعتبار سے ہوتی ہو گی جو نبوت کا ایک جزؤ اور اس تحت میں مندرج ہے، اور ولایت خود جاری ہے۔ پس نبوت کا ایک جزو اختصاصی ہوا (یعنی حق جل شانہٗ کا کسی بندے کو پیغام رسانی کے منصب کے لیے تجویز کرنا اور

---

[1] سورۃ الاسراء: ۷۱، [2] سورہ طٰہٰ ۳۱-۳۲، [3] سورۃ القصص: ۳۵ [4] فتح الباری ص۳۵۲ ج ۶۔

دوسرا جزء اکتسابی ہے (اور وہ ہے ولایت) اور یہاں "ولایتِ نبی" کی بحث عارفین کے کلام میں دیکھ لی جائے۔

غرضیکہ نبوت ایک ظاہر و باہر منصب ہے، جو اللہ تعالےٰ شانہٗ کے (کسی بندے کو) خلیفہ مقرر کرنے اور (پھر اس کے لیے) اُمتوں سے عہد و میثاق اور بیعت لینے کے ذریعہ وقوع پذیر ہوتا ہے۔ جیسا کہ شریعت کی رُو سے منصبِ خلافت عقدِ بیعت کے ساتھ حاصل ہوتا ہے، بذریعہ وراثت حاصل نہیں ہوتا، اور نہ بطور سرایت۔ نیز نبوت فضائل لازمہ سے ہے، کمالاتِ متعدیہ سے نہیں، جیسا کہ ولایت ایک متعدی کمال ہے جو توجہ باطنی اور صرف ہمت سے متعدی ہو جاتا ہے۔ اور جیسا کہ معجزہ و کرامت کے مابین فرق ہے کہ اول الذکر نبی کی عقدِ ہمت کے بغیر ہوتا ہے، اور مؤخر الذکر میں ولی کا عقدِ ہمت ضروری ہے، اسی طرح زیرِ بحث مسئلہ کو سمجھنا چاہیے (کہ حصولِ نبوت میں نبی کی سعی و محنت کو دخل نہیں ہوتا۔ جب کہ حصولِ ولایت کے لیے کسب و سعی درکار ہے)

۱۰۶ــــــ اور اجزائے نبوت میں سے جو چیز قابلِ تعدیہ تھی ــــــ اور وہ ہے جزوِ ولایت جو نبوت کے تحت مندرج ہے ــــــ وہ تو متعدی و ساری ہوئی، اور جو چیز قابلِ تعدیہ نہیں وہ لازم رہی۔ اور وہ ہے خود نبوت جو اللہ تعالےٰ کی جانب سے خلافت بخشی و نامزدگی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور اُمتوں سے عہد و میثاق لینے اور منصۂ شہود پر منصبِ رسالت کے لیے کھڑا کرنے سے تمام پذیر ہوتی ہے۔ اور اُمت کی تکمیلِ ظاہر اسی منصبِ نبوت سے وابستہ ہے۔ "تکمیل ظاہر" سے میری مراد محض ظاہری و سطحی تکمیل نہیں، بلکہ ایسی ظاہر و باہر تکمیل مراد ہے جس میں کوئی خفا نہ ہو، بلکہ وہ علیٰ سبیل الاشتہار ہو۔ پس حصۂ نبوت پوری اُمت کی علی الاعلان تکمیل کے لیے ہے، اور حصۂ ولایت خواص کی تکمیل کے لیے۔ اور وہ باطن ہے، نہ کہ ظاہر۔ اور امت میں ساری و متعدی ہے۔

پس نبوت کا جزءِ اخیر (جس پر نبوت کا تحقق موقوف ہے) جس طرح کہ علتِ تامہ کے جزءِ اخیر پر معلول کا تحقق موقوف ہوا کرتا ہے، وہ یہی استخلاف و تولیت ہے، جو

محض فعلِ الٰہی سے ہے اور بس. اب اگر تم نے اس نکتہ کو سمجھ کر اس کا صحیح وزن کیا تو تمام (قادیانی) وساوس سے ہمیشہ کے لیے نجات پالو گے (کیونکہ قادیانی کی جعلی نبوت کی ساری عمارت اس ستون پر قائم ہے کہ اسے فیضانِ محمدیؐ سے نبوت حاصل ہوتی۔ اور گذشتہ بالا تحقیق سے ثابت ہوا کہ نبوت ایسا متعدی کمال ہی نہیں جو "فیضان" کے ذریعہ حاصل ہو جائے۔ یہ تو من جانب اللہ نامزدگی ہے، جس میں نہ کسی کے کسب و ریاضت کو دخل ہے، نہ افاضہ و فیضان سے یہ حاصل ہوتی ہے۔ اور نہ بطورِ وراثت وسرایت میسّر آتی ہے۔ اس لیے فیضانِ محمدیؐ سے نبوت پانے کا دعویٰ کرنا ہی مدعی کی غلط بیانی اور حقیقت نبوت سے اس کی ناآشنائی کی دلیل ہے)

اور اگر خارج میں اس کی مثال چاہو تو تحصیلِ کمالاتِ امارت پر نظر کرو کہ عہدۂ ولایت و گورنری کے لیے جن کمالات کی ضرورت ہے ان کا حصول تو کسبی ہے، لیکن کوئی شخص حاکم اور گورنر نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ بادشاہ کی جانب سے اس کی تقرری نہ ہو جائے (بلا تشبیہ اسی پر منصب نبوت کو قیاس کر لیا جائے کہ محض نفسِ استعداد کی بنا پر آدمی ایک چپراسی بھی نہیں بن سکتا۔ تاوقتیکہ حاکم مجاز کی جانب سے اس منصب پر معیّن نہ کر دیا جائے، تو محض ادعائے کمالات کی وجہ سے کوئی شخص نبی کیونکر بن سکتا ہے، جب تک کہ حق تعالیٰ کی جانب سے اس کی تقرری کا اعلان نہ ہو) اور یہ خیال نہ ہو کہ جب کمالات نبوت (انبیاء علیہم السّلام میں) سب کے سب پہلے ہی سے موجود تھے تو پھر یہ استخلاف اور تولیتِ الٰہی تو محض ایک بالائی (اور زائد سی) بات ہوئی، اور چنداں لائقِ قدر و منزلت نہ ٹھہری (کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات میں تو اس استخلاف سے کوئی اضافہ نہ ہوا۔ یہ خیال سراسر غلط ہے) کیونکہ بارگاہِ خداوندی سے کسی شخصیت کو بحیثیت خلیفہ کے چُن لیا جانا بذاتِ خود ایک ایسا امتیازی شرف ہے جو تمام کمالات و فضائل سے بلند و بالا ہے "اور اللہ چُن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے، اور اللہ بڑی وسعت والا علم والا ہے۔"

۱۰۷ــــــ اور معلوم رہے کہ نبوت و رسالت کے درمیان مفہوم کے اعتبار سے تغایر ہے

کہ دونوں کا مفہوم الگ ہے) اور (مصداق کے لحاظ سے دونوں کا ایک ہی محل ہیں) اجماع ہے۔ دونوں کے درمیان کُل اور جزء کی نسبت نہیں، اور صدق کے اعتبار سے عموم و خصوص ہے کہ نبی عام ہے اور رسول خاص) المنزلہ آیت اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا کے لہ

پس در اصل یہ دو الگ الگ وصف ہیں جو ایک محل میں جمع ہو سکتے ہیں، یا ان دونوں کے درمیان استلزام ہے (کہ رسالت، نبوت کو مستلزم ہے) پس یہ نہیں کہہ سکتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تو ہیں مگر خاتم الرسل نہیں، (کیونکہ رسالت نبوت کے بغیر نہیں پائی جا سکتی، پس جب آپ خاتم النبیین ہوئے اور آپؐ کے بعد کسی نبی کا آنا ممتنع ہوا تو اس سے از خود یہ لازم آیا کہ آپ خاتم الرسل بھی ہیں) اور آیت میں عام بمقابلہ خاص کے واقع نہیں ہوا، بلکہ اس نکتہ کی وجہ سے جو پہلے گذر چکا ہے نظم کلام کو خصوص سے عموم کی طرف بدل دیا گیا۔ اور اس قسم کی تبدیلی یا عموم اشخاص کے احاطہ کے لیے ہوتی ہے، یا کسی جزءِ حقیقت کے استیفاء کے لیے۔

اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ "آپؐ ان نبیوں کے تو خاتم ہیں جو خدا سے خبر پاتے ہیں، مگر ان رسولوں کے خاتم نہیں جن کو بھیجا جاتا ہے۔" کیونکہ جس کو بھیجا جائے گا اسے خبر دیئے کے بغیر تو نہیں بھیجا جائے گا۔ آج کل کے عرفِ عام میں 'نبی' کا لفظ 'رسول' کے مقابلہ میں شائع ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ میں ایک قراءت شاذہ 'ولا محدث' کی زیادتی کے ساتھ آئی ہے (اس سے ان تینوں کا تقابل مفہوم ہوتا ہے) اور صدرِ کلام میں جو وما ارسلنا واقع ہے اس سے یہ بھی لازم نہیں کہ معطوف (نبی اور محدث) پر 'مرسل' کا اطلاق کیا جائے کیونکہ توابع میں بہت سی (ایسی) چیزیں قابل تسامح ہوتی ہیں (جو اصول میں نہیں روا ہوتیں) خلاصۂ آیت یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دائماً رسول ہیں، اور باعتبار مستقبل کے (قیامت تک کے لیے) علی الاطلاق رسول ہیں۔ اور انبیاء گذشتہ کے اعتبار سے آپؐ خاتم اور آخری نبی ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وصف غیر منقطع ہے۔

۱۰۸ ــــــ اس شقی (قادیانی) نے قرآن کے مساوی مرتبہ کی وحی کا دعویٰ کیا (اندریں صورت

لہ مریم ۱: ۴۱ ۔ لہ الحج: ۵۲

اگرچہ اس نے نبوت کا دعویٰ (صراحۃً) نہ بھی کیا ہوتا (تب بھی اس کے مدّعیٔ نبوت ہونے میں کوئی شبہہ نہ تھا، کیونکہ قرآن کی مثل قطعی وحی کسی نبی پر ہی نازل ہوسکتی ہے۔ چہ جائیکہ اس نے کھل کر) نبوت و رسالت کا بھی دعویٰ کیا اور (پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر) انبیاء کرام علیہم السّلام کی توہین کی، تمام اُمّتِ حاضرہ کی تکفیر کی، بہت سے ضروریاتِ دین کو ردّ کیا، شریعت لانے کا دعویٰ کیا انبیاء علیہم السّلام کے خصائص کا اِدّعاء کیا۔ انبیاء کرام کی تنقیص کی، دین کے متواترات میں تحریف کی، اور شریعت کے بعض متواتر عقائد و مسائل کا مذاق اُڑایا۔ اور یہ تمام امور باجماعِ اُمّت، کفرو الحاد اور زندقہ کی صورتیں ہیں۔

۱۰۹ ــــــ اور وہ کبھی انعکاس کو غیر تشریعی نبوت کے مغائر بھی کہتا تھا۔ چنانچہ کاویہ ص ۱۰۷ ج ۱ میں اخبار بدر (قادیان، مؤرخہ ۸ اپریل ۱۹۰۳ء) سے (قادیانی کا یہ قول) نقل کیا ہے (کہ" محی الدین بن عربی کہتے ہیں کہ نبوت غیر تشریعیہ جاری ہے، مگر میرا اپنا مذہب یہ ہے کہ یہ نبوت بھی مسدود ہے صرف انعکاسِ نبوت جاری ہے") پھر (اس کے باوجود نہ صرف غیر تشریعی نبوت کا، بلکہ) تصریح و تحدّی کے ساتھ صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔ اور اگرچہ اس نے شریعتِ جدیدہ کا لفظ نہیں بولا، مگر اس کے افعال و اقوال کو وہ بھی لازم ہے۔ اور پہلے گذر چکا ہے کہ اس نے "صاحب شریعت" کی ایک تیسری قسم اختراع کرکے اپنے آپ کو اس قسم کا صاحبِ شریعت قرار دیا ہے جیساکہ اربعین ۴ ص ۶ (وص ۷) کے متن و حاشیہ میں (اپنے صاحب شریعت ہونے کا) چیلنج دیا ہے اور اپنی اُمّت بنائی، اور اس نئی قسم کی شریعت کے ذریعہ نجات کو اپنی اتباع میں منحصر ٹھہرایا، اور اپنے منکروں کو علی الاعلان کافر کہا۔ [1]

---

[1] عقائد مرزا ص ۹، مرقع کادیانی ص ۵۲، عجائبات مرزا ص ۸: "پس میں وہی مظہر ہوں، پس ایمان لاؤ اور کافروں سے مت ہو۔" از حقیقۃ الوحی ص ۱۴۸۔ عشرۂ کاملہ ص ۵۵ از خط کادیانی و ترک مرزائیت ص ۵۲: "جو مجھے نہیں مانتا خواہ وہ زبان سے میرے حق میں کوئی بُرا لفظ نہ کہتا ہو، کافر ہے۔" تحقیق لاثانی: "جبکہ خدا تعالیٰ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۱۰ـــــــ "بروز" اہل تناسخ کی اصطلاح ہے جیسا کہ مزدک اور لاآن نے دعویٰ کیا تھا، ادیانِ سماوی، شریعتِ مطہرہ اور تحقیقاتِ علماءِ اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور نہ ظلّیت ہی دینِ اسلام کے محاورہ میں آئی ہے اور جب تک (قرآن و حدیث میں کسی لفظ کا) محاورہ جاری نہ ہو تب تک (اس لفظ کو مدار بناکر) نصوص میں تحریف کرنا زندقہ و الحاد ہے، اور محاورہ میں قیاس مسموع نہیں، جیسا کہ کوئی شخص فارسیوں کے محاورہ پر قیاس کرکے عربی میں "اکل الحلف" یا "اقتلی السراج" کہنے لگے اور نہ پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہی اس (ظلّی و بروزی) حقیقت کو تسلیم فرمایا چنانچہ (حضرت علیؓ سے) فرمایا: "تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے، جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں"[1] (اگر کسی ظلّی و بروزی نبوت کی گنجائش ہوتی تو آپ اس کو مستثنیٰ فرمادیتے) اور تیس دجالوں والی حدیث[2] (میں بھی آپؐ نے ظلّی و بروزی کا استثنائیے بغیر ہر مدعیِ نبوت کو دجال و کذاب قرار دیا) اور نہ قصرِ نبوّت میں کسی اینٹ کی جگہ باقی چھوڑی گئی (کہ ظلّی بروزی نبوت کو وہاں رکھ دیتے) اور حدیث دجالین میں مدارِ حکم بس دعوائے نبوت ہے، نہ کہ کسی خاص تعداد کا شمار۔

۱۱۱ـــــــ اور آیت: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ الی قولہ۔ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ[3] میں ملحدِ قادیان نے یہ نکتۂ الحاد پیدا کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دو بار مبعوث ہونا مقدر تھا۔ ایک دفعہ عرب کے اُمیوں میں اور دوسری دفعہ آخرین منہم میں۔ چنانچہ آپ پہلی دفعہ بشکل محمدؐ مکہ میں مبعوث ہوئے اور دوسری بار نعوذ باللہ مرزا غلام احمد کی بروزی شکل میں

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں" کادیانی کا خط بنام ڈاکٹر عبدالحکیم خاں"۔ علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا" حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳، اور اس کی عبارت عشرۂ کاملہ ص ۱۳۱ میں دیکھ لی جائے جس میں اس نے اپنی تحقیق کے مطابق حضرت مریم صدیقہؓ کی طرف زنا کی نسبت کی ہے۔ والعیاذ باللہ منہ

[1] مشکوٰۃ ص ۵۶۳ [2] مشکوٰۃ ص ۴۶۵ [3] الجمعہ: ۲-۳

قادیان میں پیدا ہوئے۔ اس لیے مرزا غلام احمد، عین محمدؐ ہے، وہی خاتم الانبیاء ہے، اور مرزا غلام احمد کی بروزی بعثت، اپنی روحانیت میں محمدی بعثت سے بڑھ کر اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے (دیکھو خطبۂ الہامیہ ص ۱۸۱) اس الحاد کے صاف معنی یہ ہیں کہ تیرھویں صدی کے خاتمہ پر مکہ والی محمدی بعثت کا دور ختم ہو لیا، پہلی بعثت منسوخ ہو گئی اور چودھویں صدی سے قادیانی بعثت کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ من الغباوۃ والغوایہ۔ حالانکہ جس آیت کریمہ پر اس کفر والحاد کی یہ ساری عمارت کھڑی کی گئی ہے اس کو) آنحضرتؐ کی دو بعثتوں سے، جو اس ممسوخ الفطرت ملحد نے ایجاد کی ہیں۔ ذرا بھی مس نہیں۔ تعددُ نفسِ فعل میں نہیں بلکہ اس کے محل اور متعلق میں ہے (یعنی آیت کا مفہوم یہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح پہلی بار اُمیوں میں تشریف لائے ہیں۔ اسی طرح 'آخرین' میں دوبارہ آئیں گے۔ بلکہ آیت کا مدعا یہ ہے کہ آپؐ کی یہی بعثت جو اُمیوں میں ہوئی ہے وہ صرف عرب کے اُمیوں تک محدود نہیں، بلکہ اس کا دامن قیامت تک بعد میں آنے والے عجمیوں پر بھی محیط ہے) اور آیت کا مضمون اس فقرہ کی مانند ہے: المبعوث الی الاسود والاحمر والمبعوث الی العرب والعجم۔ (کیا کوئی معمولی عقل و فہم کا آدمی بھی اس کے یہ معنیٰ کرے گا کہ آپؐ کی دو بعثتیں ہیں، ایک کالوں کی طرف اور دوسری گوروں کی طرف۔ ایک عرب میں اور دوسری عجم میں؟) اور یہاں تو اس قاعدے کی بھی حاجت نہیں جو نحویوں نے بیان کیا ہے کہ "توابع میں ان امور کو لائق مسامحہ سمجھا جاتا ہے جن کو اصول اور متبوعات میں نہیں سمجھا جاتا" اس قاعدے کی ضرورت شاید آیتِ احقاف: وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ، وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ[1] میں پیش آتی۔ — فقہا نے اس سلسلہ میں بڑی موشگافیاں کی ہیں کہ کہاں قسم ایک ہوتی ہے اور کہاں متعدد؟ (مگر آیتِ زیرِ بحث میں تعددِ بعثت کا الحادی نکتہ ملحدِ قادیان کے سوا کسی فقیہ کو نہیں سوجھا) اور یہ ملحد، آیت هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا[2] میں کیا کہے گا؟ (کیا یہاں بھی تعددِ تسمیہ کا قائل ہو گا؟) اور میں

---

[1] الاحقاف ۲۱ [2] الحج: ۷۸

نے "عجائبات مرزا" میں دیکھا کہ اس نے واخرین منھم میں تقدیر عبارت "وفی اٰخرین رسولاً منھم" سمجھی اور دو بغلتیں پیدا کر لیں۔ اور یہ مسخ فطرت ہے جو کسی ایسے شخص کو، جسے عربیت سے ادنیٰ مس بھی ہو، پیش نہیں آ سکتی۔ کیونکہ زیر بحث آیت میں رسول کو آخرین میں سے نہیں فرمایا، بلکہ خود آخرین کو (جن کا مصداق اوّل اہل فارس ہیں) اُمّیوں میں سے فرمایا ہے (اور انہیں اُمّی اس لیے کہا گیا ہے) کہ یہ اہل عجم (بھی عربوں کی طرح) اہل کتاب نہیں تھے۔ پس فہم عبارت میں ایسی رُسوا کن غلطیوں کے باوجود اس سے کیا توقع رکھتے ہو؟ (نبوت یا مسیحائی کی؟ استغفر اللہ) ہاتھ اس کے دین و فہم سے یکسر اٹھا لو۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

۱۱۲ ـــــــ اور (مرزا قادیانی بروز و ظلّیت کے دعویٰ میں منفرد نہیں بلکہ) بہت سے زندیق ہمیشہ یہی کرتے آئے ہیں کہ کسی مشہور شخصیت کے بعد جس کا شہرہ چار دانگ عالم میں تھا، یا تو اس کے حلول و بروز دعویٰ کر دیا، جیسا کہ (علی محمد) باب نے (مظہر ائمہ ہونے کا سنے دعویٰ) کیا تھا اور یا بہاء اللہ کی طرح اپنے استقلال اور شریعت سابقہ کے نسخ کا دعویٰ کیا، (اور لطف یہ کہ مرزا قادیانی نے اپنے دو بغلتی نظریے میں ان دونوں طریقوں کو جمع کر لیا، اپنی آمد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بروزی آمد قرار دینے میں باب سے نقش قدم کا تتبع کیا، اور آپ کی پہلی بعثت کے منسوخ ہونے کا اعلان کرنے میں بہاء اللہ کی پیروی کی، بہرحال) یہ اپنی اغراض مشئومہ کی بجا آوری کا ایک ڈھنگ ہے جو شیطان وقتاً فوقتاً بدقسمت اور بے توفیق لوگوں کو تلقین کرتا آیا ہے۔

۱۱۳ ـــــــ البتہ "ظل اللہ" ایک محاورہ ہے ـــــــ (چنانچہ حدیث میں ہے: السلطان ظل اللہ فی الارض[1] یعنی "عادل بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے" اور بادشاہ کو خدا کا سایہ کہنا) یا تو سایۂ درخت کے ساتھ تشبیہ دینے کے اعتبار سے ہے کہ (جس طرح درخت کے سائے میں لوگ آرام کرتے اور تھک ہار کر پناہ لیتے

---

[1] جامع صغیر ص ۳۲ بحوالہ طبرانی و بیہقی۔

ہیں۔ اسی طرح) اس کے سائے میں پناہ لیتے اور آرام پکڑتے ہیں۔ یا یہ اضافت تشریف اور بیان بزرگی کے لیے ہے، جسطرح 'خدا کا گھر' وغیرہ (کے الفاظ اظہار شرف کیلئے بولے جاتے ہیں۔)

۱۱۴ ــــ (مرزا کو ظلی نبوت کا دعویٰ ہے، سوال یہ ہے کہ یہ ظلی نبوت، واقعۃً نبوت ہے یا نہیں ؟) اس ظلیت میں اگر نبوت واقعۃً حاصل ہے تو "مہر نبوت" ٹوٹ گئی، کیونکہ مہر نبوت کا مقصد تو یہ تھا کہ نبوت کسی حاصل نہ ہو، یہ مقصد تو نہیں تھا کہ ظاہری صورت کے اعتبار سے مہر ٹوٹنے سے محفوظ رہے (خواہ سربمہر صندوق کے اندر کی ساری چیز چرالی جائے ،) اور اگر نبوت واقعۃً حاصل نہیں تو نبوت کا دعویٰ کرنا اور اس کے) منکروں کو کافر کہنا بجائے خود کفر ہے۔

اور خیال ہے کہ اگر کسی کو کہا جائے کہ اس مقفّل صندوق کو نہ کھولنا اور وہ کھولے بغیر سالم صندوق ہی چرا لے جائے، یا یہ کہا جائے کہ اس صندوق کو نہ چرانا ! اور وہ صندوق کو چھوڑ کر اس کے اندر سے سارا مال نکال لے جائے۔ جس طرح کسی خانصاحب کی قبا کا قصہ ہے (تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس نے حکم کی تعمیل کی ہے اور قائل کے منشا کے مطابق عمل کیا ہے ؟ اور اگر اس کے باوجود وہ اصرار کرے کہ میں نے تو حکم کی تعمیل کی ہے تو یہی کہا جائے گا کہ یہ شخص، قائل کا مذاق اُڑاتا ہے۔ ٹھیک یہی مثال مرزا قادیانی کی ظلی نبوت کی ہے۔ قرآن کریم نے اعلان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلسلۂ انبیاء کے آخری فرد ہیں آپ کے بعد خزانۂ نبوت سربمہر کر دیا۔ آئندہ کوئی شخص اس مہر کو توڑنے کی جرأت نہ کرے۔ غلام احمد قادیانی نے کہا کہ میں نے سیرتِ صدیقی کی کھڑکی سے گذر کر نبوت پائی ہے اور مجھ پر ظلی طور پر نبوت محمدیؐ کی چادر چڑھائی گئی ہے، لہٰذا میرے دعوائے نبوت سے ختم نبوت کی مہر نہیں ٹوٹی۔ دیکھئے "ایک غلطی کا ازالہ" از مرزا غلام احمد قادیانی) اور یہ درحقیقت قرآن و شریعت کے ساتھ تمسخر اور قائل (یعنی اللہ تعالےٰ) کی تحمیق ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ (اس سے معلوم ہوا کہ ظلیت بروز اور سیرتِ صدیقی وغیرہ الفاظ محض دعوائے نبوت کی پردہ داری کے لیے تاویل اور سخن سازی ہے ـــ) اور اس قسم کی تاویلیں اور سخن سازیاں سب بے ایمانوں کا گروہ ہمیشہ

کرتا آیا ہے (اسلام کی تیرہ چودہ سو سالہ تاریخ میں جن لوگوں نے بھی نبوت، مسیحیت یا مہدویت کا دعویٰ کیا انہوں نے کوئی نہ کوئی تاویل ضرور گھڑی، یہی حال دجّالِ قادیان کا ہے۔)

۱۱۵ ـــــ اور (جس طرح مرزا نے ظلّیت و بروز کی تاویلات سے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اسی طرح) اگر کوئی شخص چاہے تو الوہیت میں بھی بروز و ظلّیت کا دعویٰ کرکے (نعوذ باللہ ظلّی خدا بن سکتا اور) کفر کی طرح نو ڈال سکتا ہے۔ اور شاید اس لعینِ قادیان نے بروزِ الوہیت کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنا یہ الہام گاتا ہے (جس میں خدا اس سے کہتا ہے) کہ: "(اے مرزا!) تو مجھ سے بمنزلہ میرے بروز کے ہے"۔ اور اس سے واضح تر حقیقۃ الوحی ص ۱۵۴ کی مندرجہ ذیل عبارت ہے:

"میرے وقت میں فرشتوں اور شیاطین کا آخری جنگ ہے، اور خدا اس وقت وہ نشان دکھائے گا جو اس نے کبھی نہیں دکھائے، گویا خدا زمین پر خود اُترے گا۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے: یوم یأتی ربک فی ظلل الغمام۔ یعنی اس دن بادلوں میں تیرا خدا آئے گا، یعنی انسانی مظہر کے ذریعہ سے اپنا جلال ظاہر کرے گا اور اپنا چہرہ دکھلائے گا"

(از علم کلام مرزا ص ۸۴)

اور اس پر طرہ یہ کہ (خدائی بروز کے شوق میں) آیت بھی محرّف بھی نقل کی۔ اور مزید طرہ یہ کہ اسم احمد پر قبضہ کرنے کے لیے وہ اپنے تئیں جمالی رنگ میں پیش کیا کرتا ہے، مگر یہاں آکر اس کے شیطان نے اسے (فلسفۂ جمال) فراموش کرا دیا، اور جلال کا دعویٰ کر ڈالا۔ اور اس سے بھی واضح تر عبارت کاویہ ص ۵۳ میں دیکھئے۔

۱۱۶ ـــــ (مفہومِ کلام کا) مدار الفاظ پر ہے یا علل و اغراض؟ (یہ ایک بہت ہی نازک اور دقیق بحث ہے) اور دونوں کے موقعہ محل کی تمیز کرنا (کہ کس جگہ الفاظ پر مدار ہے اور کہاں اغراض و مقاصد پر؟) یہ علم و ایمان کا کام ہے۔ الحاد و زندقہ کا کام نہیں۔ اور یہ اسود کاذب (غلام احمد قادیانی ایمان و علم دونوں سے محروم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ایک

غلطی کہ ازالہ" میں آیتِ ختمِ نبوت کی جو تقریر کی ہے وہ منشائے متکلم، نصوصِ قطعیہ، اصولِ شرعیہ اور اجماعِ اُمّت کے خلاف اور سراسر الحاد و زندقہ ہے۔ اور ستم بالائے یہ کہ وہ اسی تقریر میں) اپنی نبوّت کو "حقیقۃً" کہتا ہے اور محمدیت کو "ظلّی" بانکتا ہے۔ زندیقوں کی طرح عوام کو فریب دہی اور ملمع کاری کے سوا اور کوئی وظیفہ نہیں رکھتا۔ جہان میں ہمیشہ یونہی ہوتا آیا ہے۔

۱۱۷ ـــــ اور (لعینِ قادیان نے تو حصولِ نبوت کے لیے 'فنا فی الرسول' کو شرط قرار دیا ہے لیکن) کوئی دوسرا شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے، کہ اس منصب کے حصول کے لیے 'فنا فی الرسول' بھی شرط نہیں، بس خالی ایمان کافی ہے، کیوں کہ فنا (نہ صرف یہ کہ) واجب نہیں، بلکہ منجملہ ان اصطلاحات کے ہے جو خیر القرون کے بعد اختراع کی گئیں، اور خلافِ ظاہر بھی ہے، بخلاف ایمان کے کہ وہ حق تعالےٰ کی جانب سے واجب اور مامور بہ ہے۔

۱۱۸ ـــــ اور معلوم رہے کہ اس مخذول کے اُتباع و اذناب اس کی رہی سہی کسر پوری کرنے کے لیے نئی نئی تحریفات تراشتے رہتے ہیں۔ اس کی تحریفِ اوّل تو یہی تھی جو ابھی گذری (کہ حصولِ نبوت کے لیے فنا فی الرسول۔ اور ظلّیت کا دروازہ کھلا ہے) یا۲ یہ کہ تشریعی نبوت کا دروازہ بند ہے۔ غیر تشریعی کا بند نہیں۔ یا۳ یہ کہ شریعتِ جدیدہ کا آنا ممنوع ہے، مطلق شریعت ممنوع نہیں۔ مگر اس کے ناخلف اور تحریفیں کرتے ہیں، (مثلاً ایک تو) محاورۂ عامیہ (خاتم المحدثین) پر قیاس کرنا ہے (اس کی بحث گذر چکی) اسی طرح (دوسری تحریف) یہ کہ خاتم النّبیّین (کے معنی یہ ہیں کہ آپؐ) دوسروں کی نبوّت کے لیے مُہرِ اعتبار ہیں (پس آئندہ وہی نبوت معتبر ہوگی جس پر آپؐ کی مُہر ہوگی) اور یہ معنیٰ بھی (خدا و رسول سے) تمسخر ہے۔ کیونکہ مُہرِ اعتبار اگر لگاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ لگاتے ہیں (نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)، اب اگر خاتم النبیین کے معنیٰ ہوں "نبیوں کی نبوّت پر مُہرِ تصدیق ثبت کرنے والا" تو یہ خدا تعالےٰ کی صفت ہوئی اندریں صورت خدا تعالےٰ کو خاتم النبیین کہنا چاہیے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو)

نیز 'خاتم' اس جگہ بدون تقدیر 'علیٰ' واقع ہے، جو مُہر لگانے کے معنیٰ کے لیے زیبا نہیں کیونکہ (خاتم النبیین کی ترکیبِ اضافی میں) مضاف الیہ مفعول بہٖ کے معنیٰ میں ہے نیز اس صورت میں 'لکن' کے ماقبل دمابعد کے درمیان ربط و اتساق فوت ہو جاتا ہے، جو عربیت میں (استعمال 'لکن' کے لیے) شرط (قرار دیا گیا) ہے کیونکہ بالغ مَردوں میں سے کسی کا باپ ہونے اور اعتبارِ نبوّت کی مُہر ہونے کے درمیان کسی طرح بھی نسبتِ تبادُل نہیں، بلکہ دونوں بیک وقت جمع ہو سکتے ہیں؛ اور اس سے وہ ربط و اتساق فوت ہو جاتا ہے، جو 'لکن' کے لیے شرط تھا۔ شرطِ اتساق کی بحث کتبِ اصول میں اور قصرِ قلب کی بحث کتبِ معانی میں دیکھ لی جائے، اور مغنی ابن ہشام میں تصریح کی ہے کہ لفظ 'لکن' نفی کے بعد ٹھیک 'بل' کے بمنزلہ ہے۔

۱۱۹۔۔۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ کی نفی سے سے وہم ہوتا تھا کہ نہ معلوم اور کن کن چیزوں کی نفی ہوگی۔ اس وہم کے ازالہ کے لیے فرمایا "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" یعنی یہ ثبت ہے۔ پس استدراک کی شرط پوری ہو گئی۔ اور ابوت اور ختمِ نبوت کے درمیان تدافع ہے۔ کیونکہ ابوت توریث کو متضمن ہے، اور ختمِ نبوّت عدمِ توریث کو متضمن ہے، پس قصرِ قلب کی شرط پوری ہو گئی۔

۱۲۰۔۔۔ البتہ (قصرِ قلب میں اُن دو چیزوں کے درمیان، جن میں سے ایک کی نفی اور دوسری کا اثبات کیا جاتا ہے، تدافع شرط ہے یا نہیں؛ اس مسئلہ میں علمائے معانی کی آراء مختلف نظر آتی ہیں۔ چنانچہ صاحبِ تخلیص تدافع کو شرط قرار دیتے ہیں اور سکاّکی کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ شرط نہیں، بہرحال) جن لوگوں نے تدافع کو شرط قرار دیا انھوں نے اُس صورت میں جبکہ مخاطب دو چیزوں میں سے کسی چیز کا بھی معتقد نہ ہو (قصر کی ایک تیسری قسم) 'قصرِ تعیین' کا اضافہ کیا۔ چنانچہ خطیب قزوینی صاحب تلخیص نے یہی کیا ہے۔ اور سکاّکی نے تدافع سے سکوت کیا تو قصرِ تعیین سے بھی سکوت کیا۔ اور احقر کے نزدیک (اس بحث میں قولِ فیصل یہ ہے کہ قصرِ قلب میں فی الجملہ تدافع ضروری ہے لیکن) تدافع میں

بس اسی قدر منافات کافی ہے جو لفظِ 'اِمّا' بالکسر (جو اَحدالامرین کے لیے ہوتا ہے) کی تردید میں ہوا کرتی ہے، یعنی (تدافع کلی ضروری نہیں، بلکہ) ایسا تدافع ہونا چاہیے جو بہ لحاظِ مقام، متکلم و مخاطب کی گفتگو میں منعقد ہوتا ہے، (بہرحال اگرچہ سکاکی نے تدافع کو شرط قرار نہیں دیا، لیکن) اس کے باوجود (قصر کی تعریف میں سکاکی کا یہ قول کہ: "ثابت کرنا ایک چیز کا، نہ دوسری چیز کا۔ یا ثابت کرنا ایک چیز کا بجائے دوسری چیز کے" باعتبار غرضِ متکلم اور مقصودِ عبارت کے اپنی جگہ صادق و مطرد ہے خارج میں خواہ جیسا حال بھی ہو۔

۱۲۱ ـــــ اور ہماری زیرِ بحث آیت میں ایک اور بات بھی لائق توجہ ہے، وہ یہ کہ (آیت میں ابوت اور ختمِ نبوت کے درمیان تقابل قائم کرکے ابوت کی نفی اور ختمِ نبوت کا اثبات کیا گیا ہے، اور) ابوت بذاتِ خود توریث کو متضمن و مستلزم ہے، پس (اگر ختمِ نبوت بھی توریث کیلئے ہو جیسا کہ قادیانی کہتے ہیں، تو) ابوت اور توریث کے درمیان تقابل قائم (کرکے ایک کی نفی اور دوسرے کا اثبات) کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ اسی طرح آیت کریمہ: وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ[1] میں (رفع سے رفعِ درجات مراد لینا غلط ہے کیونکہ کسی نبی کا شہید اور) قتل ہوجانا بذاتِ خود (اس کے) رفعِ درجات کو مستلزم ہے، اور (اس صورت میں قتل اور رفع کے درمیان) مقابلہ صحیح نہیں، اور نہ اس رفع سے اُس نزول کی، جو حدیث میں وارد ہے، مطابقت صحیح بیٹھتی ہے (قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قتل کی نفی کرکے اُن کے رفع الی السماء کا ذکر کیا ہے اور حدیثِ متواتر میں ان کے نزول من السماء کا ذکر ہے۔ اب اگر رفع و نزول دونوں جسمانی لیے جائیں، جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے، تب تو رفع و نزول کے درمیان مطابقت صحیح ہے، اور اگر مرزائی عقیدہ کے مطابق رفع سے بلندئ درجات مراد لی جائے تو اس کے مقابلہ میں نزول من السماء سے نعوذ باللہ پستئ و ذلت مراد لینا ہوگی)[عہ]

عہ فائدہ زائدہ: حق تعالےٰ نے سُورۂ آلِ عمران میں دو لفظ جمع کیے ہیں توفّی۔ یعنی اپنی چیز کو وصول کر لینا، اور رفع (یعنی اٹھا لینا) اور سُورۂ نساء اور مائدہ میں ان دونوں لفظوں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[1] النساء: ۱۵۷

بخلاف ما زید بشاعر ولکنہ کاتب کے کہ یہاں مقابلہ بہ لحاظ خصوصیّتِ مقام کے ہے (کیونکہ متکلم اور مخاطب دونوں اس پر متفق ہیں کہ زید شعرو کتابت کے دونوں اوصاف سے متصف نہیں، بلکہ صرف ایک وصف اس میں پایا جاتا ہے۔ لیکن متکلم و مخاطب کا اس میں اختلاف ہے کہ زید میں جو وصف پایا جاتا ہے وہ شاعری ہے یا کتابت؛ مخاطب کا زعم ہے کہ وہ شاعری ہے کتابت نہیں، اور متکلم کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ شاعری نہیں بلکہ کتابت ہے۔ اس لیے وہ مخاطب کے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) کو تقسیم کر دیا ہے چنانچہ سورۂ نساء میں ——— لفظ رفع بمقابلہ قتل کے ذکر فرمایا، اور مائدہ میں لفظ توفی بمقابلہ ما دمت فیهم کے ذکر کیا۔ اس تقسیم و مقابلہ سے ان دونوں لفظوں کا مفہوم پورے طور پر واضح ہوگیا کہ آلِ عمران میں توفی کے معنی ہیں "اپنی چیز کو وصول کر لینا اور واپس لے لینا" جو مقابل ہے ان کے درمیان ٹھہرنے اور رہنے کے۔ اور رفع ایک ایسا امر اور ایسی چیز ہے جو قتل کے مقابل ہے۔ اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ توفی اور رفع کا مفہوم اور مصداق الگ الگ ہے) یہ نہیں کہ توفی اور رفع تغایرِ مفہوم کے باوجود مصداق میں متحد ہوں، کہ دونوں سے طبعی موت مراد ہو، کیونکہ (اگر قرآن کریم کا مقصد یہ ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام قتل نہیں ہوئے بلکہ طبعی موت سے مرے تو پھر) قتل کے مقابلہ میں ایسا لفظ آنا چاہیے تھا جو خاص طور سے صرف طبعی موت پر ہی دلالت کرتا، نہ کہ کوئی عام اور مبہم سا لفظ (جس سے طبعی موت کے معنیٰ تیرہ چودہ صدی میں کسی ایک عالم نے بھی نہیں سمجھے) کون نہیں جانتا کہ 'رفع جسمانی' کے لیے تو یہی ایک لفظ 'رفع' ہے۔ جبکہ 'موت' کے لیے یہ لفظ موضوع نہیں۔ بلکہ اس کے لیے دوسرے صریح الفاظ موجود ہیں، کیونکہ اگر 'رفع' کے معنیٰ "ان کے درمیان سے اٹھا لینا اور غائب کر دینا" بھی لیے جائیں تب بھی اس سے خاص موت طبعی کا مفہوم کسی طرح ادا نہیں ہوتا۔

اور 'رفع' کے معنیٰ طبعی موت لینا اس لیے بھی غلط ہے کہ اس صورت میں، لفظ 'رفع' 'نزول' کے مطابق نہیں رہتا۔ حالانکہ حدیث میں 'نزول' 'رفع' کے مقابلہ میں بطور صنعتِ طباق کے آیا ہے (یعنی قرآن کریم تو اعلان کر رہا ہے کہ یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو ہرگز قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف یعنی آسمان پر اٹھا لیا۔ ادھر حدیث متواتر آپؑ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

زعم کو رد کرنے کے لیے قصرِ قلب کے طور پر کہتا ہے کہ زید شاعر نہیں، بلکہ وہ کاتب ہے، اس تقریر سے معلوم ہوا کہ بہ لحاظ خصوصیت مقام کے شاعری اور کتابت کے درمیان تدافع اور تبادُل فریقین کو مسلّم ہے، لہٰذا مقابلہ صحیح ہے) مختصر یہ کہ یہ ترکیب (جس میں 'لکن' سے قبل نفی اور مابعد اثبات ہو) لامحالہ مقابلہ کے لیے ہے، باعتبار دلالتِ وضع کے بھی، اور باعتبار افادۂ عبارت از جانب متکلم کے بھی۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) نزول من السماء کا اطلاق کر رہی ہے اب اس 'رفع' اور 'نزول' کو آمنے سامنے رکھ کر دیکھو تو کون کہہ سکتا ہے کہ آیت میں 'رفع' کے معنی 'طبعی موت' کے ہیں)

اور سیاقِ کلام سے ظاہر یہ ہے کہ قرآن کریم دراصل اُس سبب کو بیان کرنا چاہتا ہے جس کی وجہ سے لوگوں پر اصل واقعہ مشتبہ ہو کر رہ گیا (چنانچہ قرآن کریم نے پہلے تو یہود کا یہ بے بنیاد دعویٰ نقل کیا کہ "انھوں نے مسیح بن مریم رسول اللہ کو قتل کر ڈالا" پھر اُن کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ "انھوں نے نہ تو آپؑ کو قتل کیا، نہ صلیب دی، بلکہ انہیں اس معاملہ میں اشتباہ اور دھوکا ہوا، اور اسی اشتباہ کا کرشمہ ہے کہ جو لوگ اس بارے میں مختلف باتیں بناتے ہیں وہ شک شبہہ کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں، انہیں حقیقت واقعیہ کی کچھ بھی خبر نہیں، وہ محض اٹکل پچو قیاس آرائیاں کر رہے ہیں"

اب اس کے بعد موقعہ تھا کہ انہیں کھول کر بتا دیا جائے کہ ان لوگوں کے اشتباہ و حیرانی کا منشا دراصل کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ یعنی لوگوں کے حیرت و اشتباہ میں مبتلا ہونے کا اصل سبب یہ ہے) کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل نہیں ہوئے تھے بلکہ اس کے بجائے انہیں اٹھا لیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ طبعی موت کبھی اشتباہ کا موجب نہیں ہوتی، (ہر شخص سر کی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے کہ فلاں شخص مر چکا ہے) اشتباہ کا موجب اگر تھا تو موت سے قبل آپ کا گم پایا جانا ہو سکتا تھا۔ اور (اسی کو قرآن نے بلْ رَّفعه اللّٰه اليه کہہ کر ذکر فرمایا۔ پس اگر 'رفع' کے معنیٰ طبعی موت کے لیے جائیں تو چونکہ موت سے قبل کی گمشدگی (جو موجب اشتباہ تھی) یہاں مذکور نہیں (تو گویا قرآن کریم نے اشتباہ کا اصل

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۲۲۔ ـــــ پھر کسی کی مُہر استعمال کرنا خیانت ہے، مُہر کو خود صاحب مُہر استعمال کیا کرتا ہے، اور اس کی مُہرِ خاص دوسرے کے لیے جائز نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے آپؐ کے نقش پر نقش بنانے سے ممانعت آئی ہے[۱]۔ اس تقدیر پر کہ مہر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ہوں صاحب مُہر حق تعالےٰ شانہٗ ہیں اور مہر نبوت محسوس بھی تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر (دونوں شانوں کے درمیان) ثبت تھی[۲]، اور ابو داؤد طیالسی کی روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ 'مہر نبوّت'

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) سبب بیان کرنا چاہا، مگر نعوذ باللہ اس کے بیان کرنے سے قاصر رہا کہ (جو چیز موجب اشتباہ تھی اس کو ذکر نہیں فرمایا اور جس کو ذکر فرمایا وہ موجب اشتباہ نہیں) حالانکہ اصل مقصود کو ترک کر دینا اور اس سے تعرض نہ کرنا اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے کے مرادف ہے اور اصل مقصود کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر کی غیر متعلق باتوں کو لے دوڑنا بلاغت نہیں، بلکہ کوتاہ بیانی اور مافی الضمیر کے ٹھیک ٹھیک اظہار سے عجز و درماندگی ہے۔ (تعالی اللہ عن ذالك علوًّا كبيرًا)

اور (پھر یہاں آیت کریمہ میں تو 'قتل' اور 'رفع' کے درمیان تقابل قائم کرکے اول الذکر کی نفی اور مؤخر الذکر کا اثبات کیا گیا ہے، حالانکہ) 'قتل' کا تقابل لفظ 'موت' کے ساتھ بھی دائمی نہیں (بلکہ موت کا لفظ قتل پر بھی بولا جاتا ہے) چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام قتل ہوئے تھے، مگر قرآن کریم نے اسے 'یوم یموت'[۳] سے تعبیر کیا ہے، (اس سے ثابت ہوا کہ اگر 'رفع' کے معنی 'موت' کے لیے جائیں تب بھی 'قتل' اور 'رفع' کے درمیان تقابل صحیح نہیں لہٰذا 'رفع' کے معنی موت کسی طرح نہیں ہو سکتے، بلکہ 'رفع جسمانی' کے معنی متعین ہیں، ورنہ قتل کی نفی اور 'رفع' کے اثبات کے کیا معنی تھے؟

الغرض قرآن کریم نے وجہ اشتباہ کو ذکر فرمایا۔ اور (وجہ اشتباہ تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اُٹھا لیا جانا) اسی مقصد کے لیے قتل کی نفی کرتے ہوئے 'یقیناً' کا لفظ بڑھایا؛ ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری بیان کرنا قرآن کریم کا مقصد نہیں۔ موت طبعی (موجب اشتباہ نہیں ہو سکتی کیونکہ موت) تو اس وقت تک (قادیانی ملاحدہ کے نزدیک بھی واقع) نہیں ہوئی تھی، اور زمانۂ مابعد کی موت کو (اگر وہ بالفرض واقع ہوئی ہوتی) اس اشتباہ میں کیا دخل تھا؟ (کہ اس کا تذکرہ کیا جاتا) موت دنیا میں سبھی کو آتی ہے، اس سے آخر کونسا اشتباہ

---

[۱] مشکوٰۃ ص ۳۷۷ [۲] مشکوٰۃ ص ۵۱۷ [۳] مریم: ۱۵

دراصل اس امر کی علامت تھی کہ نبوت آپؐ پر ختم ہو چکی۔ یہ نہیں کہ آپؐ سے بعد والوں کے لیے ہوتی، کیونکہ وہ تو آپؐ پر لگائی گئی تھی (اور اگر وہ بعد والوں کے لیے ہوتی تو آپؐ پر نہیں بلکہ ان پر لگائی جاتی)

۲۳ا ــــــ اور خاتم بمعنی مُہر، مُہر شدہ شئے کی حفاظت اور اس میں کسی دوسری چیز کو داخل ہونے سے روکنے کے لیے ہوتی ہے۔ جس کے لوازم میں سے ہے اس کا متعارف ومشہور اور واحد بالعدد ہونا۔ اگر کسی کی مُہر کسی دوسرے کے پاس برآمد ہو تو وہ خائن اور چور ہے، کیونکہ کسی شخص کی مُہر اس کی شخصیت اور نام کے قائم مقام ہوتی ہے۔ خاتم کا لفظ دراصل (مُہر کے معنی میں نہیں بلکہ) مُہر سے عام معنی کے لیے موضوع ہے یعنی وہ چیز جو مُہر کے لیے استعمال کی جائے، مثلاً وہ مٹی جو مُہر کے لیے استعمال ہوتی ہے، زمانۂ قدیم میں رواج تھا کہ لفافے کی پشت پر بیرونی جانب مُہر لگاتے تھے نہ کہ اندر (کے کاغذ پر) بعد ازاں یہ رواج تبدیل ہو گیا (اور لفافے کے اندر کی دستاویز پر مُہر لگانے لگے)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) پیدا ہو جاتا ہے، اشتباہ کا موجب تو وہ رفع جسمانی تھا جو اس وقت وقوع پذیر ہوا خوب سمجھ لو۔

اور چونکہ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ میں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن لوگوں کے درمیان اپنی موجودگی کو بیان فرما رہے ہیں ان سے) ملک شام کے بنی اسرائیل مراد ہیں۔ نہ کہ کسی اور ملک کے لوگ۔ اس لیے اس کے مقابلہ میں جو فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي فرمایا اس تقابل سے اس کی مراد بھی متعین ہو گئی کہ یہاں "توفّی" سے مراد موت نہیں، بلکہ معنی مذکور (یعنی قبض کر لینا اور اپنی چیز کو وصول کر لینا) مراد ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت تو اس ملحد کے نزدیک ایک طویل مدت کے بعد کسی دوسرے ملک (کشمیر) میں ہوئی، (اب اگر "توفّی" سے مراد موت ہوتی تو پھر وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا کے مقابلہ میں فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي ونا غلط تھا، اس کے بجائے فلما سرت الی الکشمیر جیسے الفاظ فرمانے تاکہ تقابل صحیح ہوتا)

ا؎ مسند طیالسی ص ۳۵۴

مہر لگانے کا یہ عمل مجموعی طور پر اس شئے کی حفاظت، اسے سربمہر کرنے اور اس کے تعارف کے لیے تھا اور اس مجموعہ سے اس ملفوف کا معتبر ہونا لازم آتا تھا' یہ نہیں کہ خاتم کا لفظ موضوع ہی اعتبار کے لیے تھا (جیسا کہ قادیانی ملاحدہ نے سمجھا ہے) اور خاتم بمعنی انگشتری بھی اصل نہیں ہے بلکہ فرع ہے جو (آیت ختم نبوت میں) مناسب مقام نہیں ہے۔

۱۲۴ـــــ اور لفظ خاتم قرآن مجید میں باعتبار ماضی کے تھا، اس مخذول نے اس کو مستقبل کے لیے رکھا اور درحقیقت (اس کا مصداق فرد واحد یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی، لیکن اس ملحد کی تعریف کے مطابق) یہ جزئی نہ رہا۔ بلکہ جنس ہو گیا۔ کیونکہ اس کے نزدیک انبیاء سابقین کی اتباع سے نبی بھی ہوتے رہے ہیں اور محدث بھی، پس خاتمیت حضرت خاتم الانبیاء کی خصوصیت نہ رہی اور وہ اپنے ہذیان میں خاتم کو کبھی اجراء کے لیے رکھتا ہے۔ اور کبھی انقطاع کے لیے۔ دیکھیے سودائے مرزا ص ۳۲، رسالہ ترک مرزائیت ص ۸۰ و ص ۴۸، حقیقۃ الوحی ۲۸۔

۱۲۵ـــــ حاصل کلام یہ کہ تحریف انعکاس خارج میں کوئی وجود نہیں رکھتی، بلکہ ایک بے معنی لفظ ہے اس کے باوجود اس تحریف کی بناء پر اس ملحد کا اپنے منکروں کو کافر کہنا خود اس کے حق میں موجب کفر ہے۔ بتعداد منکروں کے کہ کل امت حاضرہ ہے (چونکہ یہ ملحد ایک بے معنی بات کو کفر و ایمان کا مدار ٹھہرا کر کل امت حاضرہ کی تکفیر کرتا ہے۔ اس لیے امت کی تعداد کے مطابق اس کی طرف کفر عائد ہوگا)

اور یہ تحریف کہ "نبوت تشریعیہ کا دروازہ بند ہے، نبوت غیر تشریعی بند نہیں" نص قرآن کے خلاف ہے، کیونکہ 'خاتم' کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے لفظ رسول سے لفظ نبیین کی طرف کلام کو جو تبدیل فرمایا۔ اس سے اصل مدعا اور مطمح فائدہ اسی خصوصیت کا ارادہ تھا کہ صرف صاحب شریعت رسولوں ہی کا نہیں بلکہ عام طور پر تمام نبیوں کا ختم ہونا سمجھا جاتے، خواہ ان کی نبوت تشریعی ہو یا غیر تشریعی، جیسا کہ اس کی تقریر بوضاحت گذر چکی ہے۔

اور خاتم کی یہ تحریف کہ آنحضرتؐ اعتبارِ نبوت کی مہر ہیں جس پر آپؐ کی مہر لگے گی آئندہ وہی نبوت معتبر ہوگی" یہ ان محذوراتِ باطلہ کے ساتھ ساتھ، جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، کلام کے ربط واتساق کے لیے فرت کنندہ ہے۔

اور ظلیت و بروز اور ہمہ قسم دیگر الفاظ سے مراد اگر انعکاس ہے تو اس کا حال گذر چکا کہ یہ ایک بے حقیقت سراب ہے۔ جو سفہاء اور ملاحدہ کو راستہ سے بھٹکانے والا ہے۔ اور اگر کوئی اور چیز ہے تو محض لقلقۂ لسانی اور زبانی جمع خرچ ہے کہ ملحدین اس نوعیت کے دعاوئ بسیطہ اور جہل مرکب سے اپنے مریدوں کی راہ مار کرتے ہیں۔ پس اس شقی کی تمام تحریفات اس کے ہمراہ اس کی قبر میں، کہ ہاویہ ہے، دفن ہوکر رہ گئیں۔ وقالوا الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔

۱۲۶ —— بعد ازاں جاننا چاہیے کہ عالم قدیم بالنوع نہیں، جیسا کہ یہ ملحد (قادیانی) اور اس کا ناخلف (مرزا محمود) نغمہ الاپتے ہیں۔ بلکہ آسمانی دینوں کے عقیدے کے مطابق ماضی و مستقبل دونوں طرف سے محدود ہے۔ کیونکہ مستقبل تمام قوت سے فعل میں آچکا ہے اور مسئلہ تجددِ امثال بھی، جو عارفین کے حقائق میں سے ہے، صحیح اور درست مسئلہ ہے۔ باقی رہا ماضی، پس اگرچہ بداہتِ وہم حکم کرتی ہے کہ وہ غیر متناہی بالفعل ہے۔ اور فیض کا معطل ہونا نامعقول۔ لیکن حقیقت یوں نہیں بلکہ عالم دونوں دونوں جانب سے غیر متناہی بمعنی لایقف عند حدّ ہے، اور بس۔ اس لیے کہ قِدَم کی وسعت کو غیر متناہی حوادث پھیلا پھیلا کر پُر کردینا، جیسا کہ فلاسفہ کا مذہب ہے، غیر معقول ہے۔ کیونکہ اس سے دو باتیں لازم آتی ہیں، حادث زمانی کا ازل میں پایا جانا اور قدیم کا حوادث سے متقوم ہونا (اور یہ دونوں) ناممکن بھی ہیں اور مقدمہ حقّہ ماثبت قدمہ امتنع عدمہ کے خلاف بھی۔ حقیقۃ الامر یہ ہے کہ جب ہم باری تعالیٰ سے

منہ رسالہ ترک ص ۴۴ (مگر ظلی نبوت جس کے معنی ہیں کہ فیضِ محمدیؐ سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی ہے) ص ۲۹/۲۸ حقیقۃ الوحی۔ منہ

زمانہ کو رفع کرلیں ۔ جو عرفاء و عقلائے کے درمیان متفق علیہ ہے ۔ تو حوادث اپنے موطنِ حدوث میں ایک جانب سے آتے اور دوسری جانب جاتے ہیں۔

ع "ازیں در دراٰئے واز پے درخرام"

ہم نے آمد کی جانب کا نام مستقبل اور رفت کی جانب کا نام ماضی رکھ چھوڑا ہے اور بس ، پس ماضی و مستقبل دونوں کوئی حقیقت واقعیہ نہیں رکھتے ، بلکہ محض اعتباری و اضافی ہیں یعنی ہماری بہ نسبت ، کہ ہم خود حادث ہیں ، جو پہلے گذر چکا وہ ماضی ہے اور جو ہنوز پردۂ غیب میں ہے وہ مستقبل کہلاتا ہے۔ اور زمانہ خود بھی کوئی حقیقتِ واقعیہ نہیں رکھتا : بلکہ ایک امر انتزاعی ہے جو حوادث کے تجدُّد اور نو بنو پیدا ہونے اور ختم ہونے سے اخذ کیا جاتا ہے اور بس سبحان الذی یتغیر ولا یتغیر۔ اس حالت میں اگر ارادۂ ازلیہ کسی حادث کے پیدا کرنے سے متعلق ہو جائے تو وہ حادث اپنی حقیقت کے مقتضیٰ کے مطابق عالم میں آموجود ہوگا تاکہ انقلاب حقائق لازم نہ آئے ، جیسا کہ واجب تعالےٰ اگر کسی مخلوق کو پیدا کریں تو لامحالہ وہ چیز ممکن ہوگی نہ کہ واجب ۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ عالم کا ہر فرد تو حادث ہو، مگر مجموع من حیث المجموع قدیم ہو۔ بلکہ یہاں کلِّ افرادی اور کُلِّ مجموعی کا حکم یکساں ہے۔

۱۲۷ ــــــ اور جب حکمائے نے تصریح کر دی کہ جس چیز کے لیے بدایت ہے اس کے لیے نہایت بھی لازم ہے ۔ اور دوامِ مستقبل کا ہم نے جواب دے دیا ہے کہ وہ صرف تجدُّدِ امثال ہے ، تو حدیثِ نبوی کے مطابق عمارتِ نُبوّت بھی آغاز و انجام رکھتی ہے کہ اسے آدم علیہ السّلام سے شروع کر کے حضرت خاتم الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم پہ جو اس عمارت کی آخری اینٹ ہیں ، ختم کر دیا گیا ۔ اور اب تو صرف اس امر کی انتظار ہے کہ عالَم کے کوچ کا نقارہ بجا دیا جائے ۔ گویا نظامِ عالم کی مثال ایک ایسے جلسہ کی تھی جو مجلسِ استقبالیہ کے طور پہ منعقد ہوا ، اور صدرِ جلسہ کی آمد آمد کا اعلان ہوا ، چنانچہ (حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا :) "اور میں خوشخبری سُناتا ہوں ایک رسول کی ، جو میرے بعد آئے گا ۔ اس کا نام نامی 'احمدؐ' ہوگا۔"[1] اور صدرِ کبیر کی تشریف

---

[1] الصف : ۶

آور ہی ہوتی، انھوں نے خطبہ پڑھا اور جلسہ برخاست کر دیا گیا۔ لہ

۲۸ الف-۱- احقر ایک نعت میں کہتا ہے: اے وہ ذات! جو اللہ تعالےٰ کی عطا کردہ سراپا رحمت ہے، بارش کی طرح اور سمندر کی مانند برسنے والا بادل ہے۔

۲- آپؐ کی معراج سات آسمانوں اور کرسی تک ہوتی، عرشِ بریں آپؐ کے قدموں کا فرش، اور سدرہ تخت گاہ ہے۔

۳- جہان کی چوٹی پر آپؐ کے پاؤں کا نقش ثبت ہوا، آپؐ صدر کبیر بھی ہیں اور بدر منیر بھی۔

۴- رسولوں کے ختم کنندہ، راستوں کے لیے ستارہ، ہدایت کی صبح، واللہ آپؐ بشیر ہیں اور الحق کہ آپؐ نذیر ہیں۔

۵- میدان محشر میں حضرتِ آدمؑ اور اولادِ آدمؑ آپؐ کے جھنڈے کے سائے میں ہوں گی کہ آپؐ ہی امام و امیر ہیں۔

لہ اسمہٗ احمد کا مصداق وہ ذات گرامی ہے جس کے ذریعہ دنیا نے یہ نام، اور اس کے ساتھ نام رکھنا سیکھا، آپؐ کا یہ اسم مبارک بمنزلہ لقب کے ہے، اور محمدؐ بمنزلہ اسم محض کے ــ آیت میں اسی مقصد کے لیے، یعنی لقب مبارک۔ احمدؐ۔ کی اطلاع دینے کے لیے اسمہ کا لفظ بڑھایا گیا، اسی طرح یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ اسْمُہٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا (سورہ مریم:۷) میں یحییٰ کا اسم مبارک بمنزلہ لقب کے ہے، ورنہ آپ کی قوم میں آپؐ کا نام 'یوحنا' مشہور تھا، اور اسی نہج پر یہ آیت ہے، اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ اسْمُہُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ الایۃ (آل عمران: ۴۵) 'مسیح' لقب گرامی ہے۔ ان آیات سے مقصود ان اسمائے لقبی کی اطلاع دینا ہے، تاکہ یہ اسمائے مبارکہ بھی قوم کو معلوم ہو جائیں۔ اور تم نے یہ مسئلہ کہ اسم، مسمّٰی کا عین ہوتا ہے یا غیر؟ سمجھ رکھا ہے تو معلوم رہے کہ ان آیات میں اسم، مسمّٰی کا غیر ہے، اور آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ (الفتح: ۲۹) میں عین ہے۔ خوب سمجھ لو۔ منہ

۶۔ ایسا یکتا، جو ہر دائرہ یکتا کا مرکز ہو، مرکزِ عالم تک آپؐ کی ذات گرامی ہے اسے بے مثل و بے نظیر۔

۷۔ آپؐ کی اس اُمّت میں کوئی شخص نہیں جو احقر کی طرح کالا منہ اور سفید بال لے کر آیا ہو۔

۱۲۹ ۱۔ میں نے تجھ سے صحیح اور سچی بات کہی ہے، تاکہ تو راہ چلنے میں سست نہ رہے۔

۲۔ اے مخاطب! مجھے میرے درد میں تنہا نہ چھوڑ! کیوں کہ یہ دین میرا اور تیرا مشترک دین ہے۔

۳۔ اہلِ حق کے لیے ہمیشہ فتح قریب ہے۔ بس ہمت مردانہ سے کام لینا چاہیے۔

۴۔ میں اور تُو تو درمیان میں محض بہانہ ہیں، ورنہ اوّل و آخر سب کچھ وہی ہے۔

۵۔ دیکھو کہ اس ویرانۂ دنیا میں پھول اور کانٹے باغ میں یکجا پیدا ہوتے ہیں۔

۶۔ شبِ تاریک میں مشک تاتاری کو گم نہیں کیا اُس شخص نے جس نے (اس کی) خوشبو کو تلاش کر لیا۔

۷۔ کل ہاتفِ غیب نے میرے کان میں کہا کہ یہ دو حرفی بات یاد رکھو۔

۸۔ حق کا جھنڈا بلند ہمیشہ رہے گا۔ عاجز بندہ کے ہاتھ میں رہے گا۔

۹۔ جس نے اپنے مقصد میں کامیابی کا ارادہ کیا وہ اگر مقصد کو پہنچا تو راہِ راست ہی سے پہنچا۔

۱۰۔ اے رب! اس بندۂ ملامت کو قیامت کے دن بائیں راستے نہ لے جائیو۔

۱۱۔ بطفیل حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلّم کے جو انبیاء کے ختم کرنے والے رسول اور نبی ہیں۔

۱۲۔ آپؐ عالم کے امام بھی ہیں اور خاتم بھی، آپؐ پر حق تعالیٰ کی جانب سے بیشمار درود و سلام۔

۱۳۔ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں، سرتاپا رحمت، پیدائش میں سب سے اوّل

اور بعثت میں سب سے آخر۔

۱۴۔محشر میں تمام مخلوق کے سردار، کائنات کے آقا اور تمام مخلوق سے بہتر۔

۱۵۔بروزِ قیامت آپؐ ہی صاحب حمد اور خطیب ہوں گے، آپؐ کی حمد ہی سے مقامِ محمود اور لواء الحمد کی عظمت عیاں ہوگی۔

۱۶۔آدم علیہ السلام اور ان کے سوا ساری مخلوق بغیر فرق کے آپؐ ہی کے جھنڈے تلے ہوگی۔

۱۷۔نبوت کے فاتح و خاتم آپؐ ہیں، رفعت و بلندی کا مبداء و منتہا آپؐ ہیں۔

۱۸۔جو جلسہ کہ اہم امور کے لیے منعقد ہوا وہ صدر جلسہ کا منتظر تھا اور پھر خاتمہ ہے (یعنی آپؐ کی آمد کے بعد بس بساطِ عالم لپیٹ دینے کا وقت ہے)

۱۹۔اہلِ عرف (جو کسی عالم کو خاتم المحدثین کہہ دیتے ہیں وہ) اس ختمیت کو نہیں سمجھتے، کیونکہ اول سے ہی نظام کو نہیں جانتے۔

۲۰۔چونکہ آپؐ مراتبِ جود میں فاتح تھے، وہی وجود کا ایک موطن تھا

۲۱۔خاتم کمال ہونا بجائے خود ایک اعلیٰ درجہ کا شرف ہے اس کو نقص کہنا الحاد ہے۔

۲۲۔تمام سابقین کا آپؐ کی قیادت میں ہونا آپؐ کی سیادت کے لیے کافی ہے۔

۲۳، ۲۴۔چونکہ آپؐ کمالات میں منتہٰی تھے، اس لیے عالم ظہور میں اس کی یہ علامت ٹھہری کہ تمام سابقین آپؐ کے جلو میں ہوں اور آپؐ کے بعد کوئی آپؐ کے منصب کو پانے والا نہ ہو۔

۲۵۔جب کوئی صاحبِ اختیار اپنے کام کو ختم کر دے تو کیا یہ اس پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ یہ تو نقص ہے؟

۲۶۔پہلے جو کچھ تھا بطورِ تمہید تھا، آخر وہ غایتِ کمال اور مقصدِ تخلیقِ کائنات آ پہنچا

۲۷۔۔۔یہ بدیہی بات ہے کہ ختم کمال بذات خود کمال ہے اس میں سوال و جواب اور چون وچرا کی گنجائش نہیں۔

۲۸۔۔۔یہ کمال اگر (کسی کج فہم کے نزدیک) کسی دوسرے کمال کے معارض ہے (تو ہوتا رہے) متلاشئ حق کے نزدیک یہ عیب نہیں بلکہ ہنر ہے۔

۲۹۔۔۔منصبِ نبوّت محض عنایتِ خداوندی سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ تولید سے کہ پریشانی کا موجب ہوتا۔

۳۰۔۔۔حق تعالےٰ کی جانب سے منصب نبوت پر فائز کیا جانا حصول نبوت کی شرط ہے: جیسا کہ خلیفہ کا تقرر بیعت سے ہوتا ہے۔

۳۱-۳۲۔۔۔یہی معنیٰ ہیں اس حدیث کے کہ "جس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا اس کی موت جاہلیت کی موت ہے"۔[1] یعنی خلیفہ کی بیعت کے بغیر وہ احمق جنین کی طرح جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔

۳۳۔۔۔آپؐ نے ایسے شخص کے لیے جاہلیت کا عنوان اس لیے اختیار فرمایا کہ ایسا شخص اہل جاہلیت کی طرح ہدایت سے بے بہرہ ہے۔

۳۴۔۔۔اہلِ جاہلیت کے یہاں ایسی امامت معروف نہ تھی کہ اسکا موصوف تلاش کیا جائے۔

۳۵۔۔۔سلسلہ سلطنت جاری ہو جانیکے بعد غلط فہمیوں کی بناء پر تجھے یہ تشریح بعد از فہم نظر آتی ہے۔

۳۶۔۔۔اس کے سوا اس حدیث سے کوئی باطنی معنیٰ مقصود نہیں، امام سے مراد وہی خلیفۂ معہود ہے

۳۷۔۔۔نبی سے تھا لحاظ استحقاق کا۔۔پس اشکال سے رستگاری حاصل ہوتی۔

۳۸۔۔۔بہت سے برخود غلط دعی امامت کے جھوٹے دعویدار ہوتے ہیں۔اس سلسلہ میں حق شناسی تیرا کام ہے۔

۳۹۔۔۔پھر ہر شخص اپنے ذوق پر نہیں چلا کرتا، اور زمانہ کے اہل حل وعقد سے

---

[1] کنزالعمال ج ۶ ص ۳۳ مطبوعۂ حیدرآباد دکن ۱۳۷۷ھ

سرتابی نہیں کیا کرتا۔

۴۰۔ انبیاء کرامؑ کی سیرت فطرت پر ہوتی ہے، ان کے یہاں فلسفہ آرائی، بناوٹ اور حرص و آز نہیں ہوتی۔

۴۱۔ مگر اس کو وہی شخص جانے جو کسی چیز کی تمیز رکھتا ہو اور انبیاء کرامؑ کے علم و عمل کا دوسروں سے امتیاز کر سکے۔

۴۲۔ پس قرآنِ کریم سے انبیاء کرام کا طریق، جو اُمتوں کے ساتھ ان کے سوال و جواب میں مذکور ہے، معلوم کرو گے تو تمہیں اُن کا طریق مبنی بر توکّل نظر آئے گا۔

۴۳۔ انہیں نہ سامانِ دنیا جمع کرنے کی فکر ہوتی ہے، نہ ان کی باتوں میں تناقض ہوتا ہے، نہ لاف و گزاف اور نہ مکر و فریب۔

۴۴۔ ان کا سب کچھ دین کے لیے ہوتا ہے، صبر و اخلاص اور یقین ان کا طریق ہے۔

۴۵۔ خدا کا فضل، سرایت کا مسئلہ نہیں، نبوت بھی بجز عنایت کے حاصل نہیں ہوتی۔

۴۶۔ نبوّت بارگاہِ رحمانی کا فضل ہے، جیسا کہ بادشاہ کی جانب سے لقب یا خطاب ملتا ہے۔

۴۷۔ اور وہ لقب چونکہ بذاتِ خود نہایت عالی شان تھا، کمالات سے اور بھی دو بالا ہو گیا۔

۴۸۔ بغیر مادّہ کے بلا مثال پیدا کرنا بھی قدرت میں ہے۔ ہمیشہ مادّہ و صورت کے ساتھ ہی اشیاء کا وجود وابستہ نہیں۔

۴۹۔ پس حق تعالےٰ کی جانب سے کسی کو منصب نبوت پر فائز کرنے سے نبوت ملتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ حق تعالےٰ کے ارشادِ "کُن" سے

چیزیں وجود پذیر ہوتی ہیں۔

۵۰۔ اور یہ نہ سمجھنا کہ نبوت محض لقب دینے کا نام ہے، نہیں! بلکہ میں نے جو کچھ کہا یہ سب تقریب الی الفہم کے لیے ہے۔

۵۱۔ نبوت اور کمالات نبوّت کے درمیان، از روئے تحقیق، نوعی اختلاف ہے۔ (کہ نبوّت اور کمالات نبوّت الگ الگ چیزیں ہیں پس نبوت تو بند ہے کمالات نبوت جاری ہیں)

۵۲۔ اس نے فاتح و خاتم ایک ہی شخصیت کو بنایا۔ تجھے خدا پر ایمان ہے یا کہ اس سے جنگ ہے؟

۵۳۔ فتح و ختم دونوں اس کی مشیّت سے وابستہ ہیں، اے ایمان دوست! اس میں چون و چرا کیسی؟

۵۴۔ مشیّت کا تعلق تمام زمانوں کے ساتھ یکساں ہے، پس اس میں زمانوں کا کیا سوال ہے (پس خدا نے جب تک چاہا نبوت کو جاری رکھا، اور جب چاہا بند کر دیا)

۵۵۔ تمام انبیاء سابقین آپؐ کے جھنڈے تلے ہیں، بس اس سے زیادہ تجھے کیا بحث، ہے۔

۵۶۔ نبوّت کسبی ہے یا کہ وہبی، اس فضول بحث سے تیرا کیا مطلب ہے (جبکہ نبوّت کا دروازہ ہی بند ہے تو ظاہر ہے کہ نبوت نہ کسب سے حاصل ہو سکتی ہے نہ موہبت سے)

۵۷۔ جا! تو آپؐ کی سیادت پر ایمان رکھ، خدا کا کام خدا پر چھوڑ دے۔

۵۸۔ خصائص میں شرکت کیسی؟ وہبی کمالات سے کسبی کمالات کو کیا مناسبت؟

۵۹۔ جس نے کہا کہ "نبی ساز ہے" وہ مشیّت الٰہی میں شریک بننا چاہتا ہے (کہ خدا کی مشیّت کے خلاف وہ نبوت کو جاری رکھنا چاہتا ہے)

۶۰۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سب سے پہلے تشریف لاتے ہوتے تو شاید یہ بات درست ہوتی، مگر آخر میں نہیں۔[1]

---

[1] اس شعر کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اس امت کے اندر دور اوّل میں کوئی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۶۱۔ولایت چونکہ نبوت کا جزءِ اخیر ہے، اس لیے اسے شاہی انتخاب سے بھی برتر سمجھو۔

۶۲۔اگر اب بھی تم نے اس مقام کو نہیں سمجھا تو پھر قصۂ آدم و ابلیس پر غور کرو (ابلیس کو یہی اعتراض تھا کہ آپ نے آدم کو کیوں چن لیا، کمالات تو مجھ میں زیادہ ہیں۔)

۶۳۔البتہ ولایت جو کہ نبوت کا گویا ایک شعبہ اور جزو ہے، وہ اُمت کو نصیب ہے (مگر اس جزء کے حصول سے آدمی ’ولی‘ تو بن سکتا ہے، مگر نبی تو نہیں بن سکتا۔)

۶۴۔لیکن نبوت کا خطاب اور لقب جو حق تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوتا ہے اس میں قطعاً شراکت نہیں،

۶۵۔نبوت کے علاوہ اگر کوئی کمال حاصل ہو تو انکار نہ کرو، کیونکہ وہ خطابات میں سے نہیں، نہ وہ القاب میں سے ہے۔

۶۶۔قطب الولایت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے، انھوں نے فرمایا کہ ”اے انبیاء کرام کی پاکیزہ جماعت! تمہیں لقب دیا گیا ہے۔“

۶۷۔’فتوحات[1]‘ میں یونہی نقل کیا ہے اور ’یواقیت[2]‘ میں ایک لفظ زیادہ کیا ہے

۶۸-۶۹۔اور یہ جو اس کے بعد فرمایا کہ ”ہمیں وہ چیز دی گئی جو تم کو نہیں دی گئی“۔ اس سے مراد وہ حصہ ہے جو نبوت سے نیچے کی سطح کا ہے۔ یعنی تمہاری تقسیم کے وقت جو کچھ پیچھے رہ گیا تھا، وہ عنایت الٰہی نے ہمیں عطا کر دیا ہے۔

۷۰۔حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے حق پر قائم رکھے اور مجھے آنحضرتؐ کی نسبت اُمتی کی طرح شمار کرے (گو کہ اُمتی کہلانے کے بھی لائق نہیں)

۷۱۔آپ کے دین کی شوکت فراواں ہو جیو، تاکہ بندہ، بندِ غم سے آزاد ہو جائے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) نبی پیدا ہوا ہوتا تب تو واقعی آپؐ کو نبی ساز کہنا درست ہوتا، مگر جب تیرہ سو سال تک اُمت میں کوئی نبی نہیں ہوا تو صرف مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت سے آپؐ کا نبی ساز بن جانا کسی طرح بھی درست نہیں، بلکہ یہ بداھۃً مدعی نبوت کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے۔

[1] باب، ج ب ۱۵، ص ج [2] الیواقیت والجواہر للشعرانی ص صـ۳۹/۲

۱۳۰ —— یہاں پہنچ کر انبیاء کرام کی سیرت مقدسہ کا قرآن کریم اور کتب خصائص و سیر سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ قرآن حکیم میں جو کچھ ان کے خطاب (سوال) وجواب کے سلسلہ میں آتا ہے اسے بغور پڑھو تو معلوم ہوگا کہ کس طرح ان حضرات کے معاملہ کی بنیاد امور ذیل پر قائم تھی، یعنی توکل و یقین، صبر و استقامت، اولوالعزمی و بلند ہمتی، وقار وکرامت، انابت و اخلاص، فضل و اختصاص، یقین کی خنکی اور سینے کی ٹھنڈک، سفیدۂ صبح کی طرح انشراح و اعتماد، صدق و امانت، مخلوق سے شفقت و رحمت، عفت و عصمت، طہارت و نظافت، رجوع الی اللہ، وسائل غیب پر اعتماد، ہر حال میں لذات دنیا سے بے رغبتی، سب سے کٹ کر حق تعالیٰ شانہٗ سے وابستگی، سامان دنیا سے بے التفاتی۔ مال و دولت سے بے توجہی، علم و عمل کی وراثت جاری کرنا اور مال و متاع کی وراثت نہ جاری کرنا۔ چنانچہ ارشاد ہے: "ہم وارث نہیں بنائے جاتے جو کچھ ہم چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ ہے"[1] ترک فضول اور اس سے زبان کی حفاظت، ہر حالت اور معاملہ میں حق کا ساتھ دینا اور اس کی پیروی کرنا، ظاہر و باطن کی ایسی موافقت کہ اس میں کبھی بھی خلل اور رخنہ واقع نہ ہو۔ انہیں اتمام مقصد کے لیے باطل عذر، فاسد تاویلات اور حیلے بہانے تراشنے کی ضرورت نہیں ہوتی (کیونکہ یہ کذابوں کا سرمایہ اور نقد وقت ہے، چنانچہ کہا گیا ہے) کہ: "کسی شخص نے کبھی اپنے دل میں کوئی بات نہیں چھپائی، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے رخسارے کے صفحات اور اس کی زبان کی لغزش سے صادر شدہ الفاظ میں اسے ظاہر کر ہی دیا۔" اور ان حضرات کے کسی بھی معاملہ میں تہافت و تساقط اور تعارض و تناقض راہ نہیں پاتا، بلکہ پردۂ غیب اور کمین گاہِ قضاء و قدر سے ان کے سامنے حق اس طرح کھل جاتا ہے جس سے پوری طرح شرح صدر ہو جائے۔ انہیں اطلاعات الٰہیہ اور مواعید رب ذوالجلال کے پورا ہونے میں کبھی رجوع اور تبدیلی خیال کی ضرورت نہیں ہوتی۔ (جس طرح مرزا محمدی بیگم انجامِ آتھم، ڈاکٹر عبدالحکیم کی موت وغیرہ وغیرہ میں بھٹکتا رہا) ان کے باطن کے پاک اور طبیعت کے پاکیزہ ہونے کی وجہ سے ان کی روش میں ایسی یکسانیت ہوتی ہے کہ

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۵۔ مشکوٰۃ: ص ۵۰۵

تعارض و توفیق میں کسی حیلے بہانے کی حاجت نہیں ہوتی، جانبِ خدا کو جانبِ اغراض پر ترجیح دینا، مادی علائق اور رشتوں سے بے تعلقی اور اعراض، تمام حوادث و پیش آمدہ حالات میں حمد و شکر، یادِ حق اور ذکر الٰہی میں ہمہ دم مشغول رہنا، ربّ العالمین کے زیرِ عنایت علم لدنی کے ذریعہ فطرت سلیمہ کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کہ جس میں کسی قسم کی فلسفہ آرائی، اختراع اور تکلّف کا شائبہ نہ ہو۔ تسلیم و تفویض، عبدیتِ کاملہ، طمانیتِ زائدہ، استقامتِ شاملہ، ان کے دین کا تمام ادیان پر غالب آنا اور ان کے ذریعہ ایمان اور خصائلِ ایمان کا چار دانگ عالم میں پھیل جانا۔ ان حضرات نے دنیا میں رہ کر کبھی چاپلوسی کا راستہ نہیں لیا، اور کیا مجال کہ کفار و جبابرہ کے مقابلہ میں اپنی ایک بات سے بھی کبھی تنزل فرمایا ہو، یا فراعنہ کی تخویف و تہدید اور ان کے ہجوم کی بناء پر اپنے راستہ سے انحراف کیا ہو، یا حرص و طمع اور سامانِ دنیا جمع کرنے کا معمولی دھبہ بھی ان کے دامنِ مقدس تک پہنچا ہو، یا حرص و ہوا اور حُبِّ ما سوا نے کبھی انہیں اپنی طرف کھینچا ہو، اور ممکن نہیں کہ ان کے آپس میں علم و عمل کا اختلاف ہوا ہو، یا ایک دوسرے پر ردّ و قدح یا ایک دوسرے کی ہجو اور کسرِ شان کی ہو، نا ممکن ہے کہ انہیں اپنے کمالات پر کبھی ناز اور عُجب ہو، یا وہ اپنے تمام حالات میں کبھی بھی کبر و تعلّی اور نفس کے فریب میں مبتلا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ جو کچھ بھی تھا عطیاتِ ربّانیہ سے تھا۔ انسانی کسب و ریاضت کے دائرے میں نہیں تھا۔ ارشادِ خداوندی ہے "اللہ خوب جانتا ہے جہاں رکھتا ہے اپنے پیغام[1]" نیز ارشاد ہے: "لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے"[2]

پہلی آیت میں نبوّت و رسالت کو ایک امر ایجابی یعنی علم الٰہی کے حوالے فرمایا۔ اور دوسری آیت میں ایک امر غیر ایجابی یعنی مشیّت خداوندی کے ——— اور پیشتر دیکھا گیا ہے کہ جو امور کہ حق تعالیٰ کی جانب سے تخصیص اور اصطفاء و اجتباء کے باب سے ہوں، وہ ارادۂ الٰہی کے حوالے کیے جاتے ہیں، جس میں اس امر پر تنبیہ ہوتی

---

[1] الانعام: ۱۲۴ [2] آل عمران: ۱۷۹

سے کہ یہ امور کسبی نہیں ہیں۔

۱۳۱ــــــ مخفی نہ رہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی جو اجمالی سیرت اوپر لکھی گئی ہے یا کسی دوسرے نے کچھ اور چیزیں لکھی ہیں ان سے یہ نہ سمجھنا کہ حقیقت نبوت بس اسی قدر ہے اور یہ کہ جو کچھ علماء نے لکھ دیا ہے وہ حقیقت نبوت کی تفہیم کے لیے کافی ہے۔ اور نبوت کی حقیقت وہ بھی نہیں جس کو یہ مخذول اصرار و تکرار کے ساتھ بیان کرتا ہے اور درحقیقت علماء سے سیکھ کر چکی چلاتا ہے کہ "نبوت عبارت کثرت مکالمہ الٰہیہ سے ہے" بلکہ یہ تمام امور نبوت کی ادھوری سی علامات ہیں جو راستہ کا پتہ نشان دیتی ہیں، اور کچھ سراغ بتاتی ہیں۔ ورنہ حقیقتِ واقعیہ کو سوائے انبیاء کرام کے، جو خود موصوف بہ نبوت ہیں، کوئی دوسرا نہیں جانتا، نہ کسی کی مجال اور طاقت ہے کہ اس قسم کے امور الٰہیہ کی کنہ تک پہنچ سکے اور ان معاملات الٰہیہ و مقاماتِ ربانیہ تک اس کی رسائی ہو سکے۔ اس مضمون کو فتوحات باب ۳۰۲ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ "پس نبی کی آنکھ مشاہدۂ نبوت کے لیے کھلی ہے، اور ولی کی آنکھ مشاہدۂ ولایت کے لیے کھلی ہے اور مشاہدہ نبوت سے بند ہے۔ الخ "کسی کو خبر نہیں کہ اس دوست کی منزل گاہ کہاں ہے، بس اس قدر ہے کہ گھنٹی کی آواز آتی ہے" جس طرح کہ صلصلۃ الجرس (وحی کی حقیقت نہیں بس ایک علامت تھی)

۱۳۲ــــــ احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت ایک ایسی حقیقت ہے جو بہت سے اجزاء رکھتی ہے، مگر ان اجزاء کی تفصیل نہیں بتائی گئی، ہاں! ان میں سے بعض اجزاء پر انقطاع کا حکم (ضرور) فرمایا ہے، اور مبشرات کے قبیل سے کچھ حصہ باقی ہے اور یہ حکم باعتبار جزء اخیر علت تامہ کے ہے، ورنہ وہ تمہیدی کمالات کہ نبوت ان کی کرسی پر جلوہ آرا ہوتی ہے، یا مانند صورت مادہ پر، یا مثل حروف صاف تختی پر منقش ہوتی ہے یا مثل مشروط موقوف شرط و موقوف علیہ پر مرتب ہوتی ہے وہ کمالات جاری و ساری ہیں اور آیت کریمہ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین[1] مع آیت کریمہ فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین[2]

---

[1] الفاتحہ [2] النساء: ۶۹

میں جس انعام کا ذکر ہے اسے ویسا ہی سمجھنا چاہیے جیسا کہ آیت: وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ[1] میں مذکور ہے، اور معیت ایسی سمجھنی چاہیے جیسی حدیث: اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ[2] میں اور آیت: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ[3] میں مذکور ہے۔ اور خود آیت بالا میں فرمایا ہے: وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا۔ اور اس آیت نساء کو موضح القرآن میں خوب سمجھایا ہے کہ چھوٹوں کو بڑوں کے ساتھ رکھتے ہیں، جس طرح کہ خدام کو امراء کے ساتھ، کیونکہ صدر کلام میں اطاعت مذکور ہے جو اوّل مرحلہ ہے۔ اور انہی کمالات کی سرایت ہے جس نے اس جہول و مخذول (مرزا غلام احمد قادیانی) کو راستہ سے بھٹکا دیا، اور (ان کے متعدی ہونے کو اس نے از راہِ حماقت) نبوت کا متعدی ہونا سمجھ لیا۔

۱۳۳۔۔۔۔۔ اگر کوئی شخص فلسفہ بگھارتے ہوئے یہ کہے کہ ایک ہی حقیقت ہے جو (انبیاء کرام میں پائی جائے تو وہ نبوت کہلاتی ہے اور وہی جب غیر انبیاء میں (پائی جائے تو) ولایت کی طرف تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وحی و الہام، عصمت و محفوظیت اور معجزہ و کرامات (کو سمجھنا چاہیے) جس طرح کہ سورج کی روشنی (ضیاء) چاند کے کرہ میں پہنچ کر نور بن جاتی ہے یا جس طرح کہ اشیاء خارج میں اعیان ہیں، ذہن میں صورتیں ہیں، اور آئینوں میں عکس ہیں۔ یا جس طرح کہ ایک ہی نوع کے اشخاص کے وجودات میں باہمی تفاوت ہے، جس کے رفع کرنے کی تمنا کرنا جہل ہے۔ یہ فلسفہ آرائی بھی چنداں قابلِ وثوق و لائقِ اعتماد نہیں کیونکہ تمام اشیائے مذکورہ مرتبۂ قطعیت سے گر کر مرتبۂ ظنیت میں آگئی ہیں، گویا وجوب سے امکان کی طرف پہنچ گئی ہیں۔ پس (اس قدر بیّن تفاوت کے بعد یہ فیصلہ کرنا کہ) یہ اختلاف عوارض کا اختلاف ہے؟ یا اختلافِ حقیقت؟ اور ان تمام اشیاء کا تفاوت آیا اسی طرح کا ہے جس طرح کہ اتحادِ حقیقت کے باوجود کسی نوع کے اشخاص میں تفاوت ہوا کرتا ہے یا کیا صورت ہے؟ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی اصل کُنہ کو علام الغیوب کے سوا کوئی نہیں جانتا ۔۔۔ کیا تم جانتے نہیں کہ ایمان میں کمی بیشی کے مسالہ میں آج تک تصفیہ نہیں

---

[1] الاحزاب: ۳۷ [2] مشکوٰۃ ص ۴۲۶ [3] الانفال: ۴۶

ہو سکا، کہ آیا یہ کمی زیادتی عوارض میں سے ہے یا نفسِ ماہیت میں ؛

۱۳۴ــــ اور جیسا کہ متاخرین اہلِ معقول نے حصولِ اشیاء میں حصول باشباحہا کا فیصلہ کیا ہے، کسی دوسرے کی صفاتِ نفسیہ کے حصول کا اس کے ماسوا یقیناً کوئی راستہ نہیں ہے، الاّ یہ کہ حصول اپنے ذاتی استحقاق سے ہو، بطور استفادہ نہ ہو۔ پس استفادہ بھی، جس کا یہ مخذول راگ گاتا ہے۔ اپنی ذات ہی کی طرف راجع ہوا۔ اور "واسطہ فی الثبوت" جس میں واسطہ اور ذو واسطہ دونوں موصوف ہوتے ہیں اس میں عقلاً کا معرکہ ہے۔ بعض نے یہ سمجھا ہے کہ فعل جو فاعل سے صادر ہوتا ہے اس کا دوسرا سرا مفعول بہ پر پہنچ جاتا ہے، جس کا نام مفعول مطلق رکھا گیا وہ کوئی علیحدہ حقیقت نہیں، البتہ فعل کا اثر ایک جداگانہ چیز ہے۔ پس ان مغالطوں میں پڑنا اور ان کی وجہ سے دین کی ضروریات و متواترات کو توڑ پھوڑ دینا الحاد و زندقہ کا کام ہے۔

۱۳۵ــــ اور معلوم رہے کہ اس اُمت کے اندر نبوت جاری ہونے میں نہ تو اس اُمت کا کوئی خصوصی کمال ظاہر ہوتا ہے، اور نہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا، کیونکہ پہلی اُمتوں میں اس کی نظیر موجود ہے، اور استفادہ و عدمِ استفادہ کا فرق، جیسا کہ پہلے گذر چکا محض لغو ہے، خارج میں کوئی امتیاز و نشان نہیں رکھتا۔ صرف ایک ذہنی اختراع ہے جس کی حیثیت طفل تسلّی سے زائد نہیں[1]، پھر آخر کس معنی کی بناء پر خاتم النبیین، صرف آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی کو فرمایا گیا ؟۔ اگر کہا جائے کہ "آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بایں معنیٰ خاتم النبیین ہیں کہ، آپ کمالاتِ نبوت کے خاتم ہیں یعنی آپ نے کمالات و اجزاء نبوت کی مسافت کو اختتام تک پہنچا دیا اور ختم کر دیا ہے اگرچہ نبوت کا دَور اور زمانہ ابھی باقی ہے" تو یہ بے معنیٰ تقریر نصِ قرآن کے خلاف ہے اس لیے کہ، نصِ قرآن میں کہاں ہے کہ خاتم کمالات" کا لفظ فرمایا ہو ؟ اور یہ کس کو حق ہے کہ قرآن کی نصِ صریح سے باہر نکلے ؟ قرآن نے تو "اشخاص انبیاء" کے ختم کرنے

---

[1] مفتی محمد عبداللہ صاحب لدھیانوی نے فتح مبین ص ۱۱ میں اس فقرہ کی بعض عبارتیں اس مضمون جو نقل کی ہیں۔ منہ

والا فرمایا ہے اور یہ امر خود بھی ختم کمالات کی فرع ہے، اور اس بات کی علامت ہے کہ ختم زمانی کے ساتھ ختم کمال فرمایا گیا۔ اور اس قسم کی خاتمیت عالمِ تقدیر میں متقرر و ملحوظ بھی ہے اور (خارج میں) رائج و معمول بھی یہی ہے کہ ختمِ صوری کو ختمِ معنوی کی علامت قرار دیتے ہیں۔ اور یہ امر، واقع میں یا تو فتح کے ساتھ ہوتا ہے یا ختم کے ساتھ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں دونوں کو جمع فرما دیا گیا کہ آپؐ فاتح بھی ہیں اور خاتم بھی۔ چنانچہ خسرو فرماتے ہیں:

شاہِ رُسل و شفیعِ مرسل   خورشیدِ پسین و نورِ اوّل

اور اس خاتمیت کی نظیر پہلوں میں موجود نہیں، پس (اب انصاف فرمایئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا) امتیازی کمال یہ (خاتمیت صوری و معنوی) ہے یا سابق نہ پرہونا؟

۱۳۶۔۔۔۔ اگر صاحبِ اختیار مالک کہے کہ میں فلاں منصب کو فلاں جگہ سے شروع کرکے فلاں کامل ترین فرد پر ختم کر دوں گا (مثلاً منصب نبوت کو آدم علیہ السلام سے شروع کرکے اکمل الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دوں گا) تو آیا یہ امر اہل عرف کے نزدیک بالبداہت کمال نہیں ہے؟ (اگر ہے اور یقیناً ہے تو آخر کیا وجہ ہے) کہ یہ علاحدہ ایک بدیہی (صاف اور سیدھی سی) بات میں بھی شک اندازی کرتے ہیں (کہ نعوذ باللہ یہ تو نقص ہے) اور گزر چکا ہے کہ کسی کو 'خاتم المحدثین' جو کہا جاتا ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ شخص محدثین کی جماعت میں سے خاتم کمالات ہے، نہیں بلکہ یہ بھی "خاتم اشخاص محدثین" کے معنی میں ہے، البتہ (کلام الٰہی اور اس..... محاورۂ عامیہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ یہ محاورہ مسامحت اور ظن و تخمین پر مبنی ہے۔ جبکہ ملک علام کا کلام اس سے پاک ہے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

۱۳۷۔۔۔۔ بالآخر آیت کریمہ کے خلاصہ کا دوبارہ اعادہ کرنا مناسب ہے کیونکہ حق جل شانہٗ کے کلام معجز نظام کے خصائص، اعتبارات مناسبہ اور لطائف و نکات کا سمجھنا اہل زمانہ کے لیے نہایت دشوار ہے۔ بلکہ انسانی طاقت سے بعید ہے الا

من اتی اللہ بقلب سلیم۔

۱۳۸ــــــ پس خود سمجھ لو کہ اس آیت کریمہ میں اہلِ جاہلیت سے خطاب نہیں کہ یہ آیت مدنی ہے اور نہ یہ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ[1] کے مدعا پر ہے جو کہ مکی ہے اور اہلِ جاہلیت کے ردّ میں نازل ہوئی ہے، البتہ یہ آیت اس معروف رسم کی اصلاح کے لیے آئی ہے کہ لوگ تبنّی (لے پالک بنانے) کو وراثت پانے کے لیے مفید سمجھتے تھے، اور یہ رسم اِس زمانہ میں بھی تھوڑی بہت باقی ہے، اور نزول آیت کے وقت آپؐ کا کوئی صاحبزادہ بقیدِ حیات نہیں تھا۔ حضرت ابراہیم ابھی تولد نہ ہوئے تھے، اور دیگر صاحبزادگان گرامی اس سے پہلے گذر چکے تھے، پس بظاہر تبنّی کی رسم کا ابطال اس لفظ سے ہو سکتا تھا کہ "تبنّی کچھ نہیں اور اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا" مگر اس کے بجائے قرآن کریم میں ایک عام مضمون کی طرف انتقال کیا گیا کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں اور نہ آپؐ پسری اولاد کے سلسلہ کو جاری کرنے اور صاحبزادوں کے خاندان کو باقی رکھنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ البتہ آپ خدا تعالےٰ کے رسول اور انبیاء کے ختم کنندہ ہیں۔

۱۳۹ــــــ اور سلسلۂ کلام میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف جو مناسبِ مقام ہو یا اخص سے اعم کی طرف چلے جاتے ہیں، پس یہ آیت صرف مسئلہ تبنّی تک محدود نہیں رہی، بلکہ خاندانی وراثت کے سلسلہ میں پہنچ گئی۔ جہاں تک خصوصی طور پر شانِ نزول کے واقعہ کا تعلق ہے اس مسئلہ پر کلام آیت: مَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ[2] اور لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ[3] میں پورا ہو چکا تھا۔ اس کے بعد سلسلۂ کلام مطلق توریث کی طرف آنکلا، جیسا کہ معالم التنزیل میں ابن عباسؓ کا قول گذر چکا ہے۔ ابوت اپنے مفہوم میں دو جز رکھتی تھی ایک باپ بیٹا ہونے کا تعلق، اس کے بدل میں رسالت کو رکھا گیا، دوم وراثت جاری ہونا، اس کے بدل میں ختم نبوت کو رکھا گیا۔ پس یہ وجہ ہے دو لفظ لانے کی۔

---

[1] بیشک تیرا دشمن ہی نسل بریدہ ہے۔ (الکوثر: ۳) [2] الاحزاب: ۴ [3] الاحزاب: ۳۷

۱۴۰ ـــــ اور معلوم ہے کہ آپؐ کے پسری خاندان کو باقی رکھنا اور پھر ان کے اندر سلسلۂ نبوت کو باقی رکھنا ان دونوں باتوں کے درمیان کوئی عقلی یا شرعی تلازم نہیں، لیکن اہلِ عرف اور محبانِ صادق یہی چاہا کرتے ہیں کہ خاندان میں سلسلۂ وراثت باقی رہے اندریں حالت یہ خیال ذہن میں آسکتا تھا کہ نہ معلوم خاندانِ نبوت میں کونسا سلسلہ رہتا ہے سلسلۂ نبوت ، یا سلسلۂ خلافت و ولی عہدی ، یا وراثتِ مال کا سلسلہ ، وغیرہ یہاں کسی قسم کا لزوم نہیں تھا ، لیکن تناسب ضرور تھا اور بہت ممکن ہے محبین کی تمنا بھی ہو اور ان کے اذہان میں یہ خیال گذر بھی رہا ہو، جیسا کہ علم میں بھی خاندانی وراثت نہیں، لیکن اگر خاندان میں علم باقی رہے تو اسے خاندانی علم کہا کرتے ہیں اور یہی مناسب سمجھتے ہیں کہ باپ کی جگہ بیٹا عالم ہو، اور اسی نہج و طریق پر ہے آیت یرثنی ویرث مِنْ آلِ یَعْقُوْبَ [1] اور آل ابراہیم ، آل یعقوب ، آلِ عمران ، آلِ یٰسین اور آل داؤد کا عنوان بھی اسی کے پیشِ نظر آیا ہے ، موضح القرآن میں سورۂ اعراف میں منصبِ خلافت و امامت اور امانت کے خاندان ہارونؑ میں رہنے کے بارے میں کچھ ذکر فرمایا ہے، اور اسی طرح آیت وورث سلیمانُ داودَ [2] میں وراثتِ علم و نبوت مراد ہے۔ اور معالم التنزیل میں حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا تو آپؐ کو پسری اولاد ہی عطا نہیں فرمائی جو بلوغ کو پہنچتی"۔

۱۴۱ ـــــ پس فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تمہارے ذہنوں میں جو یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ وہ پسری خاندان کو جاری کرنے اور کسی نوعیت کی وراثت باقی رکھنے کے لیے ہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ ہماری تقدیر میں وہ سلسلۂ نبوت کے ختم کرنے کے لیے ہیں ، اس لیے پسری خاندان میں ولی عہدی کا سلسلہ نہیں ہوگا، پس نبوت کا سلسلہ ظاہر ہے کہ بدرجۂ اولیٰ نہیں ہوگا ، اور یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ اس آیت سے توریثِ نبوت بالاستفادہ کے سلسلہ کی نفی بدرجۂ اولیٰ ہو جاتی ہے ، بہ نسبت بلاواسطہ

---

[1] سورہ مریم : ۶ [2] سورہ النمل : ۱۶

کے، کیونکہ ابوت اوّلاً الذکر صورت میں زیادہ دخیل ہے۔

۱۴۲ـــــ حاصل یہ کہ "محمد صلے اللہ علیہ وسلّم اجراء کے لیے نہیں بلکہ ختم کے لیے ہیں" اور آیت کریمہ کسی لزوم پر مبنی نہیں، بلکہ تناسب وقوع پر مبنی ہے، اور وہ بھی اسی درجہ میں جو کہ اذہان میں گذر سکتا تھا۔ اگرچہ یہ خیال گذرنا مسلمانوں ہی کی جانب سے ہو۔

اور محطِّ کلام میں یہ ضروری نہیں کہ ہم مَاکَانَ محمد ابا اَحَدٍ مِن رِّجَالِکُمْ میں اول وہلہ ہی سے اجرائے سلسلۂ نبوت کو محط ٹھرائیں، بلکہ دوسرے مناسب سلسلوں کی نفی سے یہ بھی بطریق اولیٰ منفی ہوگیا اور ختم کلام یعنی وَلٰکِن رَّسُولَ اللہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ، اس امر کی جانب خصوصی اشارہ کو متضمن ہے کہ صدر کلام میں اسی کا ارادہ کیا گیا۔ جیسا کہ تفتازانی نے کہا ہے کہ:

"اگر تم کہو کہ جب قصرِ قلب میں دو وصفوں کے درمیان تنافی متحقق ہے تو ایک کا اثبات خود بخود دوسرے کی نفی کو مشعر ہوگا، پس بطور حصر ایک وصف کی نفی اور دوسرے کے اثبات سے کیا فائدہ ہوا؟ جواب یہ ہے کہ اس میں فائدہ یہ ہے کہ اس سے مخاطب کی غلطی رفع کرنے پر تنبیہہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مخاطب اصل واقعہ کے برعکس کا معتقد تھا۔ چنانچہ ہمارا قول "زید کھڑا ہے" اگرچہ نفی قعود پر دلالت کرتا ہے، لیکن اس سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ مخاطب کو اس کے قعود کا اعتقاد تھا اور جب ہم کہیں کہ "زید بیٹھا نہیں بلکہ کھڑا ہے" تو اس سے پتہ چلے گا کہ مخاطب زید کو بیٹھا سمجھتا تھا، متکلم اس کی غلطی کی اصلاح کرنا چاہتا ہے[1]"

اور اسی سبب سے تمام طرق قصر کے ساتھ نفی کے اجتماع میں تفصیل پیدا ہوگی۔

۱۴۳ـــــ اور اگر کہا جائے کہ "لٰکن" ایک دوسری صورت میں بھی تلافیٔ مافات کے لیے ہوتا ہے تو (جواب یہ ہے کہ) وہ بھی یہاں پوری پوری پائی جاتی ہے کہ ادنیٰ علاقہ کے بدلے میں اعلیٰ علاقہ رکھا گیا۔ باقی نوع سے جنس کی طرف، یا جنس الاجناس کی طرف انتقال کرنا یہ تقاضائے مقام پر منحصر ہے، جیسا کہ علمائے نے استثنا مفرغ میں تقریر کی ہے خلاصہ یہ کہ ماکان محمد ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول

[1] مختصر المعانی ص ۱۹۰ بحث قصر بالعطف

اللہ وخاتم النبیین میں دو جملوں کا جمع کرنا (جن میں سے ایک منفی ہے اور دوسرا مثبت) اس مقصد کے ادا کرنے کے لیے جو گذر چکا۔ ورنہ ان مسائل کا بیان الگ الگ بھی ہو سکتا تھا۔ یہ ہے خلاصۂ مراد آیت کریمہ کا کہ عمریں ختم ہو جاتی ہیں، مگر وہ جلوہ نہیں دکھاتا۔ (ترجمہ شعر) "تیرے حُسن کے بارے میں ہر شخص ہر دم نئی بات کرتا ہے۔ اگر تیرے رُخ تاباں کی جلوہ نمائی ہو تو یہ قصے نہ رہیں"

خاتمہ

۱۴۴ ـــ جاننا چاہیے کہ حق طلبی، حق پسندی اور حق نیوشی کا طریقہ یہ ہے کہ کلام معجز نظام کے قیود، کلام ملکِ علاّم سے ہی لیے جائیں، بلکہ ہر ایک حاضر الحواس متکلم کے کلام میں یہی طریقہ ہے، اپنی جانب سے اتباعِ ہویٰ اور اغراضِ نفس کی خاطر قیدیں لگانا، تقسیمیں نکالنا اور پھر کلامِ معجز نظام کے ٹکڑے کر کے اسے ان پر چسپاں کرنا الحاد و زندقہ کی اصل بنیاد ہے۔ پس جب حق تعالےٰ نے ایک بار تصریح فرما دی کہ "محمدؐ تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، بلکہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں" تو شیوۂ ایمان یہ ہے کہ تمام حیلوں بہانوں کو چھوڑ کر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "تمام نبیوں کا ختم کرنے والا" یقین کریں اور اسی پر ایمان لائیں۔ کیونکہ اسی عقیدہ کو سکھانے کے لیے تو یہ آیت آئی ہے۔ اور جب اللہ تعالےٰ نے کسی جگہ تقسیم و تقیید نہیں فرمائی تو ہمیں حق نہیں کہ زیغ والحاد کے شبہات کی بناء پر آیت کے عموم اور اطلاق کو خیرباد کہہ دیں، کیونکہ یہ نص کے مقابلہ میں قیاس کو پیش کرنا ہے اور قیاس سے نص کا مقابلہ و معارضہ سب سے پہلے ابلیس نے کیا تھا۔ پھر اجماع بلا فصل بھی اس عقیدہ پر منعقد ہے اور دَورِ نبوّت سے آج تک مسلسل یہی عقیدہ چلا آتا ہے، پس یہ عقیدہ ہمیشہ قطعی الثبوت رہا ہے اور یہ آیت اس کے اثبات میں قطعی الدلالت رہی ہے۔

۱۴۵ ـــ اور جو کچھ یہ ملحد اور اس کے چیلے چانٹے اس عقیدۂ حقّہ (ختم نبوت) کی مخالفت میں پیش کرتے ہیں وہ سب رُسوا کن مغالطے ہیں، یہ لوگ بار ہا مناظروں

میں لاجواب اور ذلیل و رسوا ہوئے، مگر صد حیف کہ انہیں ہدایت نہ ہوئی، بلکہ اپنی انجمن سے مشاہرے کے بدلے کفر خریدتے رہے، ان کا طریقہ یہ ہے کہ محکمات و قطعیات کو شبہات و متشابہات کے ذریعہ مکدر کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ ایمان سے خارج کر دیتے ہیں، کوئی دلیلِ عقلی یا سمعی ان کا متمسک نہیں ہے، بلکہ ان کا کل سرمایہ بس ملحدانہ شبہات ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض تم دیکھ سُن چکے ہو کہ زندقہ سے زیادہ نہیں ہیں اور یہ آیت ان تمام شبہات پر حاوی ہے اور پہلے ہی سے ان کا فیصلہ کر چکی ہے۔

۱۴۶ ــــــ مثلاً وہ سورہ اعراف کی آیت[۳۵]: یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ الآیہ میں یہ سخن سازی کرتے ہیں کہ (یأتین استقبال کا صیغہ ہے اور) استقبال باعتبار زمانہ نزول کے ہے (گویا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کی اُمت کو فرمایا جارہا ہے کہ تمہارے پاس بہت سے رسول آئیں گے اس سے ثابت ہوا کہ) نبوت جاری ہے۔ حالانکہ (یہ آیت خود قادیانی دعویٰ کے خلاف ہے، کیونکہ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ آئندہ نبوت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع کے واسطے سے ملا کرے گی، نہ کہ مطلقاً جبکہ) اس آیت میں خاتم الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اتباع کی کوئی قید نہیں، جو انھوں نے آیت ختم نبوت میں ایجاد کی تھی۔

علاوہ ازیں یہ شبہہ نہایتِ غباوت و الحاد سے پیدا ہوا ہے (تحقیق یہ ہے کہ) حق تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا (اور وہی بیان دور تک چلا گیا) اور درمیان میں کوئی کوئی جملہ لفظِ قُل کے ساتھ اُن امور کے بارے میں، جو بعد میں وقوع پذیر ہونے والے تھے، خاتم الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خطاب فرمایا، اور کسی ضمنی فائدہ کی جانب راہنمائی اور تنبیہ فرمائی تاکہ دوبارہ از سرِ نو سلسلۂ سخن شروع کرنے کی ضرورت نہ ہو اور معاملہ دست بدست طے ہو جائے اور چار بار یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ کے عنوان سے خطاب فرمایا، یہ تمام کلام اعادۂ خطابِ اول کے ساتھ اسی عہد سے متعلق ہے۔ (جو عالمِ ارواح میں تمام ذریتِ آدم سے لیا گیا تھا) اور استقبال بھی اسی کے اعتبار سے

ہے۔ اس کے بعد حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح (علیہم السلام) کا قصہ ذکر فرمایا (اس تقریر سے معلوم ہوا کہ آیت میں استقبال زمانۂ نبوی کے اعتبار سے نہیں، بلکہ زمانۂ عہد کے اعتبار سے ہے)

اس آیت کو، جس میں بہت سے رسولوں کے آنے کی اطلاع دی گئی ہے، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے مابعد کے زمانہ سے متعلق کرنا حضرتِ حق جل مجدہ کے ساتھ معارضہ و مقابلہ ہے، کیونکہ اس نے ایک بار ختم نبوت کی نصِ قطعی نازل کر کے اپنی مراد کی تعلیم فرما دی ہے، سورۂ بقرہ کی ابتداء میں بھی اسی آیت کے قریب ارشاد ہوا ہے: قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى [۱] اسی طرح سورۂ طٰہٰ میں بھی [۲]
اسی طرح ذکر فرمایا، اور حضرت خاتم الانبیاءؐ کے حق میں قیامت سے متصل ہونا ذکر فرمایا اور (آپؐ کے اور قیامت کے) درمیان میں کسی آمد کو نہیں رکھا ______

حضرتِ آدمؑ اور ابتدائے آفرینش کے حق میں استقبال مناسب تھا، چنانچہ واقعہ بھی یہی تھا اور آیات کریمہ بھی اسی طرز پر وارد ہوئیں۔ پھر حق تعالیٰ کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ زمانۂ لاحق میں زمانۂ سابق کے بارے میں خطاب فرمائیں، جبکہ حکم اس طرز کے مناسب ہو (بہر حال اس آیت سے اجرائے نبوت پر استدلال کرنا قادیانی ذہنیت کا اعجوبہ ہے، ورنہ تیرہ صدیوں کی) امت کے کسی شخص کا ذہن ان آیات میں (اجرائے نبوت کے) کسی وہم کی طرف نہیں گیا اور نہ ان آیات میں اس وہم کی کوئی ادنیٰ گنجائش ہے۔ اس ملحد کو تعلیم شیطان کی بنا پر جداگانہ نبوت کا دعویٰ کرنا تھا اس لیے (شیطان نے پہلے اسے دعویٰ نبوت تلقین کیا اور) بعد ازاں یہ تمام الحاد سکھائے اور اس کے اذناب و اتباع، علم و عمل اور نیتِ صحیحہ ہر چیز سے عاری ہیں، سوائے کفر و عناد، عداوت حق و اہلِ حق اور شر و فساد کے۔

۴۷ ______ اور مثلاً یہ کہ آیت وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ [۳] میں الحاد کرتے ہیں کہ یہ آیت اس امت پر اتمام نعمت کا اعلان کرتی ہے اور سب سے بڑی نعمت نبوت ہے، جب

---

[۱] البقرہ: ۳۸ [۲] طٰہٰ: ۱۲۳ [۳] المائدہ: ۳

اس کو وہ نہ ملی تو نعمت پوری کیونکر ہوئی؟) حالانکہ آیت کی مراد واضح ہے کہ "میں نے نعمت کا کوئی جز نہیں چھوڑا جو تم کو عنایت نہیں کر دیا" اور یہ منافی ہے اس بات کے کہ نعمت کا کوئی جزء جدید ابھی باقی ہو جو عنایت نہ کیا گیا ہو، مگر جو نعمت عطا کی جا چکی اس کی بقاء کے منافی نہیں، بخلاف آیت "خاتم النبیین" کے کہ وہ اشخاصِ انبیاء کے ختم ہونے کا اعلان کرتی ہے اور یہ کسی دوسرے شخص کی آمد کے منافی ہے۔ وہی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تا قیامت پوری انسانیت کے لیے نبی ہیں، اور آپؐ ہی کا دَورِ نبوت باقی ہے۔ جس طرح آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں کوئی دوسرا نبی نہیں تھا (تھا تو مسیلمہ کذاب تھا) اسی طرح آپؐ کے مابعد کے زمانہ میں بھی کوئی دوسرا نبی نہ ہو گا (اگر ہو گا تو مسیلمہ کذاب کا بھائی ہو گا)

اور جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص پر ہم نے سلطنت کے تمام اجزاء پورے کر دیے تو یہ ایک الگ مضمون ہے جس کی مراد بالکل واضح ہے اور جب کہا جائے کہ فلاں شخص کو ہم نے خاتم سلاطین بنا دیا تو یہ دوسرا مضمون ہے کہ وہ بھی بجائے خود واضح ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اجزاءِ شئ الگ چیز ہے اور عمرِ شئ ایک دوسری چیز ہے اجزاء کے پورا کر دینے سے اس کی عمر پوری نہیں ہو جاتی، بلکہ اجزاء کے پورا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز ناقص نہیں رہی، اور ختمِ اشخاص کے ساتھ عمر ختم ہو گئی اور وہ سلسلہ باقی نہ رہا۔ اور مالک کارپرداز نے وہ کام ہی چھوڑ دیا اور جب کوئی شخص اپنا کام چھوڑ دے تو اس کے ساتھ معارضہ کیسا؟ اور اس کی مراد کی تحریف کیوں کی جائے؟

۱۴۸ ـــــ غرضیکہ ختمِ نبوت کو ایک بار سیکھ کر اسے دائمی اور پختہ عقیدہ بنا لینا چاہیے اور پھر اسے ہر قسم کی بحث و تمحیص سے بالاتر سمجھنا چاہیے۔ اس کے بعد جو چیز بھی ذخیرۂ سمع و نقل سے سامنے آئے اس کی تفسیر و تشریح اسی کے موافق کرنی چاہیے، کیونکہ ختمِ نبوت کا عقیدہ ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ یعنی ان امور میں سے جو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تبلیغ سے ہر خاص و عام تک

لہ المائدہ: ۳

پہنچ چکے ہیں ـــــ اس قسم کے امور، دین کے اندر ایک طے شدہ مفہوم اور ایک ثابت شدہ حقیقت رکھتے ہیں کہ کسی کے ظن و تاویل پر ان کے مفہوم کا مدار نہیں، اور نہ ان میں تاویل اور قیاس آرائی کی گنجائش ہے (بخلاف ظنیات کے کہ ان میں تاویل کی گنجائش ہوتی ہے اور ہر مجتہد کے نزدیک جو مفہوم طے ہو وہی اس کے لیے واجب العمل ہوتا ہے) اور اگر دین کی ہر چیز (لوگوں کے ظن و تخمین اور تاویل پر) دائر رہا کرے تو دین کی کوئی حقیقت محصّلہ ہی باقی نہیں رہتی۔

اور کسی حکم کا ضروریاتِ دین میں سے ہونا نقلِ متواتر اور اشتہار و استفاضہ کے ساتھ ہوتا ہے (کہ صدرِ اوّل ہی سے وہ حکم مشہور و مستفیض اور متواتر نقل ہوتا رہا۔ جس کی وجہ سے وہ قطعی الثبوت ہو گیا) حکم خواہ کوئی ہو، خواہ فرض کا ہو، خواہ استحباب کا، خواہ اباحت کا۔

اور کبھی قطعیت، دلیل عقلی قائم ہونے سے بھی، جو دلیل نقلی کے مساعد ہو، پیدا ہو جاتی ہے، لیکن یہ لازمی نہیں ہے، بلکہ جب کوئی عقیدہ امّت میں طبقۃً بعد طبقۃٍ متواتر رہا اور اہل حلّ و عقد کے درمیان اس عقیدہ میں کوئی اختلاف رُونما نہیں ہوا بلکہ سب کے یہاں متفق علیہ رہا، تو وہ قطعی ہے۔

اور تواتر کبھی اسناد کے ساتھ ہوتا ہے۔ کبھی طبقہ و توارث کے ساتھ، اور کبھی قدر مشترک کے ساتھ۔ یہ تمام تواتر کی قسمیں ہیں، اور یہی متواترات "سبیل المؤمنین" ہے جو قرآن کریم نے آیت ذیل میں ذکر فرمایا ہے۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا[1]۔

ترجمہ: "اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امرِ حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرے رستہ ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے۔ اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے جانے کی۔"[2]

---

[1] النساء: ۱۱۵ [2] بیان القرآن از حکیم الامت تھانویؒ

۴۹ا ـــــ بعد ازاں مخفی نہ رہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ "فلاں عمارت کو میں نے ختم کر دیا" تو چونکہ اس نے یہ بات اپنی حالت کے مشاہدہ اور اپنے ارادہ کے پیشِ نظر کہی ہے، کیونکہ وہ مالک مختار ہے، پس اس کی مراد میں تحریف کرنا (اس کے مطلب کو بگاڑنا) صادق اور راست باز لوگوں کا کام نہیں، مگر کسی کا یہ کہنا کہ "فلاں شخص خاتم المحدثین ہے" اس نے آخر کس چیز کا مشاہدہ کر کے یہ بات کہی ہ کیونکہ نہ تو وہ علمِ غیب رکھتا ہے، اور نہ اسے حالات پر احاطہ حاصل ہے۔ لامحالہ یہ بات محض تخمینہ اور مجازفہ و مسامحہ کے طور پر ہوگی۔ بخلاف علام الغیوب اور مالک الملک کے، (کہ اس کا ارشاد سراسر تحقیق اور خود اپنے فعل سے متعلق ہے) پس غور کیجئے کہ اس قسم کے تفاوت اور حالات کے مختلف ہونے سے بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے ہ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مرادِ لفظ کی تعیین اس بناء پر نہیں ہوتی کہ لفظ اسی معنی میں منحصر ہے، بلکہ حالات و اغراض کی بناء پر اور بغیر کسی اختلاف کے اس معنٰی میں کثرتِ استعمال و تکرار وغیرہ کے ساتھ بھی محاورات کے معنٰی متعین ہو جاتے ہیں۔ اور محاورات میں روزمرہ (ان امور سے سابقہ پیش آتا ہے، مگر ان لوگوں کو وہاں) کیوں یہ تباہی پیش نہیں آتی، صرف نصوص ہی میں یہ آفت رونما کیوں ہوتی ہے ہ بہرحال توفیق خداوندی درکار ہے ـــــ اور اگر اس قسم کے امور میں بھی کوئی شخص فہم رسا نہیں رکھتا اور دعویٰ ہمہ دانی کے باوصف کفروایمان میں تمیز نہیں کر پاتا تو اس سے ہاتھ اُٹھا لینا چاہیے، کیونکہ جیسا کہ حدیث[۱] میں ہے، یہ زمانہ، غالیوں کی تحریف اور باطل پرستوں کے غلط دعووں کا ہے۔

۵۰ا ـــــ ان ملحدوں کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حق تعالےٰ قسم کھا کر بھی فرماتے کہ میری مراد یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی بھی نہیں بھیجوں گا۔ (نہ تشریعی، نہ غیر تشریعی، نہ حقیقی، نہ نقلی یا ظلی) تو یہ کہیں گے کہ "جی ہاں! لفظ تو یہی ہیں جو آپ نے فرمائے، لیکن آپ کی مراد یہ ہے کہ فلاں طریقہ سے آپ اس سلسلہ کو جاری

[۱] مشکوٰۃ ص ۳۶

ہی رکھیں گے"۔ اور اگر فرماتے کہ نہیں یہ بھی نہیں۔ تو یہ کہیں گے کہ" جی ہاں بظاہر تو ایسا ہی ہے، لیکن آپ کے باطن میں یہ ہے"، بتائیے ہر بات کی اُلٹ توجیہ کا سلسلہ کہیں جا کر رکنے کا ہے، اور جب مخاطب یہ فیصلہ کر چکا ہو کہ اسے بہرحال متکلم کی ہر بات کو اُلٹ معنی پر محمول کرنا ہے تو حق تعالےٰ کسی بھی حقیقت کے ادا کرنے سے (نعوذ باللہ) قاصر رہیں گے اور کسی مطلب و مدّعا کو ادا کرنے کا راستہ ہی بند ہو جائے گا، اندریں صورت اگر کوئی شخص قرآن کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ آخری کتابِ الٰہی ہے، اس کے بعد کوئی کتاب نہیں، اور اس کی مراد آخرئیتِ حقیقی ہو مگر اس کے ہاتھ میں اس مراد کے ادا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوگا (کیوں کہ قادیانی ملاحدہ اس میں بھی تاویل کا کوئی چکّر چلا دیں گے) واللہ ولی التوفیق۔

۱۵۱۔ اور اب نبوت کو ختم اور سربمہر کرنے کی حکمت سمجھنا چاہیے، معلوم رہے کہ اس حقیقت (یعنی نبوت) کو مالکِ ملک اور صاحبِ اختیار نے آدم علیہ السلام کے عہد سے شروع کیا، جہاں سے بنو آدم کا آغاز ہوا ہے، اور خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، جو خاتمۂ دنیا پر تشریف لاتے ہیں، پورا فرما دیا، اور دین کے کامل اور نبوت کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس ختم سے مقصود، جیسا کہ ابن کثیرؒ اس حقیقت کو پہنچے ہیں۔ یہی ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی ملحد و زندیق اور دجّال و کذّاب درمیان میں نہ گھسے، یا سربمہر خزانہ میں سے کوئی چیز نہ اُٹھائے، جب تک اُمت اس عقیدہ پر قائم رہے گی، رحمت الٰہی کے زیرِ سایہ رہے گی اور جب انحراف کرے گی تو یہ امر موجبِ تفرقہ ہوگا اور اس سلسلہ میں تشریعی و غیر تشریعی کا کوئی فرق نہیں، بلکہ بلا استثناء ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند ہے) اس لیے کہ جب (نئے نبی کے آنے سے) ایمان میں اضافہ ہو سکتا ہے (کہ نئے نبی پر ایمان لانا دین کا ایک نیا رکن بن جائے) تو (شریعتِ جدیدہ کے ذریعہ) اعمال میں اضافہ کیا دشوار ہے! پس (اُمّتِ محمدیہ میں) اگر اور پیغمبر آئیں اور منکروں کی تکفیر کریں تو (ظاہر ہے کہ اُمّت میں افتراق پیدا ہوگا، اور) یہ اختلافِ رحمت نہیں، بلکہ اس میں اُمّت

مرحومہ کے اتّحاد کی بیخ کنی، ان کی خیر و برکت کا ابطال، صلاح و فلاح اور کامیابی کا خاتمہ، ایک دوسرے کی تکفیر کا فتح باب، اتفاق و اتحاد کا سدِّ باب اور مقصد الٰہی کا۔ کہ آپؐ کے بعد کوئی دجّال درمیان میں نہ گھسے —— معارضہ و مناقضہ ہے (ترجمہ شعر) "میں اس حالت میں سفر کرتا ہوں کہ میں نے اپنے دل پر تیری محبت کی مہر لگا دی ہے تاکہ کوئی دوسرا اس میں نہ سمائے۔" اور اسی سبب سے ختم کا اعلان فرمایا "تاکہ دجل و زندقہ کی رگ کٹ جائے" یہ اُمت ٹکڑیوں میں تقسیم ہو کر ایمان کو پارہ پارہ نہ کرے، فتنہ و فساد، لڑائی دنگا، خونریزی و غارت گری اور شقاق و نفاق میں نہ پڑے "اور فساد فی الارض اور فتنۂ طویل و عریض کا موجب نہ ہو۔

۱۵۲—— پس اس حکمت کا اس شقی کے وسوسہ سے کہ "نبوت نبی ساز ہونی چاہیئے" موازنہ کرو، اور پھر انصاف کرو کہ اُمّتِ مرحومہ کے حق میں (رحمت" قادیاں کی جعلی نبوت سے ہے یا کہ) در حقیقت یہ اعلانِ ختمِ نبوت رحمت تھا، جس کو الحاد و غباوت کی وجہ سے یہ نہیں سمجھا، کیونکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم پر کامل ایمان رکھنے کے باوجود اس نبوتِ جدیدہ کے منکروں کی تکفیر کرنا ان کے حق میں رحمت کی نفی کرنا ہے (قادیانی نظریہ" اجرائے نبوت رحمت ہے"! کے مطابق چودہ صدیوں میں صرف ایک مرزا غلام احمد قادیانی مَوردِ رحمت بنا، جب کہ اس فردِ واحد کے مَورد رحمت بننے سے اُمّت کے کروڑوں افراد جو قادیانی نبوت کے منکر ہیں، مورد لعنت ٹھہرے) پس ایک طرف ان اشقیاء کو رکھو جن کو اس نے نام نہاد نبی بنایا ہے (اور وہ صرف مرزا کی ذات ہے) اور دوسری طرف جماہیر اُمت کی تعداد کو رکھو اور پھر دیکھو کہ کیا موازنہ ہے (آیا اجرائے نبوت کے قادیانی نظریہ سے اُمّتِ مرحومہ کے حق میں رحمت کا پلہ بھاری ہوا یا لعنت کا؟) اُمّت کے حق میں جس چیز کو رحمت کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ پوری اُمّت کا ایک ہی دین و ایمان ہو، ایک ہی کتاب و نبی ہو، ایک ہی دستورِ ہدایت ہو، ایک ہی ملت ہو، ایک ہی سبیل المؤمنین ہو اور وہ سب ایک ہی راستے پر چلیں۔ اور یہ بات سابقین کے حق میں مقدّر نہ تھی۔ ابن کثیرؒ اسی مضمون کو بیان

کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف میں سے ہے کہ آپؐ کو خاتم النبیین بنایا، اور آپؐ کو تمام مخلوق کی جانب مبعوث کیا گیا" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر نبوت ختم ہوجانے کو ابن کثیر شرفِ نبوی قرار دیتے ہیں، اور پہلے گذر چکا ہے کہ یہ امر بالکل واضح اور بدیہی ہے، اور ان مخذول کی شکاندازی بدیہیات میں شک اندازی ہے۔ طبرانی نے ابومالک اشعریؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی نقل کیا ہے کہ: "یہ دین نبوت و رحمت کی شکل میں شروع ہوا، اور خلافت و رحمت ہونے والا ہے"

درحقیقت، رحمت میں خیرِ عام مقصود ہوتی ہے، اس کے مقابلہ میں معدودے چند افراد کی تکمیل کوئی وزن نہیں رکھتی (اور قادیانیوں کے نظریہ اجرائے رحمت سے تو معدودے چند افراد بھی مستفید نہ ہوسکے، بلکہ صرف فردِ واحد کے لیے یہ نظریہ ایجاد کیا گیا، کیونکہ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد غلام احمد کے سوا کوئی نبی نہیں ہوا، اور غلام احمد کے بعد بھی قیامت تک کوئی نبی نہیں ہوگا" گویا خاتم النبیین مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ الغرض قادیانی جو نعرہ زور شور سے لگاتے ہیں کہ "اُمت محمدیہ میں نبوت کا جاری ہونا رحمت ہے" اس کی حقیقت صرف یہ نکلی کہ فرد واحد یعنی مرزا غلام احمد قادیانی مورد رحمت ہوا اور کروڑوں کی تعداد میں اُمت کافر اور مورد لعنت ٹھہری۔ اب انصاف فرمائیے کہ ایک فرد کی خاطر کروڑوں افرادِ اُمت کو کافر اور خارج از ایمان ٹھہرانا کیا اُمت کے حق میں رحمت ہے؟) جب بات موازنۂ رحمت پر پہنچی (کہ آیا اسلامی عقیدۂ ختم نبوت موجب رحمت ہے یا قادیانی عقیدۂ اجرائے نبوت؟) تو اس نکتہ کا خوب وزن کرلینا چاہیے۔

۱۵۴ــــ باقی رہا معاملہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کا پس وہ کوئی امر زائد نہیں (جس پر نئے سرے سے ایمان لانا فرض ہو) بلکہ وہ پہلے ہی سے ایمانیات میں شامل ہے۔ لہٰذا ان کی تشریف آوری سے ایمانیات میں اضافہ نہ ہوا (جبکہ مرزا کے دعوٰی سے ایمان میں ایک نئی نبوت کا اضافہ ہوا، اور

(اس نبی نبوت کے نہ ماننے والے کافر ٹھہرے) اور مقصود بالذات عام ہدایت اور عام انسانوں کی تربیت ہے، رسولوں کی بعثت (اسی غرض کے واسطے ہے، گویا وہ) بالواسطہ مقصود ہے۔ اور معلوم ہے کہ جس وقت مختلف جوانب سے کشاکشی اور مصالح کے درمیان تعارض ہو (کہ ایک جانب کی مصلحت کا تقاضا کچھ ہے، اور دوسری جانب کی مصلحت کا تقاضا اس کے برعکس ہے) تو اس وقت ان تمام امور میں سے خوب سے خوب تر اور مناسب سے مناسب ترین کو لیا جاتا ہے۔ (اس اصول تجاذب کے پیش نظر یہ دیکھنا ہو گا کہ اُمت مرحومہ کے حق میں عقیدۂ ختم نبوت کی برکت سے اوّل سے آخر تک پوری اُمت کا ملتِ واحدہ، دین واحد اور نبی واحد پر متفق و متحد ہونا اَرفق و اَنسب ہے یا غلام احمد قادیانی کی نبوت سے کروڑوں اربوں افرادِ امت کا کافر بن جانا زیادہ بہتر و موزوں ہے۔)

۱۵۴ــــــ آیاتِ قرآن حکیم کی بناء، کلماتِ تنزیل کا مطمح نظر اور ان سب کا محیط فائدہ اور مستقط اشارہ یہی ہے کہ قرآن کے بعد ایسی کوئی کتاب، کوئی وحی اور کوئی خطاب موجود نہیں جس پر کہ ایمان لانا باقی اور واجب ہو، جو وحی کہ انبیاء کرامؑ سے مخصوص ہے، وہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں رکھی بلکہ بطورِ مفہوم مخالف کے، جو دلالت کی ایک قسم ہے، اس کی نفی فرمائی ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ [1]

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ [2]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ [3]

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ [4]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ

---

[1] البقرہ: ۴ [2] النسآء: ۱۶۲ [3] النسآء: ۱۳۶ [4] الزمر: ۶۵

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ [1]

كَذٰلِكَ يُوْحِىْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [2]

(ان تمام آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کی وحی کا ذکر ہے اور اس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے مگر آپؐ کے بعد کی وحی کا کہیں ذکر نہیں، نہ اس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا، حالانکہ اگر آپؐ کے بعد بھی وحی نبوت کا سلسلہ جاری ہوتا تو اس کا ذکر بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہیے تھا تاکہ اُمت گمراہ نہ ہوتی)

اور (ختم نبوت پر) استدلال کی یہ نوع (شیخ ابن عربیؒ نے) فتوحات میں ذکر فرمائی ہے، جن پر یہ قادیانی ملاحدہ افترا کرتے ہیں کہ وہ (حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی) بقاء نبوت کے قائل تھے، شیخ نے باب ۷۳ کے سوال ۱۵ کے وصل میں تصریح کی ہے کہ نبوّت سے ان کی مراد شرعی اصطلاح نہیں بلکہ معنی لغوی ہے۔

۱۵۵ ــــ پھر معلوم رہے کہ یہ غیر تشریعی نبوت، جو (شیخؒ کی اصطلاح میں) فیوض و کمالات اور ولایت و مبشرات سے عبارت ہے، وہ شیخؒ کے نزدیک نبوت کی کوئی قسم نہیں، بلکہ اس کا ایک جزء ہے۔ اسی طرح تشریعی نبوت بھی (ان کے نزدیک نبوت کا) ایک جز ہے۔ (لہٰذا فرداً فرداً ان میں سے کسی پر نبوت شرعیہ صادق نہیں آتی، کیوں) کہ جب تک تمام اجزاء جمع نہ ہوں کُل صادق نہیں آیا کرتا۔ یہ مقسم کلی کی مانند نہیں جو اپنی اقسام پر صادق آتا ہے جیسا کہ ان ملحدوں نے سمجھا ہے اور شیخ نے خود بھی اس کی تصریحات فرمائی ہیں۔ حاصل یہ کہ شیخ کے نزدیک نبوت کا ایک جزء باقی ہے، جو کُل کا مصداق نہیں ہوتا۔ نبوت کی کوئی جزئی یا اس کی کوئی قسم باقی نہیں (جس پر نبوت صادق آسکے)

۱۵۶ ــــ آیاتِ (ختم نبوت) کی ایک اور قسم وہ آیات ہیں جن میں اول سے آخر تک اس اُمّت کی وحدت کو ملحوظ رکھ کر اسے امتِ واحدہ فرمایا، مثلاً مندرجہ ذیل آیات۔

(۱) كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الآية [3]

---

[1] النساء: ۶۰ [2] الشوریٰ: ۳ [3] آل عمران: ۱۱۰

(۲) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؎

(۳) فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا ؎

۱۵۷۔۔۔۔ اور دلائلِ ختمِ نبوت کی ایک اور قسم وہ ہے جو مندرجہ ذیل نوعیت کی آیات میں ہے:

(۱) وما ارسلنا من قبلک من رسول الآیہ (النساء: ۶۴)

(۲) وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الآیہ (الحج: ۵۲)

(۳) وما ارسلنا قبلک من المرسلین (الفرقان: ۲۰)

(جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل رسول بھیجنے کا ذکر ہے بعد میں نہیں) اور بطور طرد وعکس کے (اس قسم کی آیات بھی دلیل ختم نبوت ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی پیروی کرنے اور اس کے غیر کی پیروی نہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ مثلاً) اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَاۤءَ (الاعراف: ۳)

۱۵۸۔۔۔۔ اور معلوم ہے کہ اگر آپؐ کے بعد کسی قسم کی نبوت مقدر ہوتی اور اس کے انکار پر کفر کا فتویٰ جاری ہوتا تو یقیناً خدا تعالیٰ کی جانب سے مؤکد وصیت ہوتی کہ دیکھو! بعد میں بھی انبیاء آئیں گے، ایسا نہ ہو کہ اس وقت (ان پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے) ہلاک ہو جاؤ۔ ظاہر ہے کہ انبیاء گذشتہ کے ذکر سے زیادہ اہم بعد میں آنے والا انبیاء کا تذکرہ تھا، کیونکہ سابقین پر تو اجمالی بھی ایمان کافی ہے۔ خواہ ان کی تعداد کچھ ہی ہو، مگر بعد میں آنے والوں سے تو اس اُمت کو معاملۂ ایمان درپیش تھا (کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن کریم انبیاء سابقین کا تذکرہ تو بار بار کرتا ہے، لیکن بعد میں آنے والے کسی نبی کی طرف ادنیٰ سے ادنیٰ اشارہ تک نہیں کرتا۔ چلیے یہ بھی نہ سہی) اس سے کم کیا ہوگا کہ (رسولوں پر ایمان لانے کے سلسلہ میں) "من قبل" کی قید ہی کو حذف کر دیا جاتا (کیونکہ اگر بعد میں بھی رسولوں کی آمد باقی تھی تو ظاہر ہے) کہ یہ

قید بے موقع اور موجب مغالطہ تھی۔

اس نوع کی آیات (جن میں "من قبل" کی قید لگا کر بعد میں آنے والے رسولوں کی نفی کر دی گئی ہے) کافی سے زیادہ ہیں[1] اجمالاً مفتاح کنوز القرآن میں دیکھ لی جائیں کہ ان میں سے ایک آیت اس مغالطہ کے مقابلہ میں، جو ان ملاحدہ نے آیت فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ الآیہ (النساء: ۶۹) میں تراشا ہے، کافی ہے، اور باقی تعداد اہلِ حق اور اہل ایمان کے لیے فاضل رہ جاتی ہے، واللہ المستعان۔

۱۵۹۔۔۔۔ پس ایک طرف اس قدر آیات بینات، جو عقیدہ ختم نبوت پر مبنی اور اس مقصد کی خبر دیتی ہیں اور ناظرین نے جن کی تعداد یک صد تک پہنچا دی ہے[2]، نازل کرنا اور دوسری طرف زمانۂ ما بعد کی جانب کوئی اشارہ و التفات نہ کرنا منشاء خداوندی اور مطمحِ نظرِ الٰہی کا پتہ دیتا ہے کہ زمانۂ مابعد میں کسی قسم کی کوئی نبوت باقی نہیں ہے، زمانۂ ما بعد کی نُبوت اور "وحی نُبوّت" کا قرآن میں (کہیں نام و نشان نظر نہیں آتا بلکہ وہ یکسر) گم اور ناپید ہے، ورنہ (اگر نُبوّت کی کوئی قسم باقی ہوتی تو ناممکن تھا کہ قرآن نہ صرف اسے چھوڑ جاتا، بلکہ ہر جگہ "من قبل" کی قید لگا کر اس کی نفی کرتا جاتا، کیونکہ) یہ طریق بندوں کی ہدایت و راہنمائی کا طریق نہیں ہے۔ (ترجمہ شعر) "اور میں نے لوگوں کے تمام عیوب میں اس سے بڑھ کر کوئی عیب نہیں دیکھا کہ آدمی قدرت کے باوجود ادھوری بات کہے۔"

۱۶۰۔۔۔۔ اور اسی طرح ذخیرۂ احادیث میں جو دو صد احادیث ختم نبوت کے موضوع میں وارد ہیں اور جو (اس قدر مشہور اور متواتر ہیں کہ صدر اسلام سے لے آج تک) برسر منبر علی رؤس الاشہاد تمام لوگوں کو سُنائی جاتی رہی ہیں ان میں بھی کسی قسم کی نُبوت کے جاری رہنے کی طرف اشارہ نہیں۔۔۔ ان میں بعض احادیث میں تو علی الاطلاق انقطاع نبوت کا اعلان کیا گیا ہے (مثلاً انا خاتم النبیین، لا نبی بعدی)

[1] المعجم المفہرس لالفاظ القرآن میں "من قبلک" والی آیات کی تعداد (۴۲) لکھی ہے۔

[2] اس کے لیے حضرت اقدس مفتی محمد شفیع مہتمم دار العلوم کراچی کا رسالہ "ختم نبوت فی القرآن" قابلِ دید ہے۔ مترجم

اور بعض علی الخصوص غیر تشریعی نبوت کے انقطاع میں وارد ہیں، مثلاً بخاری و مسلم اور مسندِ احمد وغیرہ کی حدیث جو حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بنو اسرائیل کی سیاست و قیادت انبیاء علیہم السلام کے سپرد تھی، جب ایک نبی کا انتقال ہو جاتا اس کی جگہ دوسرا نبی آجاتا اور میرے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا۔ ہاں خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ عرض کیا گیا۔ پس آپؐ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا: جس سے پہلے بیعت ہو جائے پس اس کی بیعت کو پورا کرو، ان کو ان کا حق ادا کر دو، (اپنا حق ان سے نہ مانگو) کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی ماتحت رعیت کے بارے میں ان سے خود ہی باز پرس کرے گا۔" (مشکوٰۃ ص ۳۲۰)

(یہ حدیث دو وجہ سے غیر تشریعی نبوت کے انقطاع کی دلیل ہے، اوّل یہ کہ) یہ انبیاء بنی اسرائیل، جو بنی اسرائیل کی سیاست و قیادت کرتے تھے، شریعتِ تورات پر عامل تھے، کوئی دوسری شریعت نہیں رکھتے تھے (گویا غیر تشریعی نبی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اب میرے بعد اس قسم کے انبیاء بھی نہیں ہوں گے، اس سے ہر ادنیٰ فہم کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس حدیث میں غیر تشریعی نبوت کے انقطاع کو بیان فرمایا گیا ہے ــــــ دوم یہ کہ) اس حدیث میں اُس چیز کو بھی ذکر فرما دیا جو نبوت کے بدل میں باقی رہنے والی تھی، اور وہ ہے خلافت، نہ کہ کسی قسم کی نبوت ــــــ (اب اگر کسی قسم کی نبوت اس اُمت میں جاری ہوتی تو لامحالہ اس کا ذکر فرماتے)

۱۶۱ ــــــ اور پہلے گزر چکا ہے کہ نُبوّت بھی استخلاف ہے، اسی بناء پر عورتوں میں نبوت نہیں رکھی گئی، نُبوّتِ انبیاء کرام کی تکمیلِ ذات کے لیے نہیں ہوتی، کیونکہ یہ تکمیل، نُبوّت کا ایک جزء ہے جو اس کے تحت مندرج، اور ساری و متعدی ہے، پس جو کمالات کہ بطورِ تسبیب متعدی رکھے گئے ہیں وہ اب بھی متعدی ہیں اور پہلے بھی متعدی تھے۔ بخلاف استخلاف، اختصاص اور تشریف کے، کہ یہ عطیۂ خداوندی پر منحصر ہیں۔ اس

خنیئیت کو نفی کرنا در اصل ایجاب بالذات و بالطبع کا عقیدہ ہے، جو دین سماوی کے سراسر مخالف ہے۔

۱۶۲ـــــــ پس (حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حیات و نزول کے قطعی مسئلہ ہیں) شبہات اُٹھانا، مثلاً مسیح ابن مریم کے اور اس دین کے درمیان بیگانگی اور اجنبیت پیدا کرنا، مسیح ناصری اور مسیح محمدی میں تفریق کرنا، اور یہ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طویل حیات اور ان کا رفعِ جسمانی، آنحضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم پر ان کی فضیلت کا موجب ہے اور اس کو ہماری غیرت برداشت نہیں کرتی، یہ تمام شبہات شیطان کی تعلیم سے ہیں، جو ان حرماں نصیب لوگوں کے سینوں میں چارزانو بیٹھ کر القا کرتا ہے اور یہ لوگ اس قسم کے شبہات کے ذریعہ احمقوں کو ایمان سے خارج کر دیتے ہیں۔ ورنہ یہ امور نہ موجب فضیلت ہیں اور نہ خدا تعالےٰ کے ساتھ اس کے اختیارات میں منازعت ہو سکتی ہے۔

(ترجمہ اشعار" بابرکت ہے وہ ذات جس نے جاری کیے تمام امور حکمت کے ساتھ، جیسے چاہے۔ نہ ظلم کا ارادہ کیا، نہ کسی کی حق تلفی کا۔ پس نہیں تیرے لیے اس چیز کے سوا جو اللہ تعالےٰ نے چاہی، اب تجھے اختیار ہے خواہ خوش رہ، یا غم سے گھٹ کر مرجا"

۱۶۳ـــــــ پھر سمجھنا چاہیے کہ کسی شخص کی آخریت و خاتمیت متعدد وجوہ سے ہو سکتی ہے (اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز ایک اعتبار سے مؤخر ہوتی ہے اور دوسرے اعتبار سے مقدم) مثلاً کسی محل میں لوگ یکے بعد دیگرے جمع ہو رہے ہیں، جو شخص کہ سب سے آخر میں پہنچا وہ آمد کے لحاظ سے آنے والوں میں سب سے آخر ہے اگرچہ باہر جانے میں وہ سب سے اول رہے گا۔ جیسا کہ (حدیث نبوی) نحن الاٰخرون السابقون میں (اس مضمون کی جانب اشارہ ہوا ہے کہ آنے میں ہم سب سے آخر میں آئے، لیکن فضل و کمال اور دخولِ جنت میں ہم سب سے آگے نکل گئے) اور اسی طرح جو مُہر کہ ملفوف پر لگائی جاتی ہے۔ وہ وضع میں مؤخر ہوتی ہے اور کھلنے میں سب سے مقدم (کہ سب سے پہلے مہر کو توڑا جاتا ہے) اسی مضمون کی جانب حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے مسندِ طیالسی (ص ۳۵۴) کی حدیث میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ارشاد فرمایا ہے۔ (دیکھئے پیراگراف

(۳۶)

۱۶۴ـــــاور حدیث شفاعت (میں آتا ہے کہ تمام انبیاء کرام شفاعت کبریٰ سے گریز فرمائیں گے اور بالآخر یہ منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آ ٹھہرے گا، شفاعت کے اس مفصل واقعہ) سے اور تمام انبیاء کرامؑ کے (شفاعت کبریٰ کے منصب کو حضرت) خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کے حوالہ کرنے سے (ایک اہم ترین نکتہ) معلوم ہوا (وہ یہ) کہ جو شخصیت کہ منتہائے کمال ہو اس کا باعتبار زمانے کے بھی سب سے مؤخر ہونا سُنّتِ الٰہیہ میں اس کے منتہائے کمال ہونے کی علامت ہے اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم (کی خاتمیت و آخریت) میں یہی امر ملحوظ ہے (یہی وجہ ہے) کہ جستہ جستہ (اہم ترین) واقعات کے ضمن میں آپ ہی کی ذاتِ گرامی پر معاملہ کا توقف ظہور پذیر ہوتا رہا۔ یوں آپؐ کی خاتمیتِ زمانی ایک اور حقیقت کو ادا کرنے کے لیے ایک صورت اور پیرایہ بن گئی اور وہ تھا آپؐ کا کمالات میں انتہاء کے آخری مرتبہ پر فائز ہونا۔ اور یہی صورت لیلۃ الاسراء کی نماز اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی امامت میں ظہور پذیر ہوئی (کہ تمام انبیاء کرامؑ (غالباً اپنی بعثت کی ترتیب سے) بیت المقدس میں جمع ہوتے رہے اور سب سے آخر میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف ارزانی ہوئی، اور انبیاء علیہم السلام کی مقدس محفل میں امامتِ کبریٰ کے لیے جبریل امین نے ہاتھ پکڑ کر آپؐ کو آگے کر دیا جس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ پہلے آنے والے تمام حضرات، سب سے بعد میں آنے والی شخصیت کے منتظر اور چشم براہ تھے، جس طرح کہ تمام حاضرین جلسہ "مہمان خصوصی" کے منتظر ہوا کرتے ہیں۔ دوسرے انبیاء کرام کی امامت کبریٰ "سب سے آخر میں آنے والے" پر موقوف تھی۔ جب تک خاتم الانبیاءؐ کا ورودِ مسعود نہیں ہوا نماز شروع نہ ہو سکی۔ تیسرے جو سب کے بعد آیا تھا وہی سب کے آگے کیا گیا۔ یہ گویا نحن الاٰخرون السابقون کا عملی ظہور تھا۔ ان تمام وجوہ سے معلوم ہوا کہ آپؐ کی آخریت و خاتمیتِ زمانی دراصل آپؐ کے علوِ مرتبت اور سیادت و برتری کا ایک حسین ترین مظہر ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔)

۱۱۴

۱۶۵ــــــ پس نبوت کوئی تولیدی محکمہ نہیں، جیساکہ یہ ملحد (قادیانی) ہانکتا ہے (کہ خاتم الانبیاءؑ کی مہر سے نبی پیدا ہوا کرتے ہیں) بلکہ یہ منصب نبوت، رب العزت کی جانب سے استخلاف (خلیفہ سازی) اور ولی عہدی (نامزدگی) ہے۔ عقد بیعت اور اخذِ بیعت میں خاتم الخلفاء پر مقصد کا اتمام ہوتا ہے اور تولید میں استخلاف ــ جو عظیم تر منصب اور اعلیٰ شرف ہے ــ معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ استخلاف میں اہلِ حلّ و عقد اور سابقین کی حاضری ہوا کرتی ہے، جبکہ تولید باعتبار مؤخر کے ہوتی ہے۔ اور استخلاف کا حق یہ ہے کہ خلیفہ نامزد کرنے والا یہ کہے کہ "میں نے فلاں شخص کو ان پر خلیفہ مقرر کر دیا" اور یہی امرِ استخلاف، آیت کریمہ: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الآیہ (آل عمران: ۸۱) میں ظاہر ہوا، جو سلسلۂ نبوت کو بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل کی جانب منتقل کرنے میں کام آیا۔

۱۶۶ــــــ اور (آیت کریمہ: واذ اخذ اللہ میثاق النّبیّین میں جس نبی کیلئے عہد لینے کا ذکر ہے اس سے مراد حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیونکہ "النّبیّین" سے انبیاء بنی اسرائیل مراد ہیں اور آنے والے نبی کو ان سب کا "مصدق" فرمایا گیا، اور جیساکہ آیت میں فرمایا گیا) وہ مُصدِّق باہر سے آیا نہ کہ ان کے درمیان سے (اور ظاہر ہے کہ ایسا رسول صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو بنو اسرائیل سے نہیں بلکہ ان کے باہر سے یعنی بنو اسمٰعیل سے ہیں) اور یہی تورات کی تصریح ہے کہ:

"نابی	مقربخ	مئحیخ	کاموخ		یاقیم
ترجمہ: ایک نبی	تیرے قرب سے	تیرے بھائیوں سے	تیری مانند		قائم کرے گا
لخ	الوھخ	الاو	تشماعون"		
تیرے لیے	تیرا خدا	اس کی طرف	تم سنو گے۔		

اور اسکندرانی، جو علمائے یہود میں سے تھے بعد ازاں مشرف باسلام ہوئے، انھوں نے بشارات کتب مقدسہ میں، بنی یشماعیل کا لفظ نقل کیا ہے جو کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نام کی صاف تصریح ہے۔

اور اگرچہ (مصدق کا لفظ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام (کے حق میں) بھی آیا ہے، چنانچہ فرماتے: مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ (آل عمران: ۵۰) لیکن زیر بحث آیت میں "وہ آنے والے رسول" کا مصداق نہیں ہو سکتے، کیونکہ اول تو وہ خود اسرائیلی ہیں، نہ کہ باہر سے آنے والے، دوسرے، حق تعالےٰ اس آیت میں) تمام نبیوں کو ایک طرف رکھ کر اس "آنے والے رسول" کو لاتے ہیں، اور اسے کسی مخصوص کتاب کا نہیں بلکہ تمام ما معھم کا مُصدق قرار دیتے ہیں اور یہ وصف صرف خاتم الانبیاءؐ پر صادق آتا ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ (آیت: ۸۹) میں فرمایا: وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ۔ (ترجمہ: "اور جب آئی ان کے پاس ایسی کتاب اللہ کی جانب سے جو تصدیق کرنے والی ہے ان تمام کتابوں کی جو ان کے پاس ہیں" اور اسی سورہ کی آیت: ۱۰۱ میں ارشاد ہے:) وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ (ترجمہ: "اور جب آیا ان کے پاس وہ رسول، اللہ کی طرف سے جو تصدیق کرنے والا ہے ان تمام کتابوں کی جو ان کے پاس (پہلے سے نازل شدہ) ہیں"۔ اور یہ عنوان (مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ) دعوت میں زیادہ مؤثر ہے بہ نسبت (سورہ بقرہ کی آیت ۹۷ میں اختیار کردہ عنوان) فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ کے۔ کیونکہ موخرالذکر آیت میں کتاب کا حال مذکور ہے، ان لوگوں سے اسے زیادہ تعلق نہیں، اسی طرح کا عنوان سورۂ انعام (آیت: ۹۲) میں اختیار فرمایا، تاہم یہ عنوان بھی بلفظِ عام ہے۔ اور سورۂ بقرہ (آیت: ۴۱) میں ہے:۔ وَآمِنُوا بِمَا أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ۔ (اور آیت: ۹۱ میں ہے) وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ اور سورۂ نساء (آیت: ۴۷) میں ہے: آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم یہ تمام آیتیں "ما مع" کے عنوان سے ہیں اور سورۂ مائدہ (آیت: ۴۸) میں ہے: مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ۔ یہاں "الکتاب" سے عام کتب سابقہ مراد ہیں۔ اور (اس کے برعکس) عیسیٰ السّلام کے حق میں سورۂ مائدہ (آیت: ۴۶)

سورہ صف (آیت : ۶) اور سورۂ آلِ عمران (آیت : ۵۰) میں (مصدق کا لفظ) من التوراۃ کی قید کے ساتھ آیا ہے نہ کہ من الکتاب کی قید کے ساتھ۔ (خلاصہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تورات کے مصدق تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عام کتبِ سابقہ کے مُصدّق ہیں، اس لیے آیتِ "میثاق النبیین" میں جس رسولِ مصدق کا ذکر ہے اس سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں) پھر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء سابقین کے لیے مصدق ہونا کسی جگہ تو) 'جامع' کے عنوان (سے ذکر فرمایا) اور (کہیں) ما بین یدیہ من الکتاب کے عنوان (سے۔ اور جیسا کہ ابھی اوپر گذر چکا ہے کہ ان دونوں عنوانوں) کے درمیان بھی (ایک دقیق ولطیف) فرق ہے، جسے ملحوظ رکھا گیا۔

۱۱۷ ــــــ محل میں جمع ہونے والوں کی مذکورہ بالا مثال میں، جب کوئی شخص اندر بیٹھ کر کسی ضرورت کے لیے باہر نکل آتے اور رفعِ ضرورت کے بعد پھر واپس آجاتے پس اگر دوبارہ آنے کی حرکات کا شمار کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ آخری آمد، اس شخص کی آمد ہے، مگر چونکہ یہ آمد مقاصد میں لائقِ اعتبار نہیں، اس لیے محافل ومجالس میں پہلی آمد ہی کا اعتبار کرتے ہیں، اور یوں کہتے ہیں کہ سب سے آخر میں فلاں شخص آیا تھا، اس شخص کو (جو مجلس سے اٹھ کر کسی ضرورت کے لیے باہر گیا تھا اور پھر واپس آگیا) آخر میں آنے والا نہیں کہتے ہیں۔ اور جب یوں کہیں کہ فلاں 'خاتم النبیین' ہے تو یہ باعتبار پیدائش اور بعدیتِ اشخاص کے ہے، جیسا کہ اس کا اجمالی بیان پہلے گذر چکا ہے اور اس میں شک اندازی کرنا بدیہیات میں تشکیک ہے جو لائق التفات نہیں اور جب بات اشخاص پر پہنچی۔ اور ان کا تعدد ہر ایک کی شکل وصورت اور چہرہ مہرہ کے اعتبار سے ہے، نہ کہ استقلال واتباع ایسے ذہنی ومعنوی امور کے اعتبار سے، جو تمایزِ وجوہ میں لغو ہے۔ تو یقیناً کسی نئے شخص کا آنا آیتِ خاتم النبیین کے منافی ہے، کیونکہ وہ ایک الگ شخص

ہے اور چہرہ مُہرہ اور قالب الگ رکھتا ہے، اور اسی (تغایر اشخاص) کے اعتبار آیت ختم نبوت آتی ہے، اور اس مُراد میں تحریف کرنا زندقہ والحاد ہے۔ البتہ پہلوں میں سے کسی شخص کا جس سے مراد حضرتِ مسیح بن مریم علیہما السلام ہیں، دوبارہ لانا (آیتِ خاتم النبیین کے منافی نہیں کیونکہ کسی نئے شخص کو تو نہیں لایا گیا، بلکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے) ایک شخص کا دوبارہ لانا ہوا، کیونکہ یہ تو وہی پہلا شخص ہے اور اس کا دوبارہ لانا (ختم نبوت کے منافی نہیں ــــ بلکہ یہ) اس امر کی علامت ہے کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ انبیاء کا کوئی نیا فرد باقی نہیں رہا، اس لیے تکرار و اعادہ کی ضرورت لاحق ہوتی۔ خاتم کی خاتمیت اس امر کو مقتضی نہیں کہ پہلے کے سب لوگ مرکر فنا ہو گئے، جیسا کہ آخر المہاجرین اور آخر الاولاد کا لفظ پہلوں کی فنا کو مستلزم نہیں۔

۱۶۸ ــــ پس ان امور میں شک اندازی کرنا دراصل بدیہی امور میں شک اندازی ہے۔ اس طرح کے شبہات ڈال ڈال کر شیطان رجیم احمقوں اور بے ایمانوں کا مذاق اڑاتا ہے۔ الاصابہ میں لکھا ہے کہ: "لا نبی بعدی" کی نفی کو اس معنیٰ پر محمول کرنا واجب ہے کہ آئندہ کسی شخص کے حق میں نبوت جدیدہ کا انشاء نہیں ہوگا، اس سے کسی ایسے نبی کے موجود ہونے کی نفی نہیں ہوتی جو آپؐ سے قبل منصبِ نبوتؐ سے سرفراز کیا جا چکا ہو[1]۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء

۱۶۹ ــــ بعدازیں معلوم رہے کہ علماء کلام کو "فضیلت" کی تفسیر میں بحث ہے، اکثر علماء اس کو کثرتِ ثواب کے معنی میں لیتے ہیں۔ اور شاید ابن حزمؒ نے کچھ اور ہی سمجھ لیا کہ انھوں نے یہ مسئلہ نقل کر کے کہ "ازواجِ مطہرات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت کے ایک ہی مکان میں ہوں گی۔" اس پر ایک ایسی تفریع بٹھاتی ہے جسے جمہور علماء تسلیم نہیں کرتے۔ دراصل مکان و منزل میں اشتراک اور چیز ہے، اور منزلت و مکانت میں اشتراک امر دیگر ہے۔ چونکہ یہ حقیقت فی نفسہا موجود بھی ہے اور مقصود بھی، ــــ اس لیے اس کو لغو قرار دینا اور اس کے لفظ کو اس کی نوعیت سے خالی

---

[1] الاصابہ: ابن حجر ص ۴۴۵-۴۲۵- ج ۱ - ترجمہ خضر علیہ السلام

کر دینا یقیناً تحریف ہے۔

اسی طرح صراط الذین انعمت علیہم (میں جس انعام کا ذکر ہے وہ) ایک مستقل حقیقت ہے، جو حصولِ نبوت کو نہیں چاہتی (ورنہ اگر یہ انعام حصولِ نبوّت کو مستلزم ہو تو دو باتوں میں سے ایک لازم آئے گی: یا یہ کہ انبیائؑ کے سوا کوئی شخص مُنعَم علیہ نہیں، یہ نصِ قرآن سے باطل ہے یا یہ کہ جس قدر مُنعَم علیہ ہوتے وہ سب نبی تھے، اور یہ بھی بالبداہت باطل ہے) اور اس کو اپنے موضوع سے نکالنا (اور اس سے حصولِ نبوّت پر استدلال کرنا) ایک موجود اور اٹل حقیقت کو مٹانا ہے۔ ظاہر ہے کہ بلا دلیل ایسا کرنا الحاد کی ایک قسم ہے۔

اسی طرح رفع و نزول کے الفاظ جو (حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے بارے میں قرآن و حدیث میں وارد ہیں، وہ) صنعتِ طباق کی بناء پر مکشوف المراد ہیں (یہی وجہ ہے کہ تمام کی تمام اُمّت اسلامیہ نے قرآن کریم کے لفظ رافعك الیّ اور بل رفعہ اللہ الیہ سے رفعِ جسمانی سمجھا ہے، اور رفع کے مقابلہ میں احادیثِ متواتر میں نزول، رجوع اور ہبوط کے الفاظ وارد ہیں، بیشتر لفظ نزول استعمال ہوا ہے، جس کے معنی تمام اُمّت نے "آسمان سے اُترنے" کے سمجھے ہیں اور رفع و نزول کے مفہوم میں اُمّت کے کسی ایک لائق اعتبار فرد کو بھی اختلاف نہیں ہوا، ایسے قطعی المراد اور واضح المعنٰی الفاظ کو) ان کے موضوع اور ان کی نوعیت سے خالی کرنا (اور یہ کہنا کہ رفع سے مراد رفعِ درجات ہے اور نزول سے مسیح علیہ السّلام کے کسی مثیل کا پیدا ہونا مراد ہے، یہ خدا و رسول کے منشاء کی عین ضد اور اجماعِ اُمّت کے قطعی مخالف ہے، جو بدترین) الحاد ہے۔

۱۷۰ـــــ اگر بادشاہ کی دعوت کریں تو حشم و خدم اور نوکر چاکر بھی (خدمت کے لیے) اسی منزل و مکان میں رہیں گے۔ لیکن عزّت و وجاہت اور منزلت و مکانت میں وہ شریک نہیں، پس ضیافت اور رہائش گاہ میں شریک ہونا بھی ایک حقیقت ہے، جو (بادشاہ کے طفیل دوسروں تک بھی) ساری و متعدی ہے۔ لیکن وجاہت

و منزلت میں شرکت نہیں، نہ یہ ساری و متعدی ہے۔

اور معیت کے بھی بے شمار مراتب ہیں۔ آیت کریمہ: فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم[1] میں جس "معیت" کا ذکر ہے اس سے یہی معیتِ متعدیہ مراد ہے، اور وہ بھی مراتب کثیرہ رکھتی ہوگی۔ وجاہت مختصہ میں معیت مراد نہیں۔ اور کسی کو کسی کے ساتھ رکھنا اور اس کے متعلقین میں سے شمار کرنا ایک وسیع و عریض میدان رکھتا ہے، وہ اختصاصات خاصہ کیا تو بھی جمع ہو سکتا ہے پس جیسا کہ مثال مذکور میں بادشاہ کا امتیاز حشم و خدم کی معیت کے باوجود محفوظ ہے، اسی طرح فیوضِ نبوّت کے حال کو، جو متعدی ہیں، اور اصلِ نبوّت کو جو متعدی نہیں سمجھ لینا چاہیے۔

تولیدِ نبوّت (بایں معنی کہ ایک نبی اپنے فیضانِ نبوّت سے دوسرے کو نبی بنا دے) سابقین میں بھی نہیں تھی، بلکہ حق تعالیٰ کی جانب سے متعدد انبیاء کرام کو مبعوث کیا جاتا تھا، کبھی وہ زمانے پر منقسم ہوتے تھے، کبھی اقوام پر، اور کبھی ایک ہی زمانہ اور ایک ہی قوم میں الگ الگ) وظائف و اعمال کے اعتبار سے (الگ الگ نبی) ہوتے تھے۔ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ امر مقدر نہ تھا۔ بلکہ تمام کمالات، تمام مکارمِ اخلاق اور تمام محاسنِ افعال ایک ذات گرامی میں جمع کرکے کارِ نبوت کی تکمیل کر دی گئی۔ پس جو چیز پہلوں میں متعدی تھی وہ اب بھی متعدی ہے۔ (یعنی نبوت کے فیوض و برکات) اور نفسِ نبوّت نہ اس وقت متعدی تھی اور نہ اب متعدی ہے۔

۱۷۱ــــ اور آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم (واتممت علیکم نعمتی الآیۃ[2] میں جس اتمام نعمت کا ذکر ہے اس) نعمت کا اتمام حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کی برکت سے پوری مجموعہ اُمّت کی جانب منسوب ہو سکتا ہے، نہ کہ ہر ہر فرد کی جانب۔ اس نکتہ کو بھی یاد رکھو۔

---

[1] "پس یہ لوگ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔" (النساء: ۶۹)

[2] "آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لیے تمہارا دین، اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت۔" (المائدہ: ۳)

اور اسی آیت کریمہ سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اقتباس کرتے ہوئے کہا تھا:

"میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر، قرآن کے امام و پیشوا ہونے پر، اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر بصدق دل راضی ہوا"

(ترجمہ شعر) آپ سے پہلے بہت سے انبیاء آئے اور آپ اگرچہ آخر میں تشریف لائے
مگر سب کے پیشوا آپ ہی ہیں۔"

قادیانی دین و مذہب کے بارے میں چند سوالات اور ان بد دینوں کی دعوت و ملت کی مکاریوں کا بیان

۱۷۲ا ـــــ سوال ۱ تمہارا دین کیا ہے؟ سوال ۲ اور وہ تم لوگوں کو کس طریقہ سے پہنچا: تواتر سے یا کسی اور طریق سے؟

سوال ۳ ایمان و کفر کی تعریف کیا ہے۔ سوال ۴ اور اس کی دفعات بطور معیار کون کون سی ہیں؟

سوال ۵ (مرزا کا دعویٰ ہے کہ: "خدا کا کلام اس قدر مجھ پر نازل ہوا کہ اگر وہ تمام لکھا جائے تو بیس جز سے کم نہیں ہوگا" (حقیقۃ الوحی ص ۳۹۱) سوال یہ ہے کہ: قادیانی وحی، جو بقدر بیس جزو کے (قرآن کریم سے) زائد ہے اس کا اضافہ کیا حکم رکھتا ہے؟ (کیا وہ بھی قرآن کی طرح قطعی ہے؟ کیا اس پر ایمان لانا بھی قرآن کی طرح فرض ہے؟ کیا اس سے بھی احکام شرعیہ ثابت ہو سکتے ہیں؟ کیا اس پر عمل کرنا بھی واجب ہے؟ کیا اس کو بھی قطعی طور پر کلام اللہ کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیا نماز میں اس کی بھی تلاوت جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس کے کسی ایک لفظ یا فقرے کا منکر بھی کافر ہے یا نہیں؟)

سوال ۶ جب مرزا ہندوؤں کے وید کی بھی تصدیق کرتا (اور اس کے کلام الٰہی

۱۲۱

ہونے کا قطعی عقیدہ رکھتا) ہے[1] تو قرآن پر اس کا کیا احسان ہوا اور اس کے ساتھ مرزا کو کیا خصوصیت ہوتی ؟ **سوال ۷:** ایک طرف تو مرزا محمدی ہونے کا دعویدار رہے اور دوسری طرف ہندوؤں کے مذہبی راہنماؤں کا "اوتار" کہلاتا ہے، سوال یہ ہے کہ) محمدی ہونے کے باوجود، کرشن وغیرہ (ہندو راہنماؤں) کا بروز ہونا کیونکر ممکن ہے ؟

سوال ۸: مرزا نے حاشیہ تریاق القلوب میں "بروز" کو "جنم" کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اندریں صورت مرزا کے "بروز" اور ہندوؤں کے "آواگون" کے درمیان کیا فرق ہے ؟ علاوہ ازیں مرزا نے بروز کے معنی "اوتار" بھی ذکر کیے ہیں، دیکھئے عشرۂ کاملہ ص ۴۶ اور کاویہ ص ۳۹

۱۷۳ـــــ **سوال ۹:** تمہارے نزدیک تواتر (کی تعریف، اس) کا اور اس کے منکر کا کیا حکم ہے ؟ **سوال ۱۰:** اور قرآن کریم کا تواتر کس نوعیت کا ہے ؟ **سوال ۱۱:** تمہارے نزدیک وہ کون سا ضابطہ ہے جس سے (کسی آیت یا حدیث کی) قطعی مراد ثابت ہو سکے؟

سوال ۱۲: تمہارے نزدیک دینِ محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) یا نصوص میں سے کوئی چیز ثبوت اور دلالت کے لحاظ سے قطعی بھی ہے یا نہیں ؟

۱۷۴ـــــ **سوال ۱۳:** کیا مرزا کو جھوٹ بولنے کی عادت بھی تھی یا نہیں ؟ اور اپنے مراقی ہونے کا اقرار بھی کیا یا نہیں ؟ (اور یہ بھی فرمائیے کہ جو شخص جھوٹا اور مراقی ہو کیا وہ

---

[1] مرزا کا قول ہے کہ "ہندوستان میں ایک نبی گذرا ہے جس کا نام کاہن تھا" دیکھئے سودائے مرزا ص ۳۱، تتمہ چشمہ معرفت ص ۱۰، فتح قادیان ص ۲۷ اور حقیقۃ الوحی ص ۲۰۹۔ اور اس سے قریب تر ضرورۃ الامام ص ۲۱ میں۔

نیز مرزا قادیانی لکھتا ہے:

"ہم وید کو بھی خدا کی طرف سے مانتے ہیں، خدا کی تعلیم کے موافق ہمارا پختہ اعتقاد ہے کہ وید انسانوں کا افتراء نہیں۔ ہم خدا سے ڈر کر وید کو خدا کا کلام جانتے ہیں"۔ مرزا قادیانی کی آخری تصنیف "پیغام صلح" ص ۲۳، جو اپنی ہلاکت سے ایک دن پہلے لکھی۔ بحوالہ علم کلام مرزا ص ۶۸ اور تاریخ مرزا ص ۲۲۔ منہ

ولی، مجدّد اور مسیح ہو سکتا ہے؟) **سوال ۱۴:** اور مرزا فحش کلامی بھی کیا کرتا تھا یا نہیں؟[لہ] **سوال ۱۵:** اور مرزا کو قرآن کریم بھی حفظ تھا یا نہیں؟ (اگر نہیں تھا تو بعثت ثانی میں کیوں بھول گیا؟) **سوال ۱۶:** اور (مسیح ابن مریم کی علامات میں لکھا ہے کہ وہ حج کریں گے۔ سوال یہ ہے کہ) مرزا نے حج بھی کیا یا نہیں؟ (اگر جواب نفی میں ہے تو وہ مسیح صادق ہوا یا مسیحِ کاذب؟) **سوال ۱۷:** اور (اگر مرزا کے حج نہ کر سکنے کا یہ عذر پیش کیا جائے کہ مکہ ومدینہ کے لوگ مرزا کو کافر اور زندیق سمجھتے تھے اور اس کے قتل کے درپے تھے چونکہ مرزا کو اپنی جان کا خطرہ تھا اس لیے فریضۂ حج ادا نہیں کر سکا تو اس عذر نامعقول کو پیش کرنے سے پہلے اس بات پر غور کر لیا جائے کہ) کیا مرزا نے یہ الہام بھی شائع کر رکھا تھا یا نہیں کہ "اللہ تعالیٰ تجھ کو (مرزا کو) لوگوں سے محفوظ رکھے گا" (مرزا کا یہ نام نہاد الہام شائع شدہ ہے، اس کے باوجود حج کو کیوں ترک کیا؟ کیا مرزا کا یہ الہام غلط تھا؟ یا اسے قرآن وحدیث کی طرح اپنے الہام پر بھی ایمان نہیں تھا؟

علاوہ ازیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہما السلام حج وعمرہ کریں گے۔ اِدھر مرزا کو حج وعمرہ کبھی خواب میں بھی نصیب نہ ہوا، تو کیا مرزا کو "مسیح بن مریم" ماننے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیش گوئی غلط نہیں ہو جاتی؟ اور کیا اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم نہیں آتی؟

۱۷۵ـــــ **سوال ۱۸:** اور کیا مرزا نے یہ الہام بھی شائع کیا کہ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) "میں رسول (یعنی مرزا) کے ساتھ ہوں، جواب دیتا ہوں، غلطی بھی کرتا ہوں اور درست بھی" اور اس الہام کی جو احمقانہ طویل مرزا نے کی ہے اسے "اشدّ العذاب" (ص ۶۸) میں ملاحظہ فرمائیے اور اس کا اصل ماخذ اظہار الحق کے چھٹے باب سے ذرا پہلے دیکھئے۔ **سوال ۱۹:** اور مرزا نے خدا کا بیٹا ہونے کا الہام بھی شائع کیا یا نہیں؟ مثلاً انت منی بمنزلة ولدی انت منی بمنزلة اولادی۔ یعنی خدا مرزا سے کہتا ہے کہ اے مرزا تو مجھ سے ایسا ہے جیسے میرا بیٹا۔ اور تو مجھ سے ایسا ہے جیسی میری اولاد۔

لہ مرزا کی فحش کلامی کے نمونے دیکھنے ہوں تو رسالہ "مغلظات مرزا" ملاحظہ فرمائیے۔ مترجم

(دیکھئے تذکرہ طبع دوم صفحات ۲۱۴ - ۳۹۴ - ۴۳۶) جبکہ مرزا کو یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس کے تمام دعوے حقیقت واقعیہ پر مبنی ہیں، نری شاعری نہیں۔

۱۷۶ ـــــــ **سوال نمبر ۲۰** اور مرزا نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے یا نہیں؟ [1]

سوال نمبر ۲۱ اور اسی طرح شریعت کا دعویٰ بھی کیا ہے یا نہیں؟ (دیکھئے اشد العذاب ص ۳۱)

سوال نمبر ۲۲ اور (اپنے دعویٰ کے انکار پر) مرزا نے تمام اُمت حاضرہ کو کافر ٹھہرایا ہے یا نہیں؟ **سوال نمبر ۲۳** اور انبیاء کرام کی توہین بھی کی ہے یا نہیں؟ **سوال نمبر ۲۴** اور حضرت عیسیٰ (علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے اور سینے کی آگ بجھانے کے لیے جو توہین آمیز تحقیقی و تعریضی فقرے چست کرتا ہے اُن میں اگرچہ بعض جگہ دوسروں کا حوالہ دیتا ہے (کہ مثلاً یہودی یوں کہتے ہیں۔ عیسائیوں کی کتابوں میں یوں لکھا ہے) لیکن در حقیقت خود اپنے ہی سینے کا زہر اُگلتا ہے چنانچہ جس بات کو ایک جگہ کسی کے حوالے سے نقل کرتا ہے اسی بات کو دوسری جگہ اپنی تحقیق کے طور پر پیش کرتا ہے (اور حضرت عیسیٰؑ کے حق میں ایسے توہین آمیز کفریہ کلمات بکتا ہے جن سے انبیاء کرام کی نبوت اور خدا تعالیٰ کی خدائی باطل ہو جاتی ہے مثلاً) اخبار بدر (قادیان) مورخہ ۹ر مئی ۱۹۰۸ء مرزا قادیانی کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ:۔

"فرمایا ایک دفعہ حضرت مسیح زمین پر آئے تھے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ کئی کروڑ مشرک دنیا میں ہو گئے۔ دوبارہ آ کر وہ کیا بنائیں گے؟ کہ لوگ ان کے آنے کے خواہش مند ہیں" (بحوالہ مرقع قادیانی ص ۱۲)

مرزا کا یہ فقرہ اول تو خدا تعالیٰ پر اعتراض ہے (کہ نعوذ باللہ اس نے غلطی سے ایک ایسے شخص کو نبی بنا کر بھیج دیا جس کے آنے سے بجائے ہدایت پھیلنے کے دنیا کروڑوں مشرکوں سے بھر گئی۔ اب آئندہ خدا کو ایسی غلطی نہیں چاہیے کہ دوبارہ اسی شخص کو پھر دنیا میں بھیج دے۔ استغفر اللہ) دوسرے، یہ فقرہ دلالت

---

[1] کوئی انسان ذرا بے حیا نہ ہو تو اس کے لیے اس سے چارہ نہیں کہ میرے دعویٰ کو اُسی طرح مان لے جیسا کہ اس نے آنحضرتؐ کی نبوت کو مانا" عجائبات مرزا ص ۱۲ منہ

کرتا ہے کہ نبوت کے معنیٰ مرزا کے نزدیک صرف قوم کا مصلح اور مُدبّر ہونا ہے، اور بس۔ (پس جن انبیاء کرام کی آمد سے ان کی قوموں کی اصلاح نہ ہوئی یا ان کے تشریف لے جانے کے بعد ان کی قومیں بگڑ گئیں وہ مرزا کے نزدیک نبی نہ ہوں گے اور ان کی تشریف آوری عبث ٹھہرے گی) اور مرزا کی یہ فقرہ بازی تو دوسروں کے حق میں ہے اور خود اپنے بارے میں ایسی تعلی آمیز لافیں ہانکتا ہے جن سے ابلیس بھی شرمندہ رہ جاتے اور اخبار بدر مورخہ ۷ نومبر ۱۹۰۲ء صلا میں مرزا کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"یحییٰ جو نشہ نہیں پیتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت بھی حرام تھی
مسیح نے مُرشد کی تقلید کیوں نہ کی"

اور مرزا نے از روئے انجیل بھی شراب کو حرام قرار دیا ہے، اس کے باوجود حضرت مسیح علیہ السلام کو شراب نوشی کا مرتکب قرار دیتا ہے۔ دیکھئے "مرزائیت کی تردید" ص ۹۵ ۔ اور ص ۱۰۳ میں مرزا کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "یسوع درحقیقت بوجہ بیماری مرگی کے دیوانہ ہوگیا تھا" (ست بچن صلا کا حاشیہ)

۱۷۷ ـــــ سوال ۲۵ اور مرزا بیسیوں پارے وحی کا قرآن کریم پر اضافہ کرتا ہے اور ان تمام ارشادات نبویہ کو، جو اس کی وحی کے موافق نہ ہوں، معاذ اللہ ردّی کی ٹوکری میں پھینکنے کے لائق سمجھتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ قرآن کریم کی وہی تفسیر لائق اعتبار ہے جو اس کی وحی کے ذریعہ کی جاتے (اس کے خلاف خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تفسیر ہو، یا صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ کی، یا تمام ائمہ مفسرین کی، یہ سب غلط ہیں) سوال یہ ہے کہ مرزا کی ان لن ترانیوں کے بعد اسلام کی کوئی حقیقتِ واقعیہ باقی رہ جاتی ہے یا اس کی بیخ و بنیاد یکسر اکھڑ جاتی ہے؟

۱۷۸ ـــــ سوال ۲۶ ایک شخص قرآن و حدیث کے الفاظ کا سرے سے انکار کر دیتا ہے اور دوسرا شخص گو الفاظ کا انکار نہیں کرتا، مگر مرزا غلام احمد کی طرح) ان کے قطعی اور متواتر معنیٰ کا انکار (کرتا ہے اور قرآن و حدیث کو اپنے خود ساختہ معنی پہنا کر ان کا مفہوم مسخ) کر دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان کیا فرق

رہا ؟ اور نتیجہ کے لحاظ سے کیا تفاوت نکلا ؟ (چکڑالوی فرقہ بھی متواتراتِ دین کا انکار کر کے قرآن کی من مانی تشریح کرتا ہے، اور ٹھیک یہی تکنیک مرزا اور مرزائیوں کی ہے، آخر) تمہارے درمیان اور اہلِ قرآن (چکڑالویوں) کے درمیان کیا فرق ہے ؟ اور اسماعیلی فرقہ اور دیگر ملاحدۂ باطنیہ کے (اور مرزا کے) درمیان اصل اصول میں آخر کیا فرق ہے ؟ کہ یہ سب لوگ بھی باطنی اور حلولی ہوئے ہیں (اور مرزا بھی۔ اب اگر ان باطنیہ کی تاویلیں کفر و زندقہ ہیں تو مرزا ان سے کس بات میں کم ہے ؟)

سوال ۱۷۷ جب مرزا نے قرآن کریم سے بیس پارے زائد وحی قادیان میں اتار لی، اپنی وحی کے خلاف ارشاداتِ نبویہ کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا (اور قرآن کریم کی وہ تفسیریں جو گذشتہ تیرہ صدیوں میں لکھی گئیں وہ سب غلط ٹھہریں کیونکہ وہ قادیانی وحی کی روشنی میں نہیں لکھی گئیں) اور تمام اُمّت کو کافر و مشرک قرار دے ڈالا تو اس کے بعد اب مرزائیوں کی کون سی چیز اہلِ اسلام کے ساتھ مشترک رہ گئی ؟

۱۷۹ ـــــ سوال ۱۷۸ کیا مرزا کسی ایسی حرکت کا، جس کو عرفِ عام میں بے ایمانی (دغا بازی اور مکاری) کہا جاتا ہے، ارتکاب بھی کیا کرتا تھا یا نہیں ؟ مثلاً :

الف : محمدی بیگم (سے آسمانی نکاح) کی پیش گوئی کو تقدیرِ مُبرم ٹھہرایا (اور بار بار اعلان کیا کہ یہ پیش گوئی اس کے صدق و کذب کا معیار ہے، اگر یہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی تو دُنیا گواہ رہے کہ وہ جھوٹا ہے) لیکن جب (آسمانی نکاح کی پیش گوئیوں کا) یہ سارا طومار دروغِ بے فروغ نکلا (اور محمدی بیگم تو کجا ؟ اس کا سایہ دیکھنا بھی مرزا کو ساری عمر نصیب نہ ہوا) تو کیسی کیسی بے ایمانیاں کیں اور کیسی کیسی رکیک تاویلیں تراشیں۔

ب : اسی طرح پادری آتھم کی (موت سے متعلقہ) پیش گوئی میں (مرزا نے دروغ بافی، اور عیاری و مکاری کا مظاہرہ کیا کہ پندرہ دن تک مرزا آتھم سے مباحثاتی کُشتی لڑتا رہا، جب دیکھا کہ میدان اس کے حریف کے ہاتھ میں ہے تو لے سے الہامی

حریف سے چیت کرنا چاہا، اور اعلان کر دیا کہ اس کا حریف پندرہ مہینے کے اندر اندر بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جاتے گا۔ اور اگر اس مدت میں نہ مرے تو مرزا کا منہ کالا کیا جائے گا، اس کے گلے میں رسہ ڈالا جائے گا، اور لوگ جس قدر چاہیں اس کے سر پر جوتے لگائیں، جو چاہیں سزا دیں۔ مگر آتھم نے مرزا کو الہام میں بھی شکست دے ڈالی اور مقررہ میعاد کے اندر مرنے سے انکار کر دیا۔ کوئی باحمیت ہوتا تو اس ذلت آمیز شکست پر ڈوب مرتا، یا کم از کم اتنی اخلاقی جرأت تو دکھاتا کہ اپنے حریف کے سامنے اپنی ناکامی کا اعتراف ہی کر لیتا۔ لیکن مرزا نے اپنی تجویز کردہ سزا سے بچنے کے لیے کیا کیا حیلہ سازیاں نہ کیں)

ج: اور اپنے قصیدۂ اعجازیہ کے جواب کا وقت مقرر کرنے میں مرزا نے بمقابلہ مولوی ثناء اللہ صاحبؒ کے کیسی کیسی بے ایمانیاں کیں؟

د: اور پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی (کو مرزا نے مقابلۂ تفسیر نویسی کی خود دعوت دی، اور جب وہ مرزا کی شرائط کے موافق لاہور آئے تو مرزا کو ان) کے (سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی، اور جب) مقابلۂ تفسیر نویسی (سے گریز اختیار کرنے کا الزام عائد ہوا تو اس) کے جواب میں (مرزا نے کس قدر سخن سازیوں سے کام لیا؟) [1]

ہ: اور مرزا کے مخالفوں کو معمولی چھینک بھی آئی تو اس کو بھی مرزا نے اپنے معجزات کی فہرست میں ٹانک لیا۔

و: اور حضرت مسیح علیہ السّلام کی زلزلہ اور طاعون کی پیش گوئیوں کو لغو اور مہمل قرار دیا، اور اپنے حق میں انہی کو معجزہ شمار کیا۔

ز: جب احادیث کی کوئی من مانی تحریف سمجھ میں نہ آئی تو انہیں ضعیف اور موضوع کہہ کر ردّ کر دیا اور جب کوئی تحریف سوجھ گئی تو انہی احادیث کو

---

[1] ان امور کی تفصیل کے لیے رسالہ "الہامات مرزا" مؤلفہ مولانا ثناء اللہ صاحب اور "رئیس قادیان" مؤلفہ مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری کا مطالعہ فرمائیے۔ مترجم

مسخ کر کے استدلال میں پیش کر دیا۔

ح : دوسروں کے (دعوٰی نبوّت کو) ردّ کرنے کے لیے قاعدے تراشنا اور محض ہوائے نفس کی خاطر اپنی ذات کو ان قاعدوں سے مستثنٰی اور مخصوص کرکے اپنی ذات کے لیے ان کی ضد اور نقیض ثابت کرنا۔ جیسا کہ آغرِ حقیقۃ الوحی صٓ۳۹۱ میں کیا ہے۔ گویا عقل و نقل اور آدمیت و اخلاق کے سارے قوانین و اصول صرف دوسروں کے واسطے ہیں (خود اس کی ذات پر لاگو نہیں ہوتے) کیونکہ وہ سلطانی اختیارات رکھتا ہے، اور 'سائبہ' اور 'حام' ہے۔ دوسروں کے لیے فلسفہ بگھارنا اور علّتیں نکالنا۔ اور اپنے حق میں اختصاص و اصطفا کی لافیں ہانکنا۔

ط : اور جب یہ بات تسلیم کرانا مقصود تھی کہ مثیل مسیح کی آمد کا دروازہ کھلا ہے اس وقت ہزار مثیلِ مسیح کا آنا بھی اس کے نزدیک جائز تھا۔ لیکن جب مطلب نکل آیا تو صرف ایک مخصوص شخص۔ یعنی خود بدولت مرزا۔ مثیل مسیح نکلا، اور پھر دروازہ بند ہوگیا۔ گویا یہی ایک بلّی تھی جو تھیلے سے باہر نکل آئی

۱۸۰ ـــــ اجرائے نبوّت کے لیے قادیانی یہ مغالطہ پیش کیا کرتے ہیں کہ جس طرح شہنشاہِ اعظم کے ماتحت بہت سے بادشاہ ہوا کرتے ہیں، اور یہ اس کی عظمت کی دلیل ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ماتحت انبیاء کا اس امت میں آنا آپؐ کی عزت و قدر کو دوبالا کرتا ہے، مگر اس (شہنشاہی اور شاہی کی مغالطہ آمیز مثال میں کھلا ہوا مغالطہ ہے اس لیے کہ (اوّل تو نبوت کو بادشاہت پر قیاس کرنا ہی بالبداہت غلط اور مقام نبوت سے ناآشنائی کی دلیل ہے، دوسرے، بادشاہ کے ماتحت اس کے نائبوں کا ہونا اس کی عظمت کی دلیل نہیں بلکہ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو اس کا منشاء بادشاہ کا عجز و درماندگی اور کوتاہ دستی ہے، (چنانچہ) نائب کا تقرر اگر شہنشاہ کے بعد کے لیے ہے تو اس کا سبب یہی تو ہے کہ وہ خود (چونکہ) موجود نہیں رہا (اس لیے بذاتِ خود کارِ سلطنت انجام دینے سے عاجز ہے) اور کار سلطنت کو

(چونکہ) جاری رکھنا ہے اسے ختم نہیں کرتا (اس لیے لامحالہ کسی نائب کی ضرورت لاحق ہوتی) اور اگر نائب کا تقرر خود شہنشاہ کے عہد میں ہوا ہے۔ پس اگر کاروبار سلطنت میں مدد لینے کے لیے ہے تو اس کے دستِ نارسا کے سبب ہے (کہ وہ بذاتِ خود یہ سارے کام انجام دینے سے قاصر ہے) اور اگر وہ سلطنت کو (مثلاً گورنروں یا شہزادوں پر) تقسیم کر دیتا ہے۔ تب بھی یہ اس کے دستِ نارسا کا نتیجہ ٹھہرا (الغرض بادشاہ کے ماتحتوں کا سلطنت میں دخیل ہونا اس کی عزت و توقیر کی نہیں بلکہ عجز و تقصیر کی علامت ہے) اور (اس تقریر سے معلوم ہوا ہوگا کہ) خاتمیت کو شہنشاہیت پر قیاس کرنا (اوّل تو) قیاس مع الفارق (ہے، پھر اس) کے (ساتھ) ساتھ یہ نہایت رکیک (سطحی اور بودا) قیاس ہے۔ (ایسی اٹکل پچو قیاس آرائی جھوٹے نبی کے "دانشمند" حواریوں ہی کا حصہ ہے، لطف یہ کہ) کسی زمانے میں یہ ملحد (قادیانی) کہا کرتا تھا:

"اگر آپؐ کے بعد بھی اُمّت کے خلیفوں اور صُلحاء پر نبی کا لفظ بولا جانے لگتا، جیسا کہ موسیٰ کے بعد کے لوگوں پر بولا جاتا رہا، تو اس میں آپؐ کی ختم نبوت کی ہتک تھی۔"

اخبار الحکم قادیان ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء ص ۹ کالم ۳۔ بحوالہ فتح مبین: مفتی عبداللہ لدھیانوی جس میں اس مضمون کے دیگر حوالے بھی قادیانی کتابوں سے نقل کیے ہیں

(مندرجہ بالا عبارت میں مرزا نے اعتراف کیا ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص پر نبی کا لفظ بولا جانا آپؐ کی ختم نبوت کی ہتک کا موجب ہے، لیکن جب شیطان نے اسے دعوائے نبوت کی پٹی پڑھائی تو) اس کے بعد (خوفِ خدا اور مخلوق سے حیا کو بالائے طاق رکھ کر) اس کے برعکس کا نظریہ ایجاد کر لیا (کہ آپؐ کے بعد سلسلۂ نبوت کے جاری رہنے میں آپؐ کی عزت اور اس کے بند ہونے میں آپ کی توہین ہے۔ اور) اس (تناقض) کے ساتھ (مزید طرّہ یہ کہ) دورۂ محمدی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے تیرہ سو سالہ طویل

عرصہ) میں (مرزا نے) اپنے نفسِ کافر کے سوا اب تک کسی (صحابی تابعی، غوث، ولی، قطب، مجدّد) کو منصب نبوت میں جگہ نہیں دی۔ (گویا اب ساری مرزائی منطق کا خلاصہ یہ ہوا کہ مرزا کو نبی مانو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی عزت باقی رہتی ہے۔ ورنہ نعوذ باللہ آپؐ کی عزت کیا۔ نبوّت بھی باطل ہو جاتی ہے۔)

۱۸۱ــــ اور (اوّل تو نبوت کو شہنشاہیت پر قیاس کرنا ہی غلط ہے جیسا کہ ابھی گذرا، دوسرے) یہ قطعی واضح اور بیّن بات ہے کہ شہنشاہی اور شاہی کے سلسلہ میں بھی (جس پر قادیانیوں نے نبوّت کو قیاس کیا ہے) بادشاہ اپنی بارگاہ کے خصوصی امتیازات اور خصائص کسی دوسرے کے لیے تجویز نہیں کیا کرتا، بلکہ اگر کوئی شخص ان میں بادشاہ کی نقالی کرے تو اسے (بجرمِ بغاوت) سزا دیا کرتا ہے۔ اور یہاں خود نبوت خصائص میں سے ہے۔ پس اسی (نکتہ) میں تو کلام ہے (کہ مرزا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوتِ کبریٰ کی۔ جو آپؐ کی اعلیٰ ترین خصوصیت ہے۔ نقالی کرتے ہوئے نبوّت کا دعویٰ کر ڈالا، اب انصاف سے کہو کہ کیا وہ بجرمِ بغاوت دنیا میں کفر وارتداد کا مرتکب اور آخرت میں فی النار والسقر کی سزا کا مستحق نہیں ہے؟ اور (یہ بھی بتاؤ کہ جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت اور خصائص شرعاً وعقلاً غیر متعدی ہیں تو وہ مرزا کی طرف متعدی کیسے ہو گئے؟) ان اختصاصات کے غیر متعدی اور لازم ہونے میں (اور پھر مرزا کی طرف ان کے منتقل ہو جانے میں تو صریح تناقض اور قلبِ موضوع ہے۔ آخر اس عقدہ کے) حلّ کی کیا صورت ہے؟ (اور اگر کہو کہ ہم نبوّت کو غیر متعدی تسلیم نہیں کرتے۔ تو اول تو یہ بداہت شرعی و عقلی کا انکار ہے، دوسرے اس کے باوجود بھی اشکال رفع نہیں ہوتا) کیونکہ (اس سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نبوت کے) بعض خصائص و امتیازات (ایسے) ہیں (جو نبی کی ذات سے مختص ہوتے ہیں، ورنہ اگر کسی غیر نبی میں وہ خصائص پائے جائیں تو پھر نبی اور غیر نبی کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہتا، اور یہ شرعاً وعقلاً محال ہے) اور اگر وہ خصائص متعین ہوں (مثلاً نبوت، وحی، عصمت

وغیرہ تب تو ظاہر ہے کہ کسی دوسرے میں ان کے پائے جانے کا اعتقاد باطل ہوگا) اور اگر متعین نہ بھی ہوں تب بھی ان کا اعتقاد تو ہے (کہ نبی کی بعض خصوصیتیں ایسی ہیں جو غیر نبی میں نہیں پائی جا سکتیں) تو پھر انہی غیر متعین خصائص کے متعدی ہونے (یا نہ ہونے) میں کلام ہوگا۔ وعلی ھذا القیاس (جس چیز کے بارے میں بھی تم دعویٰ کرو گے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی دوسرے کو بھی منتقل ہو سکتی ہے، اس کے بارے میں ہمارا یہی جواب ہوگا کہ پھر یہ چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہ رہی، کوئی اور چیز پیش کرو۔ تھک ہار کر تمہیں تسلیم ہی کرنا پڑے گا کہ نبوتِ محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، کسی دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی۔ اور جب یہ تسلیم ہو لیا تو خود بخود یہ بھی مان لیا کہ مرزا قادیانی کا دعوائے نبوت بالاستفادہ سراسر دروغِ بے فروغ اور نبوتِ محمدیؐ سے بغاوت ہے۔ وھو المراد)

پھر (یہ بھی فرمائیے کہ) یہ خصائصِ نبوی چونکہ عقلاً و شرعاً موجود ہیں، جیسا کہ مقدمۂ زاد المعاد میں ان کا کچھ حصہ قلم بند کیا گیا ہے، اور رسول اللہ اور نبی اللہ کی کی اضافت، بیت اللہ کی اضافت کی طرح (تشریف و تخصیص کے لیے) ہے۔ پس کیا ان خصائص کو نصوص اور منقولات سے تلاش کرنا چاہیے یا اپنی خواہشات اور قیاس آرائیوں سے تراشنا مناسب ہوگا؟ اور اس سلسلہ میں رجم بالغیب اور اندھیرے میں تیر تکے لگانا موزون ہوگا، یا مالک الملک اور صاحب اختیار کا فرمودہ سر آنکھوں پر رکھنا واجب ہوگا؟ (اگر اس سلسلہ میں عقل نارسا کے تیر تکے کافی نہیں بلکہ خدا و رسولؐ کے ارشادات کی ضرورت ہے تو مرزائیوں کو کان کھول کر سن لینا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث متواترہ بہا وختم بی النبیون (اور ختم کیے گئے میرے ساتھ نبی) کو اپنے خصائص میں بیان فرمایا ہے، نبی تو آپؐ کی آمد کے ساتھ ختم ہوئے، اب بتائیے کہ مرزا قادیانی کون ہوا؟ نبوت کی جھوٹی نقالی کرنے والا دجال و کذاب ہوا یا نہیں؟)

(حاشیہ اگلے صفحہ پر) ۱۴۱

۱۸۲۔۔۔۔۔مرفوعاتِ کبیر کے آخر میں حدیث : لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا[1] کے ذیل میں ملّا علی قاری کی یہ عبارت کہ "تشریعی نبوّت کا انقطاع مراد ہے" (قادیانی ملاحدہ اسے اپنے کفر والحاد کی سند میں پیش کیا کرتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ اس کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی جائے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ) معلوم رہے کہ صوفیہ ہر (شرعی) نبوت کو تشریعی قرار دیتے ہیں، گویا نبوتِ تشریعیہ سے مُراد ہے شرعی نبوت، اور غیر تشریعی نبوت سے مراد ہے غیر شرعی نبوت۔ یہ تعبیر عوام کے لیے زیادہ قابلِ فہم ہے۔ اور حافظ ابن تیمیہ نے "اصل حکم کو باقی رکھ کر اس کے اوصاف کو منسوخ کرنا" انبیاء سابقین کا وظیفہ قرار دیا ہے، مثلاً : مطلق کو مقید کرنا، عام میں تخصیص کر دینا، مجمل کی توضیح و تشریح کرنا، اور جزئیات کی تشریع کرنا۔ اگر مُلّا علی قاری نے اسی (صوفیانہ) اصطلاح پر اپنی تقریر کی بنیاد رکھی ہو تو (مستبعد نہیں، کیونکہ ان پر حضرات صوفیاء اور ان کی اصطلاحات کا گہرا نقش ہے، اگرچہ) یہ ایک ایسا امر ہے جو اصطلاحِ مشہور کے خلاف ہے (تاہم مُلّا علی قاری کا کلام قواعدِ شرعیہ کے خلاف نہیں، کیونکہ) نبوت غیر تشریعیہ سے مُراد احکامِ شرعیہ کی خبر اور اطلاع دینا نہیں بلکہ اسرار و معارف سے روشناس کرانا اور ان کی اطلاع دینا ہے۔

۱۸۳۔۔۔۔۔اور یہی منشاء و مدعا ہے شیخ (عبدالقادر) جیلانی (قدس سرّہ) کے اس قول کا کہ : "اے انبیاء کی جماعت ! تمہیں نام دیا گیا ہے اور ہمیں لقب"۔ مطلب یہ کہ "نام" تو بغیر لحاظ کسی وصف کے ہوتا ہے، اور قیود سے معرا ہوا کرتا ہے"

---

[1] "اگر میرا بیٹا ابراہیم رضؓ زندہ رہتا تو صدیق نبی ہوتا" ابن ماجہ ص ۱۰۸

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) لہ مرزا صاحب "ظلّی نبوّت" کے مدعی تھے، اور ظلّی کے معنی "جھوٹی" مرزا صاحب نے ازالہ اوہام ص ۲۲۳ میں بیان فرماتے ہیں، یوں بھی ظلّی عکس اور نقل کو کہتے ہیں۔ اس لیے مرزا صاحب کی تفسیر کے مطابق "ظلّی نبوت" کے معنی ہوتے "نبوت کی جھوٹی نقالی" (مترجم)

بخلاف لقب کے کہ وہ عارضی اور بلحاظ کسی وصف کے طاری ہوتا ہے۔ گویا اطلاق اور تقیید کے لحاظ کے علاوہ وہ القاب زائل بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ (امیر المؤمنین خلیفہ کا لقب ہے، مگر اسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ خلیفہ ہو۔ خلافت سے معزول ہو جائے تو امیر المؤمنین کا لقب بھی زائل ہو جائے گا۔ چنانچہ) خلفائے عباسیہ کو، ان کے معزول ہونے کے بعد کسی نے امیر المومنین نہیں کہا۔ پس انبیاء علیہم السلام کو اسم لازم، وہبی اور مطلق دیا گیا ہے اور اولیاء کو عارضی، مقید اور کسبی لقب ملا ہے جو کہ زائل بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح شیخ کا یہ قول کہ: "ہمیں وہ چیز دی گئی ہے جو تم کو نہیں دی گئی" یعنی ہمیں وہ چیز دی گئی ہے جو انبیاء کے منصب سے فروتر تھی، نہ کہ اس سے اعلیٰ و ارفع۔ یا محض مغائر مراد ہے (یعنی نبوت اور اس کا میدان، ولایت سے بالکل الگ تھلگ ہے) اسی طرح ان کا قول کہ "ہم نے ایک ایسے سمندر میں غوطے لگائے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اس کے (اگلے) ساحل پر بھی نہیں ٹھہرے"۔ (اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ دریائے ولایت انبیاء کرام کے لیے پایاب ہے، ان کا مقام اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے کہ وہ اسی کے ساحل پر ٹھہر جائیں)

۱۸۴ــــ صوفیاء کرام نے نبوت بمعنی خبر دادن کو منقسم بنا کر شعبۂ خبر دہی ولایت کو بھی اس کے تحت درج کر دیا ہے اور اس کا سبب شاید اس حدیث کی مانند ہے کہ: "نہیں باقی رہا نبوت میں سے کچھ بھی سوائے مبشرات کے"۔[۱]
جبکہ استثناء غیر منقطع لیا جائے، یا اس حدیث کی مانند ہے کہ "رؤیاء صالحہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے"۔[۲] یا جیسا کہ آیت یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا[۳] میں تقریر کی گئی ہے کہ مراد بارگاہِ رحمانیت ہے[عہ]

عہ شیخ ابن عربی نے نبوت لغویہ بمعنی خبر دادن کی تصریح فتوحات کے باب ۷۳، سوال ۱۹ میں فرماتی ہے، نیز فصوص الحکم میں فص عزیری میں دیکھنا چاہیے۔ منہ۔

[۱] مشکوٰۃ ص ۳۹۴ [۲] مریم: ۸۵

۱۸۵ ـــــ متبادر یہ ہے کہ ملا علی قاری رحؒ کی مراد یہ ہو گی ختم زمانی کو دو چیزیں لازم ہیں، ایک یہ کہ آپؐ کے بعد کسی قسم کی نئی نبوت وجود میں نہیں آئے گی۔ دوم یہ کہ اگر انبیاءؑ سابقین میں سے کوئی فرد واپس آتا تو اس کی حیثیت وہی ہوتی جو کسی نبی کی دوسرے نبی کے ملک میں ہوتی ہے اور وہ اس شریعت کا تبع ہوتا، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ "اگر موسیٰ علیہ السّلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا"[1] کیوں کہ ان کی اتباع کا موجب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ دورہ، دورۂ محمدی ہے اور یہ امر بھی مفروض و متقدر ہے نہ کہ محقق اور واقع۔ جیسا کہ ملّا علی قاری نے 'مرقاۃ' میں باب فضائل علی رضؓ میں اس کی تقریر تام فرمائی ہے۔ پس ایک جزء مراد کو انھوں نے 'موضوعات' میں ذکر کیا ہے اور دوسرے جزء کو 'مرقاۃ' شرح شفاء' اور 'شرح فقہ اکبر' میں۔

۱۸۶ ـــــ موضوعات میں ان کا کلام اس مفروضہ کی صورت بیان کرنے میں ہے کہ فرض کیجئے اگر حضرت ابراہیم (رضی اللہ عنہ) زندہ رہتے تو کس طرح کے نبی ہوتے (رہا یہ کہ وہ زندہ کیوں نہیں رہے تو) ان کی زندگی سے جو چیز مانع ہوئی اس کو انھوں نے (یہاں) ذکر نہیں فرمایا (البتہ ما قبل کی عبارت میں وہ اس کو بھی ذکر فرما چکے ہیں، جیسا کہ آگے تشریح میں ان کی تصریح نقل کی گئی ہے) اور وہ مانع حضرت ابراہیم رضؓ کے حق میں یہی ہے کہ نبوت منقطع ہو چکی جس کی طرف آیت کریمہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ ابوت کے بجائے نبوت ہے۔ گویا مشیتِ الٰہیہ نے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں ابوت کے بجائے دائمی نبوت کو رکھا ہے، اور چونکہ آپؐ کے بعد نبوت مقدر نہ تھی اس لیے ابوت بھی مقدر نہ ہوئی (اور اسی لیے صاحبزادگان گرامی بقید حیات نہ رہے) چنانچہ حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰ نے یہی سمجھا ہے (جیسا کہ ان کا قول) صحیح بخاری کتاب الادب میں (منقول ہے)

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۰

تشریح :۔ اسماعیل بن ابی خالد کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ گرامی حضرت ابراہیمؓ کی زیارت کی ہے، فرمایا: مات صغیراً، ولو قضی ان یکون بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیٌّ عاش ابنہ، ولکن لا نبیّ بعدہٗ۔ یعنی "وہ صغرسنی ہی میں خدا کو پیارے ہو گئے تھے، اور اگر تقدیر خداوندی کا فیصلہ یہ ہوتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہو تو آپؐ کے صاحبزادہ گرامی حیات رہتے، مگر آپؐ کے بعد نبی ہی نہیں (اس لیے صاحبزادے بھی زندہ نہ رہے)۔"

(صحیح بخاری باب من سمی باسماء الانبیاء۔ صفحہ ۹۱۴ جلد ۲)

اور یہی حضرت ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے، چنانچہ وہ موضوعات کبیر میں ابن ماجہ کی حدیث: "لو عاش ابراھیم" الخ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"الا انّ فی سندہ ابو شیبۃ ابراھیم بن عثمان الواسطی، وھو ضعیفٌ لکن لہٗ طرق ثلٰثۃ یقوّی بعضھا بعضًا، ویشیر الیہ قولہٗ تعالیٰ: "مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ" فانہ یومی بانّہٗ لم یعش لہ ولدٌ یصل الی مبلغ الرجال، فانّ ولدہٗ من صلبہ یقتضی ان یکون لُبّ قلبہ، کما یقال: "الولد سرّ لابیہ"۔ ولو عاش و بلغ اربعین، وصار نبیًا لزم ان لا یکون نبیًا خاتم النّبیّین۔"

(موضوعات کبیر حرف "لو" ص ۶۹ مطبوعہ مجتبائی قدیم)

ترجمہ:۔ "اس حدیث کی سند کا ایک راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان الواسطی ضعیف ہے، تاہم اس کے تین طرق ہیں، جو ایک دوسرے کے مؤید ہیں اور ارشاد خداوندی: "وخاتم النبیین" الخ بھی اسی جانب مشیر ہے، چنانچہ یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ آپؐ کا کوئی صاحبزادہ زندہ نہیں رہا جو بالغ مردوں کی عمر کو پہنچتا۔ کیونکہ آپؐ کا بیٹا، آپؐ کی صلب مبارک سے تھا، اور یہ امر اس کو مقتضی تھا کہ وہ آپؐ کا ثمرۂ دل (یعنی آپؐ کے محاسن و کمالات کا جامع) ہوتا۔ جیسا کہ مثل مشہور ہے

"بیٹا باپ پر ہوتا ہے"۔ اب اگر وہ زندہ رہتا اور چالیس کے سن کو پہونچ کر نبی بن جاتا تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپ خاتم النّبیین نہ ہوں"

مُلّا علی قاری رح کی تصریح بالا سے واضح ہو جاتا ہے کہ:-

الف:- آیت خاتم النبیین میں ختم نبوت کے اعلان کی بنیاد نفی ابوّت پر رکھ کر اشارہ اس طرف کیا گیا ہے کہ آپؐ کے بعد ہمیں کسی کو نبوت عطا کرنا ہوتی تو ہم آپؐ کے فرزندانِ گرامی کو زندہ رکھتے۔ اور انہیں یہ منصب عالی عطا فرماتے، مگر چونکہ آپؐ پر سلسلۂ نبوت ختم تھا۔ اس لیے نہ آپؐ کی اولاد نرینہ زندہ رہی، نہ آپؐ کسی بالغ مرد کے باپ کہلائے۔

ب:- ٹھیک یہی مضمون حدیث "لو عاش ابراھیم لکان صدیقاً نبیاً" کا ہے، یعنی آپؐ کے بعد اگر کسی قسم کی نبوت کی گنجائش ہوتی تو اس کے لیے صاحبزادہ گرامی کو زندہ رکھا جاتا، اور وہی نبی ہوتے۔ گویا حدیث نے بتایا ابراہیم رض اس لیے نبی نہ ہوئے کہ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ ہی بند تھا۔ یہ نہ ہوتا تو وہ رض زندہ بھی رہتے اور "صدیق نبی" بھی بنتے۔

ج:- مُلّا علی قاری رح برملا تصریح کرتے ہیں کہ "اگر صاحبزادہ گرامی سیدنا ابراہیم رض زندہ رہ کر نبی بن جاتے تو اُس سے آپؐ کا خاتم النّبیین نہ ہونا لازم آتا" حالانکہ علی قاری رح ہی یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ "اگر وہ نبی ہوتے تو غیر تشریعی نبی ہوتے"۔ کیا مُلّا علی قاری رح کا صاف مطلب یہ نہیں کہ غیر تشریعی نبی کی آمد سے بھی خاتمیت محمدیہ ______ باطل ہو جاتی ہے، کیا اس کے بعد بھی کوئی شخص، بقائمی عقل و خرد۔ یہ کہہ سکتا ہے کہ مُلّا علی قاری رح کے نزدیک غیر تشریعی نبوت کا دروازہ آپؐ کے بعد کھلا ہے؟

کتنی عجیب بات ہے کہ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے "لُبِّ قلب" کے غیر تشریعی نبی ہو جانے سے تو مُلّا علی قاری رح کے بقول آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خاتمیت باطل ہو جاتی ہے، لیکن ایک قادیانی مغل بچہ کے۔ نعوذ باللہ۔ محمد رسول اللہ اور خاتم النّبیین بن بیٹھنے سے خاتمیت کی مُہر نہیں ٹوٹتی۔ قادیانیوں کے ظلم وستم بدعقلی و بدفہمی،

ضلال وگمراہی اور الحاد و تحریف کی کوئی حد ہے ؟

۱۸۷ــــــ گویا حضرت ملّا علی قاریؒ اس امر کی تقریر کے درپے ہیں کہ اگر بالفرض حضرت ابراہیمؓ زندہ رہ کر نبی ہو سکتے تو کس طرح کے نبی ہوتے ؟ یہ نہیں کہ انہوں نے آپؐ کے بعد نبوت غیر تشریعیہ کے وجود میں آنے کو جائز قرار دیا ہے (نہیں بلکہ) اس دلیل کے ساتھ انھوں نے نبوت تشریعیہ کے انقطاع کو ثابت کیا ہے اور دوسرے دلائل کے ساتھ نبوت غیر تشریعیہ کے منقطع ہوجانے اور اس کے وجود میں نہ آسکنے کو ثابت کیا ہے۔

۱۸۸ــــــ اور مخفی نہیں کہ حدیث نے اس مفروضہ میں زمانۂ ماضی کا ذکر کیا ہے مستقبل کا نہیں، حالانکہ مستقبل کی نفی از بس ضروری تھی، اس کی وجہ یہی ہے کہ شریعت کی نظر میں زمانۂ مستقبل میں نبوت باقی نہیں ہے۔ پس ختم نبوت سے جو بات لازم ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی گذشتہ نبی دورۂ محمدی میں آئے تو صاحب شریعت نہ ہوگا۔ اور مستقبل میں کسی نئے نبی کی محض آمد بھی ممکن نہیں۔ حاصل یہ کہ بغیر تشریع کے نبوّت کا باقی رہنا انبیاءِ گذشتہ کے حق میں ہے۔ اور مستقبل کے حق میں محض ایک مفروضہ ہے۔

۱۸۹ــــــ اور صاحب مجمع البحارؒ کہتے ہیں کہ اس عنوان میں مطمحِ نظر اور نقطۂ نگاہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ہے (کہ وہ قرب قیامت میں جب آسمان نازل ہوں گے اور چالیس سال تک دنیا میں تشریف فرمارہیں گے تو وہ اپنی شریعت نافذ نہیں کریں گے، بلکہ شریعت محمدیؐ کی پیروی کریں گے) اور روح المعانیؒ میں اس حدیث کی سند میں ابوشیبہ واسطی کو ذکر کیا ہے، جو بالاتفاق ضعیف ہے، جیسا کہ فتح القدیر باب تراویح میں نقل کیا ہے۔ حاصل یہ کہ یہ حدیث نہیں، اور خیال ہوتا ہے کہ شاید (یہ) کسی صحابی (کا قول ہے جو انہوں) نے آیت کریمہ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا[۳] سے اقتباس کیا ہے اور بس۔ پس ہر شخص

[۱] تذکرۃ الموضوعات ص۸۸ [۲] ص ۱۳ ج ۲۲ [۳] اور یاد کر کتاب میں ابراہیمؑ کو، بیشک وہ تھا صدیق نبی۔ (مریم: ۴۱)

نے اس کی تعمیم کی ہے اس نے غلطی کی ہے۔

۱۹۰۔۔۔۔۔ ملا علی قاریؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ (اس حدیث میں) نبوت تشریعیہ کا انقطاع مراد ہے، اور نبوت غیر تشریعیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں، بعد از نزول، حالت بقاء ہے، نہ کہ نئی نبوت کا وجود میں آنا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے حق میں مقدر و مفروض ہے اور حضرت ابراہیم (صاحبزادہؓ) کے حق میں بھی مفروض ہے لیکن ان دونوں کے حق میں مانع جُدا جُدا ہے۔ ملا علی قاریؒ کا یہ مطلب نہیں کہ غیر تشریعی نبوت علی الاطلاق باقی ہے۔ نہیں! بلکہ یہ عہدہ اور منصب ہی بند ہو چکا ہے یہ صورت نہیں کہ عہدہ تو باقی ہے، مگر کوئی شخص اس عہدہ سے سرفراز نہیں ہوگا، جیساکہ انقطاع اجتہاد کی صورت ہے۔ (کہ اجتہاد مطلق کا دروازہ بند نہیں، لیکن قرنِ رابع کے بعد لوگوں میں اجتہاد کی صلاحیت نہیں رہی۔ اس کے برعکس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ صاحبزادہ ابراہیمؓ میں نبوت کی صلاحیت موجود تھی، مگر چونکہ باب نبوت مسدود ہو چکا تھا اس لیے ان کی حیات مقدر نہ ہوئی۔ ورنہ نبوت کا دروازہ اگر کھلا ہوتا تو وہ لازماً زندہ رہتے اور اگر زندہ رہتے تو یقیناً نبی ہوتے)

حاصل یہ کہ انہوں نے معین اشخاص کو مستثنیٰ کرنے کے بجائے ایک عنوان مقرر کر دیا، تاکہ محض استثناء غیر موجّہ نہ ہو جائے (بلکہ اس کے عنوان کے تحت مندرج ہونے کی وجہ سے مدلل اور موجّہ ہو جائے) اور یہ عنوان ان کی نیت میں تین اشخاص میں منحصر ہے، ایک محقق (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ کہ وہ بعد از نزول نبی ہوں گے، مگر تبع شریعت محمدیہ ہوں گے) اور دو مقدر و مفروض (ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ وہ بالفرض زندہ ہوتے تو تبع شریعت محمدیہ ہوتے، اور دوسرے حضرت صاحبزادہ ابراہیمؓ کہ اگر وہ بالفرض زندہ رہ کر نبی ہوتے تو تبع شریعت محمدیہ ہوتے۔ پس ان دونوں صاحبوں کے حق میں تبعِ شریعت محمدیہ نبی ہونا محض مفروض و مقدر ہے، محکی اور واقع نہیں) اور پھر دونوں کے حق میں ناممکن ہونے کی وجہ بھی الگ الگ ہے (موسیٰ علیہ السلام کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور

تک زندہ نہ رہنا اور صاحبزادہؓ کے حق میں ختم نبوت کی وجہ سے زندگی مقدر نہ ہونا)

پھر ملّا علی قاریؒ نے نبوت تشریع کو انقطاع کے زیر عنوان رکھا اور نبوت غیر تشریعیہ کو فرض کے زیر عنوان۔ تاکہ حدیث: لو عاش ابراھیم کے مقدم و تالی کے درمیان جو ملازمہ ہے اس) استلزام کی صورت بیان کرسکیں۔ گویا انھوں نے (تعبیر کے لحاظ سے) انقطاع میں دو مرتبے پیدا کر دیے ہیں (کہ ایک کو "انقطاع" کے ساتھ تعبیر کیا اور دوسرے کو "فرض و تقدیر" کے ساتھ) اور یہ نہیں کہ سکتے کہ انھوں نے امکانِ عقلی میں مرتبے متعین کیے ہیں، کیونکہ لفظ منضبط نہیں اور موہم ہے، بلکہ انھوں نے ایک قسم پر انقطاع کا اطلاق کیا ہے اور دوسری قسم پر فرض و تقدیر کا۔ کیونکہ یہ مفروض انکے نزدیک ثابت شدہ ہے پس انھوں نے یہ چاہا کہ انقطاع کے دونوں مرتبوں کو ایک ہی عنوان کے تحت شامل کر دیں۔

اور جیسا کہ نبوت کے وہبی ہونے اور اس کے مصاحب ریاضت و کسب ہونے (کے حدود) کا ضبط دشوار ہے اور نبوت فی الواقع وہبی ہے۔ لیکن بے استحقاق نہیں، اور نہ ارادۂ اتفاقی کا کرشمہ ہے، اسی طرح امکانِ عقلی کے مراتب کا ضبط دشوار ہے (ملّا علی قاری کے کلام کی یہ توجیہ تو اصطلاح مشہور کے مطابق ہے) اور اگر وہ صوفیا کرام کی اصطلاح پر گئے ہوں تو (جیسا کہ پہلے گزرا) یہ بھی ممکن ہے۔ جیسا کہ مرقاۃ میں انتجابات کی بحث میں انھوں نے صوفیا کی تحقیق نقل کی ہے اور اکثر یہ عنوان انہی سے سرزد ہو کر علمائے ظاہر تک پہنچا ہے اور چونکہ یہ روایت فی الواقع ثابت نہیں اس لیے درست اور صحیح یہی ہے کہ اس کی تفسیر انقطاع نبوت علی الاطلاق کے ساتھ کی جائے کہ آپؐ کے بعد نئی نبوت کا وجود نہیں ہوگا۔

۱۹۱ ــــــ اور معلوم رہے کہ یہاں دو مضمون ہیں، ایک یہ کہ یہ عُہدہ منقطع ہو چکا، دوم یہ کہ نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلّم اشخاص انبیاء کے خاتم ہیں، یہ دونوں مضمون نصوص میں وارد ہوئے ہیں۔ انقطاعِ عُہدہ کا مضمون مثلاً حضرت عائشہؓ

کی حدیث میں (وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" نبوت جاتی رہی اور مبشرات باقی رہ گئے" جو جامع ترمذیؒ وغیرہ میں مروی ہے۔ اور یہ مضمون کسی بھی شخص کے بعہدۂ نبوت آنے کے منافی ہے، خواہ کوئی نیا نبی ہو، یا پرانا۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام بوقت نزول (بلاشُبہ نبی ہوں گے، نبوت ان سے سلب نہیں کرلی جائے گی، مگر چونکہ ان کی نبُوّت کا دَور ختم ہوچکا اس لیے) نبوت کے اختیارات نہیں رکھتے ہوں گے (جیساکہ کوئی بادشاہ دوسرے ملک میں جائے تو ہرچند کہ وہ سلطنت سے معزول نہیں مگر اس ملک میں اس کے شاہی اختیارات نافذ نہیں ہوتے)

رہا ختم اشخاص کا مضمون، پس وہ کسی سابق نبی کی آمد کے منافی نہیں اور لفظ خاتم النّبیّین سے یہی متبادر ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ ارشاد کہ "آپؐ کو خاتم النّبیّین کہو، مگر یہ نہ کہو کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں"[2] اسی حقیقت پر مبنی ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ کوئی ملحد (ختم نبوت کی آڑ لے کر) حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نزول کی نفی پر استدلال نہ کرے۔

۱۹۲ ــــــ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی آمد نبوت کی تجدید نہیں، بلکہ وہی ذات ہے جو پہلے تھی اور وہی صفتِ نبوت ہے جو انہیں پہلے سے حاصل تھی۔ البتہ ان کے آسمان سے نازل ہونے کی حرکت نئی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی نبی اپنی عمر کے دوران کسی کام کے لیے کسی ملک میں جاتے آتے (رہا یہ شُبہہ کہ اگر وہ بعد از نزول نبی ہوں گے تو ان کا صاحب شریعت ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ ان کی شریعت کا دور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک محدود تھا اس لیے بلا شُبہہ وہ صاحب شریعت ہیں، مگر اپنے دَور میں۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نزولِ آسمانی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے منافی

---

[1] ترمذی ص ۵۱ ج ۲۔ ابواب الرؤیا [2] دُرّ منثور ص ۲۰۴ ج ۵ -

نہیں) بلکہ ان کی آمد (ختم نبوت کی مستقل دلیل ہے کیونکہ یہ) اس امر کی علامت ہے کہ انبیاء کرام کا سلسلہ (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر) ختم ہوچکا ہے، اس لیے دجال، جس نے "مسیح" کا منصب اختیار کر رکھا تھا، اس کو قتل کرنے کے لیے مسیح ہدایت کو لایا گیا، جن کی آمد ایک شیئ کا بعینہ اعادہ و تکرار ہے، نہ کہ از سر نو کسی شیئ کا وجود پذیر ہونا۔

اس ملحد نے کسی کتاب کے حاشیہ میں منتخب کنز العمال (ص ۸۵/۶) باب نزول عیسیٰ و خروج یاجوج وماجوج از قسم افعال سے اُرِیْتُ اِبْنَ مَرْیَمَ کا لفظ نقل کرکے اسے رؤیا پر محمول کیا ہے، حالانکہ یہ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو صحیح مسلم میں مروی ہے اس میں کوئی مغالطہ نہیں، اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا قصہ بصیغۂ استقبال بیان فرمایا ہے جو اس کے رؤیا ہونے کے منافی ہے اور اخبار بالغیب کے قبیل سے ہے

۱۹۳ــــــ نیز ملا علی قاری رحمہ اللہ کا یہ قول: "یہ حدیث ارشاد خداوندی: خاتم النبیین کے خلاف نہیں، کیوں کہ معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا کہ آپ کے دین کو منسوخ کردے، اور آپ کی امت سے نہ ہو۔" اغلب یہ ہے کہ اپنے قول "کیوں کہ معنی یہ ہیں" الخ سے وہ حدیث کے معنی بیان کر رہے ہیں، نہ کہ آیت کے۔ کیونکہ انھوں نے ماقبل میں حدیث پر ہی کلام کیا ہے، اور اسی سے یہ معنی اخذ کیے ہیں۔ آیت اسی معنی پر ہے جو امت نے اس سے سمجھا ہے۔ البتہ حدیث کے معنی خفی تھے جو انھوں نے ذکر دیے، آیت کریمہ نے مفروض صورتوں کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا، البتہ حدیث نے اس فرضی صورت سے آگاہ کیا، پس وہی بیانِ معنی کی محتاج تھی۔ یا ان کا مقصد مرادِ مقام کو بیان کرنا ہے اور یہ عنوان بھی عام نہیں، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے پیش نظر ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم۔

۱۹۴ــــــ سوال ۲۹ اور جب مرزا کرشن کا بروز ہے، اور وید کو خدا کا کلام

سمجھتا ہے تو اسے ہندو کہنا سزاوار ہے یا نہیں ؟ اسے محمدی کیوں کہا جائے۔ ہندو کیوں نہ کہا جائے ؟ اور اس کے الہام کے مطابق اس کو "جے سنگھ بہادر رودر گوپال" اور "برہمن اوتار" کیوں نہ کہیں ؟ دیکھیے کا دیہ صد ۳۲۹۔ تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۸۵۔

۱۹۵۔ سوال ۳۰: اور اگر پچاس کروڑ قوم ایک ٹولے کو کافر اور خارج از اسلام قرار دیتی ہو، اور یہ ٹولہ بھی اقل قلیل ہونے کے باوجود تمام جماہیر اُمت کو کافر کہتا ہو تو کیا یہ دونوں ایک قوم ہیں (مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مرزائیوں کے دونوں گروہوں کی مجموعی تعداد ان کے اخبار سے ۵۵ ہزار نقل کی ہے)

۱۹۶۔ سوال ۳۱: (مرزا اپنی نبوت کے زمانے میں بارہ برس حیاتِ عیسیٰ کا قائل رہا، اور بعد میں اسے شرکِ عظیم قرار دے دیا، گویا وہ نبی اور صاحبِ وحی ہونے کے باوجود شرکِ عظیم میں مبتلا رہا، اب سوال یہ ہے کہ) آیا نبی اپنی نبوت اور وحی کے زمانہ میں مشرک بھی ہو سکتا ہے ؟ اور اگر وحی کے معنیٰ سمجھنے میں وہ اپنی موت کے وقت تک مغالطہ میں رہا تو اس امر کا کیا یقین ہے کہ وہ صاحبِ وحی ہونے کے دعویٰ میں حق پر تھا ؟ (مرزا کے بہت سے "الہامات" ایسے ہیں جن کی تشریح اس نے ایک وقت میں کچھ کی، اور پھر ایک مدت کے بعد کوئی واقعہ رونما ہو تو کہہ دیا کہ بس میرے الہام کا یہی مطلب تھا، پھر کوئی اور واقعہ پیش آیا تو کہا کہ پہلے مجھ سے "الہام" کی تشریح میں اجتہادی غلطی ہوتی ہے دراصل الہام کا منشا یہ نہ تھا۔ اور بعض الہام تو ایسے ہیں کہ مرتے دم تک، ان کا مطلب نہیں سمجھ سکا، سوال یہ ہے کہ جس شخص کی الہامی تشریح قابلِ اعتماد نہیں، اس کے الہام پر کیا وثوق ہو سکتا ہے۔ ؟ اور اس امر کی کیا دلیل ہے کہ ادعائے وحی میں اسے ٹھوکر نہیں لگی ؟)

۱۹۷۔ سوال ۳۲: مرزا نے اپنے اور عام نبوت کی مدت خود کیا بیان کی ؟ اور اپنے جس ناخلف کے حق میں "فخر رسل" ہونے کا الہام ذکر کیا (یعنی مرزا محمود)

وہ کیا کہتا ہے ؟ (مرزا نے "ایک غلطی کا ازالہ" میں لکھا ہے کہ اسے نبی اور رسول کا خطاب براہین احمدیہ کی تصنیف کے زمانہ (۱۸۸۰ء) میں مل چکا تھا، مگر اس کا ناخلف مرزا محمود کہتا ہے کہ ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء میں مرزا پر نبوت کی حقیقت کھلی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے مرزا بھی اپنے آپ کو "غیر نبی" ہی سمجھتا تھا)

۱۹۸ــــ سوال ۳۳: نبوت کا معیار خود مرزا نے کیا مقرر کیا، اور اس کے اتباع واذناب نے کیا سمجھ رکھا ہے؟ یا بس یہی کہ اعتراضات میں انبیاءؑ کے ساتھ مشارکت کافی ہے، یعنی اس کی نبوت کی بس یہی دلیل ہے کہ جو اعتراضات اس پر وارد ہوتے ہیں وہ دوسروں پر بھی وارد ہیں۔؟

۱۹۹ــــ سوال ۳۴: بابی اور بہائی جو کہ مہدویت و نبوت کے دعویٰ میں بھی اور اکثر تعلیم میں بھی مرزا کے ساتھ شریک ہیں، بلکہ مرزا کی تعلیم انہی سے سرقہ ہے۔ کیا وجہ ہے کہ تم ان کی تصدیق نہیں کرتے ؟ حالانکہ ان کی تعلیمات وتحریفات تمہاری تعلیمات وتحریفات کے مماثل ہیں ؟

۲۰۰ــــ سوال ۳۵: مرزا نے اپنی بعض کتابوں مثلاً براہین احمدیہ وغیرہ میں بعض عقائد مسلمانوں کے موافق درج کیے ہیں (مثلاً عقیدۂ ختم نبوت، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور قرب قیامت میں دوبارہ نازل ہونے کا عقیدہ) حالانکہ انہی کتابوں میں الہام کا دعویٰ بھی پیٹ بھر کر کیا تھا، لیکن کچھ عرصہ بعد انہی عقائد کی نفی کرکے انہیں شرک قرار دیا، (گویا حضرت اس وقت بھی صاحبِ الہام تھے جب ان عقائد کو اپنی الہامی کتابوں میں درج فرما رہے تھے، اور اس وقت بھی، جبکہ انہی عقائد کو شرک ٹھہرا رہے تھے۔ سوال یہ ہے کہ مرزا کے الہامات) حق و باطل کے درمیان فیصلہ کا معیار (ہیں یا نہیں ؟ اگر کہو کہ معیار حق وباطل ہیں تو ـــــ یہ فرمایئے کہ ان کا معیار ہونا) کس وقت سے شروع ہوتا ہے ؟ اور اس کے مریدوں کو یہ تمیز کہاں سے حاصل ہوئی (کہ فلاں تاریخ سے پہلے کے الہامات حق وباطل کے درمیان فیصلہ نہیں کرتے، اور بعد

کے الہامات سے حق و باطل کا فیصلہ ہوتا ہے؟ سوچ سمجھ کر جواب دیجئے)

۲۰۱ ـــــ سوال ۳۶ مرزا کہتا ہے کہ "فقیر جلالی رنگ میں نہیں بلکہ جمالی رنگ میں آیا ہے، ممکن ہے کہ کوئی مسیح جلالی رنگ میں آئے اور مولویوں کی تمنا پوری ہو جائے" اور یہ کہ "مجھے مسیح ماننے سے کون سا تفاوت عظیم واقع ہو گیا۔ وہی دین ہے جو پہلے تھا" پس وہ علوم و معارف کونسے ہیں جو اس نے پیش کیے، اور جن سے محققینِ اُمت ناآشنا تھے؟ ان علوم کی فہرست پیش کر دو، تاکہ دیکھا جائے کہ اگر اس نے کوئی صحیح بات کہی ہے تو محققین نے پہلے سے بیان کر رکھی ہے، اور اس بدوں ہمت نے سرقہ کیا ہے ورنہ اس نے جو کچھ کہا وہ لغو و باطل اور "کالائے بد بریش خاوند" کا مصداق ہے۔

۲۰۲ ـــــ سوال ۳۷ بروز کے بارے میں اس کے خیالات (پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ) اگر اس نے کبھی نافہمی اور مآل نااندیشی کی بناء پر کوئی بات کہی ہو گی (تو کہی ہو گی ورنہ) بالآخر وہ تناسخ کی طرف راجع ہیں جو کہ ہندوؤں کا بنیادی اصول ہے۔ جیسا کہ البیرونی کی کتاب الہند میں ہے۔ پس اس کو ہندوکیوں دکھیں۔ بروز کی تفسیر کادیہ میں ص ۱۰۹ براہین سے دیکھئے۔

۲۰۳ ـــــ سوال ۳۸ تم لوگوں کو جمہور اہل اسلام کے ساتھ کون کون سے اصولی عقائد میں اختلاف ہے؟ اور حج و زکوٰۃ کا حکم کیا ہے؟

۲۰۴ ـــــ سوال ۳۹ مرزا کے وہ الہامات، جو وعید پر مشتمل ہیں اور جن کا مصداق اور مقول لہٗ مذکور نہیں، وہ خود مرزا کے حق میں کیوں نہ سمجھے جائیں، جبکہ وہ وعدہ کے الہامات کو بدون صیغۂ خطاب کے اپنے حق میں سمجھتا ہے (تو اسی طرح ہم کیوں نہ سمجھیں کہ اس کے دعوٰئ نبوت کاذبہ پر اس کو وعید کا الہام ہوا ہو) خاص طور پر وہ الہام جو بلفظ خطاب ہو، (وہ تو قطعاً مرزا کے حق میں ہی سمجھنا چاہیے) اور (اگر یہ شبہہ ہو کہ جب مرزا دعوٰی نبوت کی وجہ سے کافر و مرتد ہوا تو اس کو وعید کا الہام کیسا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ) خود مرزا کہتا ہے

لہ ص ۳۸

کہ فاسق (کافر، اور چوہڑے چمار) بھی اخبار غیب کا مورد ہیں (اور ان کو بھی بعض وقت سچے خواب آجاتے ہیں، اور ان کو الہام ہو جاتا ہے) مثلاً الہام "پیٹ پھٹ گیا" رسالہ ترک مرزائیت ص ۸۸ میں دیکھئے اور عشرۂ کاملہ ص ۴۲ اور سودائے مرزا ص ۲۰۔

حالانکہ مرزا خود ہیضے میں مرا، (لہٰذا وہی اس الہام کا مصداق نکلا) "کمترین (یعنی مرزا) کا بیڑا غرق ہوگیا" "(مرزا پر) دشمن کا خوب وار نکلا"

۲۰۵ ــــ سوال نمبر ۴۰ اور اس کے خیالات جن کا نام اس نے علوم و معارف رکھ چھوڑا ہے، وہ اکثر یورپ کے جذبات کی ترجمانی، عقلی استبعادات اور ذاتی و طبعی فلسفہ مزاجی پر مشتمل ہیں، اس کے برعکس انبیاء علیہم السّلام کے علوم میں عقل و قیاس کے گھوڑے نہیں دوڑائے جاتے بلکہ وہ اخبار بالغیب کیا کرتے ہیں اور کشف کونیات کے بارے میں مرزا نے جو کچھ کہا (کہ فلاں واقعہ یوں ہوگا) وہ اکثر و بیشتر غلط اور جھوٹ نکلا اور اس کے الہامات کا بیشتر حصّہ اپنی تعلّی اور خود ستائی پر مشتمل ہے۔ پس اس کو فلسفی منش، کاہن اور اٹکل باز کیوں نہ کہا جائے؛ کیونکہ کہانت خلقی اور جبلی بھی ہوتی ہے جیسا کہ ابن خلدون نے لکھا ہے[1] (اور مرزا نے تو سیالکوٹ کی ملازمت کے دوران اس کی مشق بھی بہم پہنچائی تھی، جیسا کہ رئیس قادیان میں مولانا رفیق دلاوری نے نقل کیا ہے) یا اس کو مراقی کہا جائے جس کا وہ خود بھی معترف ہے، (چنانچہ ملفوظات احمدیہ جلد دوم ص ۲۷۶ مطبوعہ ربوہ میں اخبار الحکم جلد ۵ نمبر ۴۰ ص ۵-۶ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۱ء کے حوالہ سے مرزا کا یہ قول نقل کیا ہے:

> "میرا تو یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ دو بیماریوں میں ہمیشہ مبتلا رہتا ہوں پھر بھی آج کل میری مصروفیت کا یہ حال ہے کہ رات کو مکان دروازے بند کرکے بڑی بڑی رات تک

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۸۸۔

بیٹھا اس کام کو کرتا رہتا ہوں، حالانکہ زیادہ جاگنے سے
"مراق کی بیماری" ترقی کرتی جاتی ہے اور دَورانِ سر کا دَورہ
زیادہ ہو جاتا ہے"۔)

یا اس کو ملحد و زندیق کہا جائے، کیونکہ اس نے اپنے پوشیدہ قلبی عزائم کے اظہار میں تدریج اور سہج روی سے کام لیا۔ (عشرہ ص ۲۵) اور وقت کا منتظر رہا چنانچہ اوّلاً وہ بعض انبیاء پر اپنی تفضیل کا قائل تھا، رسالہ ترک مرزائیت میں اس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: "مسیح ابن مریم کے نام سے خاص طور پر مجھے مخصوص کر کے وہ میرے اوپر رحمت اور عنایت کی گئی جو اس پر نہیں کی گئی"۔ تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۵۲۔ پھر خاتم الانبیاء پر برتری کا دعویٰ بھی کیا، تریاق القلوب ص ۳،۱ مطبوعہ ۱۹۲۲ء۔ اور اس کے مشکلات (سے کے بارے میں اس کی عبارت) رسالہ ترک مرزائیت، ص ۳۶ میں ملاحظہ کی جائے۔

۲۰۶ ـــــ اور کبھی کبھی وہ اپنے خیالات کی بنیاد اغراض مدسوسہ پر نہیں رکھتا بلکہ وقتی طور پر جو خیال ذہن میں آگیا ہانک دیا۔ چنانچہ کاویہ ص ۱۰۷ میں بدر ۱۹۰۳ء سے نقل کیا ہے کہ اس نے شیخ اکبر کا قول ترک کر کے انعکاس نبوت کو جاری رکھا ہے نہ کہ نبوت غیر تشریعیہ کو۔ حالانکہ یہ اس کے غیر تشریعی نبوت کے دعویٰ کے بعد کا زمانہ ہے، کیونکہ بقول اس کے ناخلف (مرزا محمود) کے اس کے دعویٰ نبوت کا زمانہ ۱۹۰۱ء ہے۔

۲۰۷ ـــــ اور معلوم رہے کہ ایک مدت تک وہ شریعت کے یہی معنی سمجھتا رہا کہ وہ جدید احکام پر مشتمل ہو، جیسا کہ علماء سمجھتے ہیں، اور یہ معقول المعنی بھی ہے اور اس مدت کے دوران وہ قرآن کریم کی آیات و کلمات کا اپنی وحی کی حیثیت سے سرقہ کرنے کو شریعت نہیں سمجھتا تھا، اور "نئی شریعت" کی قید کے بغیر اپنے سے شریعت کی نفی کرتا تھا۔ بعد میں شیطان نے اسے تعلیم دی کہ اس سرقہ آیاتِ قرآنی ہی کو شریعت کہے اور اپنے تئیں صاحب شریعت

قرار دے۔ چنانچہ وہ اسی طرح کرنے لگا، اور اس وسوسہ کے انقاء کے بعد تقیید کا محتاج ہوا (کہ میں صاحب شریعت تو ہوں مگر شریعت جدیدہ نہیں رکھتا) اور اب (جبکہ اس نے صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ کر دیا تو) یہ کہنا بھی کافی نہیں کہ نبوت غیر تشریعیہ باقی ہے، بلکہ (اس کے دعویٰ کے مطابق) نبوت تشریعیہ بھی باقی ہے مگر نئی شریعت نہیں۔

۲۰۸ــــ پس یہ نوعیت ہے اس کے "علوم و معارف" کی، کہ محض ہذر دقتی ہے یعنی آغاز و انجام کو سمجھے بغیر جس وقت جو جی میں آیا کہہ دیا، جس طرح کے وساوس و خطرات قلب میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ (انہیں وساوس کو وہ علوم و معارف سمجھتا ہے) کہ تحدی اور دعاوی کی بنا انہیں وساوس پر رکھتا ہے اور اس کے پسرِ ناخلف نے "حقیقۃ النبوۃ" میں اس ملحد کی بعض عبارتیں نقل کی ہیں (جن کا مضمون یہ ہے) کہ ہر نبوت میں نئے احکام کا ہونا ضروری ہے (مثلاً ذیل کی عبارت)

"اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنیٰ ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں، یا بعض احکامِ شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں، یا نبیٔ سابق کی اُمّت نہیں کہلاتے۔"

(اخبار الحکم قادیان جلد ۳ ۲۹ ۱۸۹۹ء)

اور اس وقت وہ اپنے لیے نبوّت کے دوسرے معنیٰ ایجاد کرتا تھا۔

اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ خود اپنے کلام کے انجام کو نہیں سمجھتا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر اس بات کا عذر بیان کرتے ہوئے کہ اس پر نبی کا اطلاق کیوں ضروری ہے۔ لکھتا ہے:

"اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو بتلاؤ کہ کس نام سے اس کو پکارا جائے اگر کہو کہ اس کا نام محدّث رکھنا چاہیے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کے

معنیٰ لغت کی کسی کتاب میں اظہار غیب کے نہیں۔"

(ایک غلطی کا ازالہ)

گویا عذر یہ ہے کہ سوائے نبی کے اور کوئی لفظ اس معنیٰ کے لیے اور اس کے دعوٰی کے لیے مناسب نہیں، اور لفظ محدث بھی مطابق نہیں۔ حالانکہ قبل ازیں اسی بنیاد پر اس نے محدثیت کا دعوٰی خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا تھا چنانچہ لکھتا ہے "نبوت کا دعوٰی نہیں بلکہ محدثیت کا دعوٰی ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا" (عشرہ کاملہ بحوالہ ازالہ اوہام ص ۴۲۱)

پس یہ نہ سمجھا کہ جب محدثیت کا دعوٰی خدا کے حکم سے کر چکا ہوں تو محدثیت میرے دعوے کے غیر مطابق کیونکر ہو سکتی ہے؟ بہرحال اب تک وہ نبی کے اطلاق میں عذر معذرت اور حیلے بہانے کرتا تھا۔ بعد ازاں کھل کر نبوت کاملہ حقیقیہ کا دعوٰی کر دیا، اور اس نبوت کے منکروں کو کافر قرار دیا۔ پس اس کی عمر بھر کے اقوال و خیالات ایسے نہیں جس طرح کہ کسی پابندِ ضبط مصنف کا کلام ہوتا ہے کہ اگر تعارض نظر آتے تو توفیق و تطبیق تلاش کی جاتے۔ اور نہ اس کے تمام اقوال تدریج پر محمول ہیں، جیسا کہ اس کا ناخلف راگ الاپتا ہے، بلکہ کم علمی اور قلتِ فہم کی وجہ سے متناقض ہیں کہ سانح وقتی کے ظہور پر جو خیال جس وقت ذہن میں آیا، ہانک دیا۔

۲۰۹ ــــــ بہرحال مرزا نے نبوت تامہ کا دعوٰی کیا اور توبہ نہیں کی، پس کافر و مرتد مرا، اسی طرح اس کی دونوں جماعتیں بھی۔ کہ ایک جماعت تو اس کے متناقض دعاوی کو واردات غیبیہ کی تبدیلی اور تدریج پر تقسیم کرتی ہے اور دوسری جماعت ان متعارض و متناقض دعاوی میں توفیق و تطبیق کی جویاں ہیں، حالانکہ وہ درحقیقت اندھے کی طرح سینہ زور ہے کہ دوڑتے وقت کچھ نہیں دیکھتا خواہ گڑھے میں گر جاتے، ٹھوکر کھاتے یا کسی چیز سے ٹکرا کر سر پھوڑ لے وہ نت نئی تحریف پر جو ذہن میں آتے، اپنے دعووں کی بنیاد رکھ لیتا ہے،

اور کوئی حقیقت واقعیہ اس کے ذہن نہیں ہے، بلکہ جو کچھ خیال میں آجاتا ہے ایک مدت تک اسے گاتا رہتا ہے اور بار بار اسی کو دہراتا رہتا ہے، اور جب کوئی اور چیز ذہن میں آجاتی ہے تو ہذیان کی طرح اسی کو چلانا شروع کر دیتا ہے، پہلی اور پچھلی عبارتوں کے تفاوت اور تناقض کی جانب بسا اوقات اس کا ذہن ہی نہیں جاتا، نہ وہاں تک اس کے فہم کو رسائی ہے۔ اور اپنی اور دوسروں کی عبارتوں کے فرق کو اکثر وہ سمجھتا ہی نہیں۔ نہ امتیاز کر سکتا ہے، اور کبھی بعد کے زمانہ میں پہلے زمانہ کی باتیں کرنے لگتا ہے، جس سے یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ گویا تناقض و تہافت نہیں۔

۲۱۰ —— اس کے چیلے چانٹے اب تک اس کے خبط و خلط، تہافت و تساقط، تعارض و تناقض اور جہل بسیط و مرکب کی اصلاح میں جان و ایمان کی بازی ہار چکے ہیں اور کئی فرقوں میں بٹ چکے ہیں، ایک دوسرے کی تکفیر بھی کرتے رہتے ہیں تاہم ان سے کچھ نہ بن پڑا، اور انہیں حقیقت حال کی خبر نہ ہوتی اس کی تعلیم اور ذخیرہ کتب اس فارسی شعر کا مصداق ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) "کتے کو سات دریاؤں میں نہلاؤ (مگر وہ پاک نہیں ہوگا بلکہ اس کے برعکس) جس قدر بھیگے گا اتنا ہی زیادہ پلید ہوگا۔" واللہ غالبٌ علی امرہٖ

۲۱۱ —— اور درحقیقت وہ خود سابقین کی مراد کو نہیں سمجھتا، اور نہ اپنے مہمل کلام ہی کے مقصد و مدعا کو جانتا ہے اور اس کے مرید ہاویہ کے گڑھے میں گرے ہوتے ہیں۔ مرزا نے نقول اور حوالہ جات میں خود بھی بہت سے مغالطے کھائے ہیں اور دوسروں کو جان بوجھ کر بھی بہت سے مغالطے دیئے ہیں۔ حیات عیسٰی علیہ السلام کے مسئلہ میں اس نے امام مالکؒ، امام بخاریؒ، حافظ ابن حزمؒ اور حافظ ابن تیمیہؒ پر یہ افتراء کیا ہے کہ وہ موت کا عقیدہ رکھتے تھے، حالانکہ یہ قطعی خلاف واقعہ دروغ بے فروغ ہے، اور جب ان حضرات کی کتابوں کی صریح نقول سے عقیدۂ حیات دکھایا جائے تو اس کے چیلے مجالس اور مناظروں

ہیں ذلیل اور رسوا ہو جاتے ہیں ، اور میدان خالی دیکھ کر پھر بھی الحاد و مغالطہ اور کذب بیانی سے باز نہیں آتے۔

۲۱۲ ——— مرزا قرآن کی مناسبت سے اس قدر محروم تھا کہ بڑی کثرت سے آیات کو محرف اور غلط نقل کرتا ہے اور قرآن کی جانب ایسے ایسے مضامین منسوب کرتا ہے ، جن کا رائحہ بھی قرآن میں موجود نہیں ، اور صحیح بخاری جیسی مشہور کتاب پر افتراء کیا کہ اس میں ھذا خلیفۃ اللہ المھدی موجود ہے ، جو اس کی ذلت و رسوائی کا موجب ہے ، اور اس نے اپنے معاصرین پر دیدہ و دانستہ بہت سے افتراء کیے اور ان تمام امور کو ناظرین نے ثابت کر کے شائع کیا ، مگر اس کے مریدوں کو کسی طرح ہدایت دستیاب نہ ہوئی۔ "اور جس کو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے اسے کہیں سے بھی روشنی نہیں مل سکتی"۔

۲۱۳ ——— مرزا قرآن کریم کی بہت سی ایسی آیات کو عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے بارے میں قرار دیتا ہے ، جو ان کی موت سے ادنیٰ مس تک نہیں رکھتیں ، اور اس نے جہل تام و عام کی بناء پر یہ نہ جانا کہ احادیثِ نزول ، جن کو اپنی غرض برای کے لیے بحال رکھتا ہے ، وہ اسی قرآن سے مستفاد ہیں ، کسی اجتہاد سے یا اسرائیلیات سے ماخوذ نہیں۔ پس ضروری ہے کہ قرآن کریم میں اس سلسلہ میں کچھ فرمایا ہو اور وہ تعبیرِ نزول کے مناسب ہوگا نہ کہ اس سے بے جوڑ ، پس قرآن کریم نے موت کا لفظ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں) ذکر نہیں کیا ، کیونکہ قرآن و حدیث کے درمیان اسلوب لفظی میں منافرت کا پایا جانا بھی بہت بڑا نقص اور زبردست مغالطہ ہے۔ حدیث و قرآن کے درمیان شرح و متن کی نسبت ہونی چاہیے ، یہ نہیں کہ وہ کسی اور جہان کی بات کرے ، اور یہ کسی اور جہان کی۔ یہ ممکن نہیں کہ قرآن کریم تو ان کی موت کا اعلان کرے اور حدیث ان کے رجوع و نزول کی تصریح کرے ، کیوں کہ اس صورت میں حدیث مرادِ قرآن کو بیان کرنے والی نہیں رہتی ، بلکہ تضییعِ قرآن کے مناقض ہو جاتی ہے (حالانکہ حدیث

تو مرادِ قرآن کو بیان کرنے والی ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے) "پھر بیشک ہمارے ذمّہ ہے اس کا بیان کرنا"۔[1] (نیز ارشاد ہے) "اور نہیں اتاری ہم نے آپ پر کتاب مگر اس مقصد کے لیے کہ آپ بیان کریں ان کے سامنے اس چیز (کی اصل حقیقت) کو جس میں انھوں نے اختلاف کر رکھا ہے"۔[2]

۲۱۴ ــــ حدیث کو لازم ہے کہ قرآن کے اسلوب کی اتباع کرے، اور اگر اسلوب تبدیل کرے تو اس کی اطلاع دے۔ کلام کو ایسے پوشیدہ اغراض پر جن کا کوئی شمّہ بھی مخاطب نے نہ سونگھا ہو اور نہ وہ کسی کے حاشیۂ خیال میں کبھی گذرے ہوں، مبنی کرنا ہدایت نہیں۔ بلکہ دانستہ گمراہ کرنا ہے۔ نہ یہ بات کسی سلیم الفطرت سے کبھی وقوع میں آتی ہے اور نہ حدیث میں اس کی نظیر واقع ہوئی ہے آیا صرف یہی ایک جگہ ہے کہ امت یہاں تباہ ہوئی، اور اسی جگہ جو اس ملحد کے الحاد اور اس کی نفسانی خواہش کی پیروی کا موقع ہے۔ کوتاہی ہوئی اور نزول عیسیٰ کی حقیقت کے بیان کرنے کو اس ملحد کو چھوڑ دیا؟

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پے در پے احادیث میں۔ جو تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اور جن کی تبلیغ علی رؤس الاشہاد تمام لوگوں کے سامنے کر دی گئی ہے ایک بار بھی اس مراد کی جانب اشارہ نہیں فرمایا (کہ حضرت عیسیٰ سے مراد قادیان کا دہقان مرزا غلام احمد ہے، اور اس کے نزول سے مراد اس کا شکم مادر سے پیدا ہونا ہے) اور کیا یہ ممکن ہے کہ آپ نے پوری اُمّت کو باطل پر چھوڑ دیا (کہ تمام امت عیسیٰ سے سیّدنا عیسیٰ ابن مریم صاحب انجیل ہی سمجھتی رہی) اور آپ نے (نعوذ باللہ) اس گھناؤنے امر کو روا رکھا ہے۔ جو کام کسی کے ایک لفظ سے نکل سکتا ہو اور وہ اتنی زحمت بھی گوارا نہ کرے اس سے بڑھ کر باطل پرست کون ہو سکتا ہے۔

حالانکہ رفع و نزول میں قرآن و حدیث کے درمیان صنعت طباق ہے (کہ قرآن

---

[1] القیامہ: ۱۹ [2] النحل: ۶۴

نے رفع کا ذکر کیا اور حدیث نے اس کے بالمقابل نزول کو بیان فرمایا، جس سے واضح ہوتا کہ) نزول سے وہ معنی مراد ہیں جو مصداق رفع کا مقابل ہوں۔ بالفرض اگر نزول کا ذکر موت کے بعد ہوتا اس وقت اس کا محمل دریافت کیا جا سکتا تھا، نہ کہ اس وقت جبکہ نزول کا ذکر رفع کرنے کے بعد ہوتا ہے اور (اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ رفع کے بعد نزول کا ہونا) ایک ہی سلسلہ کی کڑی ہے

۲۱۵ ـــــ غرضیکہ یہ اسود کاذب، عیوب و نقائص کا مجمع اور معجون مرکب ہے اور شاید دنیا میں کم ہی کوئی شخص ایسا ساقط الحواس اور ماؤف الدماغ ہوا ہوگا، اور اس کے باوجود افضل الرسل ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے۔ "اللہ بڑے زبردست صاحب انتقام ہیں"۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے مرض ہیضہ اور اسہال و نفخ کا قہر نازل کر کے، جو اس کی پُرخوری کا نتیجہ تھا، اس کی شہ رگ کاٹ ڈالی جو اس کے ناخلف کے بقول اس کے دعویٰ نبوت کے بعد سات سال کے عرصہ میں ہوئی۔

۲۱۶ ـــــ مخفی نہ رہے کہ اس زمانے کے ملحدین کوئی الحاد اور وسوسۂ شیطانی از خود گھڑ کر اسے بزعم خویش "ایک طے شدہ علمی حقیقت" ٹھہرا لیتے ہیں اور پھر اہل حق سے مطالبہ کرتے ہیں کہ (اگر ہمارا یہ نظریہ غلط ہے تو) اس کا صریح رد قرآن سے نکال کر دکھاؤ اور چونکہ یہ بات ہر جگہ میسّر نہیں کہ دنیا میں کسی کو جو وسوسہ بھی لاحق ہوا کرے قرآن کی نص صریح اس کی تردید کیا کرے اس لیے وہ اپنی جماعت میں بغلیں بجاتے ہیں (کہ دیکھو مولوی قرآن کی رُو سے ہمارے دعوے کو نہیں توڑ سکتے) گویا کسی الحاد کا ایجاد کر لینا ہی کافی ہے۔ خواہ وہ علم کا کوئی اثر و نشان اور دلیل و برہان رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔

اور کبھی کبھی ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ملحدین اہل حق سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے دعویٰ کی تردید علماء سابقین سے پیش کرو (حالانکہ اصولی طور پر یہ مطالبہ ہی غلط ہے، اس لیے کہ جب علماء سابقین کے زمانہ میں اس نظریہ کا کوئی قائل ہی نہ تھا تو وہ اس کی تردید کیوں کرتے؟ تاہم) جب پیش کر دیا جائے تو کہتے ہیں کہ

حدیث میں نہیں آیا، اور جب حدیث پیش کر دی جائے تو کہتے ہیں قرآن میں نہیں آیا، اور جب قرآن سے پیش کر دیا جائے تو کہتے ہیں کہ صرف ایک بار آیا ہے، مزید تاکید نہیں فرمائی، اسی طرح ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ کی طرف فرار کرتے رہتے ہیں، چنانچہ احقر کو یہی واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول من السماء کے سلسلہ میں پیش آیا تھا (مرزائیوں کی طرف سے کہا گیا کہ "من السماء" کی قید کسی حدیث میں نہیں آئی، اور جب) میں نے بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات سے یہ تصریح پیش کی تھی (تو کہنے لگے دوسری حدیثوں میں نہیں)

پس خوب یاد رکھنا چاہیے کہ کسی الحاد کے صحیح و صواب ہونے کے یہ کافی نہیں کہ اس کا ردّ قرآن سے میسّر نہیں، اور نہ اہلِ حق کو اس سلسلہ میں کوئی اضطراب اور پریشانی لاحق ہونی چاہیے، بلکہ کبھی نئے نظریہ کا ایجاد کرنا ہی بجائے خود الحاد ہوا کرتا ہے،

اور کبھی ملحدین اپنی جانب سے ایک عنوان اختراع کر کے اہلِ حق سے مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ لفظ اور یہ عنوانِ خاص قرآن وغیرہ سے پیش کرو، ورنہ ہمارا نظریہ ثابت ہے۔ حالانکہ حقیقت واقعیہ یہ ہے کہ کسی الحاد کے بطلان کے لیے یہی کافی ہے کہ ذخیرۂ دین اور نصوص شرعیہ میں اس کا کوئی وجود نہ ہو، یہ ضروری نہیں کہ ہر چیز کی تردید قرآنِ کریم میں موجود ہو اور پھر اسی لفظ کے ساتھ ہو جو وہ چاہتے ہیں، اور یہ بھی نہیں کہ "احمق کو لوٹا نہ جائے تو مامور بن بیٹھے"

۲۱۷ ـــــــ اور مرزا، قلّتِ علم، کثرتِ جہل، طبعی کبر و تعلّی، تنک مزاجی، تنگ ظرفی، دون فطرتی اور کم حوصلگی کے سبب معمولی قسم کے پیش پا افتادہ امور کو "غیبی عطیات" اور "آسمانی انعامات" سمجھ لیتا ہے اور پھر یہ تصور کر لیتا ہے کہ حقائق غیبیہ میں سے کوئی حقیقت اس کے علم و ادراک کی گرفت سے باہر نہیں ہے، اور اسی پندار اور خوش فہمی کے بل پر وہ الٰہیات و نبویات کے مسائل میں الجھتا ہے اور دریدہ دہنوں اور بازاریوں کا سا کلام کرتا ہے،

(ترجمہ اشعار) خواجہ سمجھتا ہے کہ وہ بھی کچھ پونجی رکھتا ہے، حالانکہ خواجہ کا سرمایہ غرور پندار کے سوا کچھ نہیں"۔ "خلوت نشین جاہل کے خیالات بالآخر دین و دنیا کی بیخ کنی کر دیتے ہیں"۔

۲۱۸ــــــ بروز، کا لفظ شاید کسی ایک آدھ صوفی کے کلام میں، بمعنی فیضِ روحانی و تربیت باطنی استعمال ہوا تھا، اور اتحاد، کا لفظ عشاق کے کلام میں، محبوب سے ہم رنگی اور فنائے محبانہ سے عبارت تھا، یہ جاہل ان الفاظ کو کثرت سے استعمال کرتا ہے اور زعم خود سمجھتا ہے کہ میں نے صوفیہ کی مراد کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کر دی، حالانکہ فی الحقیقت اس کے ذہن میں ان الفاظ کا کوئی مصداق نہیں ہوتا، اس کا کل سرمایہ زبانی جمع خرچ، دوسروں کے الفاظ نقل کر لینا اور ان کی بھونڈی نقالی ہے۔ (عارف رومیؒ نے صحیح فرمایا ہے

حرفِ درویشاں بدزدد مردِ دوں　　　تا بہ پیشِ جاہلاں خواند فسوں

وہ چونکہ بروز، اور 'اتحاد' کی صوفیانہ اصطلاحات کے مفہوم سے ناآشنا تھا اس لیے) رفتہ رفتہ صریح "تناسخ" کے گڑھے میں جاگرا، اور 'بروز' کی تفسیر 'جنم' اور 'اوتار' کے ساتھ کر ڈالی، جو کہ ہندوؤں کا بنیادی اصول ہے۔

۲۱۹ــــــ (مرزا غلام احمد نے اپنی نبوت کا ثبوت یہ پیش کیا ہے کہ نبوت کے معنی ہیں خدا سے خبر پاکر پیشگوئیاں کرنا، اور یہ تعریف چونکہ مجھ پر صادق آتی ہے لہٰذا میں نبی ہوں۔ حالانکہ نبوت کا یہ تصور اس قدر گھٹیا ہے کہ اس کے ماتحت ہر نجومی، پنڈت، رمّال، جفّار، اڑٹر پوپو نبوت کا دعویٰ کر سکتا ہے اور جب مرزا سے کہا جائے کہ تیری اپنی تعریف کے مطابق بھی نبوت کی تعریف تجھ پر صادق نہیں آتی، کیونکہ جو پیشگوئیاں تو نے بڑی شدّ و مد سے کی تھیں اور انھیں اپنے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا تھا وہ بھی تیری تشریح کے مطابق پوری نہ ہوئیں بلکہ سب کی سب جھوٹ نکلیں تو اس کے جواب میں مرزا کہا کرتا ہے کہ میری نبوت کا ثبوت بس یہی کافی ہے کہ جو اعتراض مجھ پر کیا جائے وہ ہر ایک

نبی پر پڑتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ) کیا کسی شخص کی نبوت کا ثبوت بس یہی کافی ہے کہ نبوت کو ایک گھٹیا سی چیز بتایا جائے، اور انبیاء کرام پر اعتراض جڑ دیے جائیں یا کسی ثابت شدہ اور مسلمہ اصول کے ماتحت نبوت کا ثبوت پیش کرنا اور اس پر دلائل قاطعہ پیش کرنا بھی ضروری ہے؟ (اگر جواب شق ثانی میں ہے تو مرزا نے انبیاء کرامؑ اور ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کر کر کے نامۂ عمل کیوں سیاہ کیا؟)

۲۲۰ ــــــ مرزا کہتا ہے کہ پیشگوئیوں میں کسی قدر نقصان اور خفا رہ جاتا ہے لہٰذا پیشگوئی کا جو حصہ پورا ہو جائے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے، پہلے لوگوں کو بھی یہی ٹھوکر لگی۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کے خیالی تصورات کے مطابق سابقہ پیشگوئیاں مدعیانِ نبوت پر صادق نہیں آئیں اس لیے ایمان سے محروم رہ گئے اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ کسی مدعی پر پیشگوئی کے بعض اجزا کا صادق آنا اور بعض کا صادق نہ آنا اس کے صدق و کذب میں اشتباہ و التباس کا موجب ہے[1] اور اشتباہ و التباس کی حالت میں نفع کا یقین نہیں ہو سکتا (اور یقین نہ ہو تو ایمان بے سود ہے) اور اگر یوں ہے تو یوں بھی ہے۔ پس مرزا کا یہ مشورہ اخلاص و خیر خواہی کا مشورہ نہیں، بلکہ خود غرضی، تلبیس اور دغا فریب پر مبنی ہے، (ترجمہ شعر) "بہت سے ابلیس (مرزا کی طرح) آدمی کی شکل میں ہوتے ہیں، پس ہر ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیے۔"

۲۲۱ ــــــ کیا الہام بھی ملکۂ انشاء پردازی کی طرح ہے اور طبیعت کی آمد و سلیقہ پر منحصر ہے؟ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مرزا کتب سابقہ میں کوئی چیز دیکھ کر رٹ لگا لیتا ہے اور پھر اس کے مطابق الہام گھڑ لیتا ہے۔ مثلاً اخطئ واصیب کا الہام اور مثلاً عمانوئیل (کی پیدائش) کا الہام، جو سراسر جھوٹ بھی نکلا۔

---

[1] اور مرزا غلام احمد قادیانی پر تو مسیح کی پیشگوئی اتنی بھی صادق نہیں آتی جتنی کہ ماش کے دانے پر سفیدی۔ پس مرزا کا کذب روز روشن کی طرح واضح ہے۔ مترجم۔

اور کبھی مرزا اپنے پاس سے ایک مہمل اور بے معنی بات، جس کی کوئی حقیقت محصلہ نہیں ہوتی گھڑ لیتا ہے اور پھر اس کے مطابق الہام بنا لیتا ہے۔ مثلاً "تو بمنزلہ میرے بروز کے ہے" کا الہام۔ جس کی کوئی حقیقت کتب سماویہ میں نہیں۔

۲۲۲ ـــــ ایسے وہمی اور شکی امور کہ جن کا یا تو ثبوت ہی معلوم نہ ہو۔ یا یہ گمان ہو کہ راوی سے فرو گذاشت ہوئی ہے اور اس سلسلہ کی کوئی کڑی چھوٹ گئی ہے، ایسے امور سے قطعیات پر اعتراض کر کے انہیں منہدم کر دینا کیا یہ ایمانداری کا کام ہے؟ چنانچہ اس فرقہ نے عصمتِ انبیاءؑ کے باب میں یہی وطیرہ اختیار کیا۔ اور مجہول الحال امور کے ذریعہ دین کے قطعیات اور متواترات کو درہم برہم کر ڈالا۔ حالانکہ اس نام نہاد وحی میں جس کو یہ ملحد سرقہ کر کے اور اِدھر اُدھر سے جوڑ کر بناتا ہے۔ تواتر ہی کا سہارا لیتا ہے۔

چونکہ اس ملحد کی غرض دین کو درہم برہم کرنا تھا اور وہ جانتا تھا کہ وہ اپنی خانہ ساز پیشگوئیوں میں ذلیل و خوار ہوگا اس لیے اس نے پہلے سے یہ تدبیر کی کہ تمام انبیاء کرام کی پیشگوئیوں پر خاک اڑائی جائے اور انہیں غلط ٹھہرایا جائے، تاکہ بوقت ضرورت کام آئے، اور ایک طے شدہ اصول پہلے سے تیار رہے (کہ نعوذ باللہ انبیاء کرام اپنی وحی کا مطلب نہیں سمجھتے اور وہ غلط سلط پیش گوئیاں کر دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ مرزا ازالۂ اوہام میں لکھتا ہے:

"مسیح کے معجزات اور پیشگوئیوں پر جس قدر اعتراض اور شکوک پیدا ہوتے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ کسی اور نبی کے خوارق یا پیش خبریوں پر کبھی ایسے شبہات پیدا ہوتے ہوں کیا تالاب کا قصہ مسیحی معجزات کی رونق دور نہیں کرتا، اور پیشگوئیوں کا حال اس سے بھی زیادہ تر ابتر ہے، کیا یہ بھی کوئی پیشگوئیاں ہیں کہ زلزلے آئیں گے۔ مری پڑے گی، لڑائیاں ہوں گی، قحط پڑیں گے اور اس سے زیادہ قابل افسوس یہ امر ہے کہ جس قدر مسیح کی پیشگوئیاں غلط نکلیں اس قدر

صحیح نکل نہیں سکیں...... اور بھی بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو صحیح نہیں نکلیں، مگر یہ بات الزام کے لائق نہیں، کیونکہ امور اخباریہ کشفیہ میں اجتہادی غلطی انبیاء سے بھی ہوجاتی ہے، حضرت موسیٰؑ کی بعض پیشگوئیاں بھی اُس صورت پر ظہور پذیر نہیں ہوئیں جس صورت پر حضرت موسیٰ نے اپنے دل میں اُمید باندھ لی تھی، غایت ما فی الباب یہ ہے کہ حضرت مسیح کی پیشگوئیاں اوروں سے زیادہ غلط نکلیں"

(ص ۶، ۷، ۸ طبع اوّل)

۲۲۳ ــــــ انبیاء علیہم السلام کی توہین سب سے پہلے ابلیس نے کی تھی، اور اس نے حق تعالیٰ سے مناظرہ کیا کہ آپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی شخص کو کمالات کسبیہ کے بغیر شرف بخشیں اور عطیات سے نوازیں، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے کسی کو فضیلت و شرف عطا کرنے کا اور داد و دہش کا از خود اختیار ہے۔ مگر ابلیس نے اس اختیار کو ناروا سمجھا، اور کسی شخص پر اس کی جسمانی ساخت اور اس کے اجزاء ترکیبی سے زائد انعام کرنے کو غیر معقول ٹھہرایا۔ گویا وہ حق تعالیٰ کے اختیاراتِ سلطانی کے مزاحم تھا۔ بعد ازاں یہ شقی (مرزا) نہ صرف یہ کہ شیطان کے نقشِ قدم پر چلا، بلکہ اس سے بھی چار قدم آگے نکل گیا، اسی ابلیسی نظریہ کے تحت اس نے حضرت عیسیٰؑ کی توہین کرکے اپنے پوشیدہ خبث و کفر کا اظہار کیا (چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قرآنی معجزات کو شعبدہ بازی اور مسمریزم قرار دے کر لکھتا ہے:

"مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابلِ نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ رہتا۔" (ازالہ اوہام حاشیہ ص ۳۰۹)

اس سے اس کی غرض یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و وقعت مسلمانوں کے دل سے نکال ڈالے اور ان کی مسند پر خود قابض ہو جائے (چنانچہ وہ صاف

صاف اپنے مدعا کا اظہار کرتا ہے کہ :۔

ابنِ مریم کے ذکر چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے۔ (نعوذباللہ)

حالانکہ "کہاں عیسیٰ کہاں دجّال ناپاک" —— یہی وجہ ہے کہ اس نے ہندوؤں کے پیشواؤں سے یہ معاملہ روا نہیں رکھا، بلکہ ان کی عظمت و توقیر کا اظہار کر کے انہیں اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کی۔

۲۲۴ —— کسی مسئلہ میں ایسے متشابہات سے، جن کی طرف ذہن بھی نہ جاتا ہو، استدلال کرنا اور اس باب میں محکمات کو چھوڑ دینا الحاد نہیں تو اور کیا ہے، چنانچہ اس ملحد نے ان امور کو، جو کتابوں میں بددین و بے ایمان لوگوں کے وساوس و شبہات کے طور پر ذکر کیے گئے ہیں جمع کر کے انہیں اپنا دین و مذہب بنا لیا ہے، اور جب کسی اسلام سے بچلانا چاہتا ہے تو صریح نصوص میں شیطانی شبہات کھڑے کر دیتا ہے اور جب اپنی جانب کھینچنا چاہتا ہے تو طمع کاری کے ساتھ مناسبتیں پیدا کرتا ہے اور نصوصِ قطعیہ کو استعارہ و مجاز پر محمول کرنے کی تاویل جس کو اس نے اپنے ذخیرۂ الحاد کا موضوع بنا رکھا ہے اس کے ذریعہ وہ اکثر اسلامی عقائد اور بعض احکام شرعیہ، مثلاً زکوٰۃ، حج اور جہاد سے سبکدوش ہو چکا ہے اور اس کے مریدین عن قریب دیگر احکام سے بھی بے باق ہو جائیں گے اور صرف الفاظ کی گردان کافی ہوگی، اور ذخیرۂ آخرت اور ہدیۂ بارگاہِ الٰہی کے لیے لے دے کر چند تاویلیں رہ جائیں گی اور بس۔ کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ وہ افعال میں بھی استعارہ مانتا ہے۔ چنانچہ کشتی نوح ص ۴۷ میں لکھتا ہے:

"مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی، اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینے کے بعد، جو ۱۰ مہینے سے زیادہ نہیں، بذریعہ اس الہام کے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا"

اس فعلی استعارہ کو بھی ذہن میں رکھو جو اس کے خاص علوم میں سے ہے اور جس کے ذریعہ وہ خارج میں حاملہ بھی ہو سکا۔ پس اس استعاراتی حمل کے ذریعہ جب

وہ عیسیٰ کو جنم دے کر خود عیسیٰ بن سکتا ہے تو دیگر افعال کے بارے میں یہ کیوں نہیں کہا جا سکتا کہ مثلاً ہم نے استعارہ کے طور پر زکوٰۃ دے دی، استعارہ کے طور پر حج کر لیا، استعارہ کے طور پر نماز پڑھ لی، اور استعارہ کے طور پر روضۂ اطہر میں دفن ہو گئے۔ وغیرہ وغیرہ)

۲۲۵—— مرزا نے دنیا کا کوڑا کرکٹ جمع کرنے میں کوئی حیلہ اور کسر باقی نہیں چھوڑی، مثلاً اپنی تصویر فروخت کرنا، زکوٰۃ کا مال سمیٹ کر اسے اپنی خواہشات میں صرف کرنا، اور اس کے مصارفِ شرعیہ کو ساقط کر دینا، مریدوں پر انواع و اقسام کے چندے لازم کرنا، اور جو بر وقت چندہ نہ بھیجے اسے بیعت سے خارج کر دینا —— اور مخالفوں کی تذلیل کے لیے ان کی موت کے وقت کی تصویریں شائع کر کے مرزا نے اپنے ضمیر اور خمیرِ باطن کی خبر دی ہے کہ اس کا سینہ ظالم کی قبر سے زیادہ تنگ و تاریک ہے۔ اور مخاطبوں پر اثر ڈالنے کے لیے انبیاء کرام اور کتبِ سماویہ کی تعبیر و خطاب کی نقالی کرتا ہے۔ مثلاً کثرت سے قسمیں کھانا، بنی نوع انسان سے ہمدردی کا اظہار کرنا۔ اور مخالفین کی تردید میں ان کی دعوت کے پہلو پر زور دینا، ان سے خیر خواہی دلسوزی کی نمائش، مخالفوں کی جانب سے اپنی مظلومی کی فریاد۔ اور ان امور کے اصرار و تکرار کو بھی سامنے رکھتا ہے، اور جو چیزیں اس کے مخالف تھیں انہیں بد سے بدتر تشبیہات اور بھونڈی مثالیں دے دے کر مسخ کیا، اور ہر ممکن طریقہ سے ان کی قباحت کا اظہار کر کے احمقوں کو الّو بنایا، وہ علم و دلیل کے دائرے میں محدود نہیں رہتا، چنانچہ احادیث طیبہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق قتل خنزیر وغیرہ کی جو علامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں، مرزا نے ان کا ایسا مذاق اور تمسخر اڑایا جس کی توقع کسی سنجیدہ اور با اخلاق آدمی سے نہیں کی جا سکتی۔ گھٹیا ذہنیت کے کمینہ طبع لوگ جن کا مطمح نظر محض اپنی مطلب براری ہوا کرتا ہے، یہ ان کا وطیرہ ہے کہ وہ اخلاقِ فاضلہ کی حدود کے پابند نہیں ہوتے۔ مرزا کے جتنے مرید ہم نے دیکھے ہیں ان سب کو دیانت و امانت اور حیا۔ و

اخلاص سے تہی دامن پایا ہے۔ اور خود مرزا نے گذشتہ جھوٹے مدعیانِ نبوت کا مطالعہ کیا، اور اس بات کو پیش نظر رکھا کہ کن کن طریقوں سے ان کی دعوت کو فروغ ہوا اور کن کن وجوہ سے ان کی تحریکیں ناکام ہوئیں) وہ تعبیرات میں ہر ممکن طریقہ سے اثر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے یعنی کتب سماویہ کی نقالی، انبیاء کرام سے تشبّہ اور مدعیانِ نُبوّت کی خوشہ چینی۔ لیکن یہ سب کچھ تعبیرات کی نقالی اور چرب زبانی تک محدود ہے اس ظاہری صورت کے باطن میں صحیح دلیل اور حقانیت کا ذرا بھی مادہ نہیں، بلکہ اس کی کل کائنات شبہات اُٹھانا، مخاطب کو تدریجاً پھسلانا، اور آہستہ آہستہ حق سے برگشتہ کرنا ہے، جیسا کہ تحفۂ اثنا عشریہ میں دعوت باطلیہ کے مراتب ذکر کیے ہیں۔ اور گمان غالب یہ ہے کہ اس نے 'باب' اور 'بہا' کی کتابوں کے علاوہ شیعہ متصوفین، جنہوں نے فلسفہ کو تصوف بناڈالا تھا، ان کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ان سے بھی سرقہ کیا ہے کہ یہ کتابیں خاصی مقدار میں ہیں اور بہت سی فارسی زبان میں ہیں۔ یہ اس لیے کہ میں نے فتوحات کے علوم تک اس کی رسائی نہیں پائی، اور اس نے حضرات صوفیہ کے حقائق و معارف میں سے کسی ایک بات کو بھی ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھا۔ وہ الٰہیات میں ایسی سوقیانہ تشبیہات دیتا اور تعبیر کرتا ہے کہ سُن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور وہ اپنی طرف سے حقائق باطلہ کی اختراع کر لیتا ہے۔ مثلاً حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی دوبارہ بعثت کا عقیدہ (گھڑ کر خود کو محمد رسول اللہ کی حیثیت دینا) اور پھر ان من گھڑت نظریات کے موافق نصوص دین میں نت نئی تحریفیں کرتا ہے، یہ ہے وہ چیز جس پر اس کے چیلے ایمان فروخت کرتے ہیں اور ان زٹلیات کو علوم و معارف سمجھتے ہیں۔

۲۲۹ ——— اور وہ جب کسی شخص سے مایوس ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے جال کا شکار نہیں ہوگا تو ہر قسم کی فحش کلامی اور مغلظات سے اس کی تواضع کرتا ہے، اور ذلیل و رسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا، اور جو کام بھی کرتا ہے بس اسی کی چکی پیستا رہتا ہے۔

۲۲۷ـــــ ایک طرف تو ضرورۃ الامام، حقیقۃ الوحی اور ازالہ اوہام وغیرہ میں وہ اپنے الہامات میں نصرت و شوکت کا دعویدار ہے اور یہ کہ اسے یقین کی ـــــــــــ لذت محسوس ہوتی ہے جس سے اس کا قلب پُر ہو جاتا ہے اور اسے اپنے الہامات پر شرحِ صدر کے ساتھ اسی طرح قطعی ایمان ہے جس طرح کہ قرآن کریم پر۔ لیکن اس شوری شوری کے بعد موت مسیح اور اپنی نبوت سے متعلقہ الہامات میں اس نے جس بے کیفی کا مظاہرہ کیا ہے اسے حمامۃ البشریٰ ص۴ میں دیکھئے۔ بحوالہ عشرۂ کاملہ۔ اور سنا گیا ہے کہ مرزا کہا کرتا تھا کہ اگرچہ میں نے براہین احمدیہ میں حیات عیسیٰ کا عقیدہ لکھ دیا تھا۔ اور لکھا بھی تھا (قرآن کریم اور خود اپنے) الہامات کے حوالے سے (دیکھئے براہین ص ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۵)۔ مگر حیات عیسیٰ کا میں شروع ہی سے قائل نہ تھا، اور میں نے اپنے اصل عقیدہ کو مسلمانوں کے خوف سے چھپائے رکھا اس سلسلہ کی تھوڑی سی بحث عشرۂ کاملہ ص ۳۵ میں بحوالہ حمامۃ البشریٰ ص۳ دیکھی جائے

۲۲۸ـــــ وہ ایک طرف تو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں سوقیانہ استبعادات پیش کرتا ہے، لیکن دوسری طرف خود اپنے بارے میں ان سے کہیں بڑھ کر مستبعد اور خلاف عقل باتوں کا دعویٰ کرتا ہے۔ مثلاً حق تعالیٰ کا اس کے سامنے اپنے چہرہ سے پردہ اُٹھا دینا اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا، دیکھئے ضرورۃ الامام۔ اور کبھی ایسے (الہامات) کا دعویٰ کرتا ہے جو حیاء اور انسانیت کے دائرے سے خارج ہیں، مثلاً مرزا کا عورت بن جانا اور اللہ تعالیٰ کا اس پر "رجولیت کی طاقت" کا اظہار کرنا، دیکھئے عشرۂ کاملہ ص ۲۳ [1]

---

[1] مرزا کے ایک خاص مرید قاضی یار محمد صاحب بی، او، ایل پلیڈر ٹریکٹ نمبر۳۴ موسوم بہ "اسلامی قربانی" مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر میں لکھتے ہیں:
"حضرت مسیح موعود نے ایک موقعہ پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ "عورت" ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے رُجولیت کی طاقت" کا اظہار فرمایا سمجھنے والے کے واسطے اشارہ کافی ہے"۔ استغفراللہ۔ مترجم

۲۲۹ـــــ اس کا وطیرہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیوں پر خاک ڈالتا ہے، ان کے بعض اجزاء پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر کے یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام اجزاء کے ساتھ پوری نہیں ہوئیں، وہمی امور اور شبہات کے ذریعہ قطعیات کو منہدم کر کے انھیں مٹی میں ملانا چاہتا ہے اور ان کے اندر طرح طرح کے شبہات اٹھاتا ہے، تاکہ جب اس کی نام نہاد پیش گوئیاں غلط نکلیں تو جواب کا سامان پہلے سے موجود ہو۔ پس جب تک انبیاء کرام سے برابری مطلوب ہو تب تک تو انہیں اعتراضات میں شریک غالب بتاتا ہے، یعنی اس کی بہ نسبت انبیاء کرام پر زیادہ اعتراض ہیں، اور جب اس کے اپنے اختصاص کی نوبت آتی ہے تو اپنے اضغاث احلام کو "غیب مصفّٰی" کا نام دیتا ہے (گویا انبیاء کرام کی پیشگوئیاں تو غلط اور لائق اعتراض ہیں، اور "غیب مصفّٰی" تک رسائی مرزا کی خصوصیت ہے۔ نعوذ باللہ)

۲۳۰ـــــ وہ معجزات کی شان گھٹاتا اور بڑے بڑے معجزات کا، مختلف تاویلوں سے انکار کرتا ہے۔ مثلاً معجزۂ شق القمر کو چاند گہن بتانا، معراج نبوی کو کشف ٹھہرانا، اور مُردوں کے زندہ کرنے کو مسمریزم قرار دینا اور اس کے اعجاز کا انکار کرنا ـــــ چھوٹے چھوٹے معجزوں کو برقرار رکھتا ہے تاکہ اپنے حقیر اور پیش پا افتادہ امور کو معجزات کے دائرے میں لا سکے۔ مثلاً چندہ ملنا، اور لوگوں کا اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا کہ ہر چندے کو اور ہر بیعت کنندہ کی بیعت کو ایک مستقل "معجزہ" شمار کر کے اس نے اپنے معجزات کی تعداد کم از کم دس لاکھ لکھی ہے۔ اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد تین ہزار بتاتی ہے۔

حق تعالیٰ اُمت مرحومہ پر رحم فرمائے اور اس لعین کے الحاد و ارتداد سے نجات دلائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد والہٖ واصحابہٖ واتباعہٖ الیٰ یوم الدین۔

محمد یوسف لدھیانوی عفا اللہ عنہ
مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت پاکستان۔ ملتان

۸ شوال المکرم ۱۳۹۵ھ

اشاریہ

○ آیات

○ احادیث

○ اسماءٔ

○ کتابیات

مرتب:
محمد یوسف لدھیانوی

۱۔ آیات



احادیث

۳۔ اسماء

اقوام وقبائل

مقامات

ملل ومذاہب



۴— کتابیات

تعارف

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

از حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"مجلس تحفظ ختم نبوت" مسلمانوں کی ایک خالص غیر سیاسی

مذہبی ملی اور تبلیغی تنظیم ہے جس کا مقصد وحید اسلامیان عالم کا اتفاق و اتحاد، ناموس رسالت و ختم نبوت کی پاسبانی اور منکرین ختم نبوت کا رد و تعاقب رہا ہے، قیام پاکستان کے بعد خطیب العصر امیر شریعت حضرت مولانا سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ نے تمام سیاسی جھمیلوں سے الگ تھلگ ہو کر اپنے رفقاء سمیت دعوت اسلام، تبلیغ دین اور رد قادیانیت کے لیے زندگی وقف کر دی، اور اسی پاکیزہ مقصد کے لیے مجلس تحفظ ختم نبوت کی بنیاد ڈالی، بحمداللہ ان کے اخلاص کی برکت سے "مجلس" کا فیضان دور دور تک پھیل چکا ہے، پاکستان اور دوسرے بہت سے اسلامی ممالک میں قادیانیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا چکا ہے، ملک کے بڑے بڑے شہروں کے علاوہ بعض بیرونی ممالک میں بھی مجلس کے دفاتر اور فاضل مبلغ کام کر رہے ہیں، قادیانیوں کے عالمی مرکز ربوہ میں ریلوے کی جامع مسجد تعمیر ہو چکی ہے، جس میں ختم نبوت کے مبلغ اور مدرس خطابت اور تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں، مجلس کے صرف "شعبۂ تبلیغ" پر تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ صرف ہو رہا ہے۔

نئے تقاضے اور نئے منصوبے | قادیانیوں کے بارے میں پاکستان قومی اسمبلی کے تاریخی فیصلہ نے قادیانیت کو موت و حیات کی کشمکش میں ڈال دیا ہے، ہزاروں سعادت مند افراد قادیانی ارتداد کے جال سے نکل کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں، جس سے قادیانیوں کی کمر ٹوٹ گئی ہے، اور انہوں نے زندگی اور موت کی آخری جنگ لڑنے کے لیے اپنی پوری قوت اور اثاثہ جھونک دینے کا فیصلہ کیا ہے، چنانچہ ادھر اندرون ملک ان کی سازشوں کے جال وسیع سے وسیع تر ہو گئے ہیں، جس کے نتیجے میں مسلمانوں اور قادیانیوں کے بہت سے مقدمے

عدالتوں میں چل رہے ہیں، اور وہ مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کئی نئی اسکیمیں شروع کر چکے ہیں، اُدھر بیرونی ممالک میں انہوں نے تحریک ارتداد کو تیزسے تیز تر کر دیا ہے، اور کروڑوں روپیہ مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے خرچ کیا جا رہا ہے۔ قادیانیوں کی یہ تمام کوششیں انشاء اللہ رائیگاں جائیں گی، اور سازشوں کے جو کنوئیں وہ مسلمانوں کے لیے کھود رہے ہیں انشاء اللہ ان میں خود ہی گر کر تباہ و برباد ہوں گے، تاہم اس میں شک نہیں کہ ان حالات میں "مجلس تحفظ ختم نبوت" کا کام بجائے سمٹنے کے اور بھی پھیل گیا ہے، اور اس کی ذمہ داریوں میں کمی ہونے کے بجائے کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے، پہلے جہاں ہزاروں روپے اس کے اخراجات کے لیے کافی تھے، اب وہاں اب لاکھوں کی ضرورت، چنانچہ قادیانیت کے خلاف مسلمانانِ عالم کی عام بیداری کی وجہ سے قریباً ان تمام ممالک سے، جہاں قادیانی اپنی مرتدانہ سرگرمیوں میں مصروف ہیں، مسلمانوں کی جانب سے تقاضے آرہے ہیں کہ وہاں ختم نبوت کے پاسبان بھیجے جائیں، جو قادیانیوں کے دانت کھٹے کریں، مجلس بیرونی ممالک میں وفود بھیجنے کا انتظام کرتی ہے، چنانچہ گزشتہ ایک وفد افریقی ممالک گیا، ایک انڈونیشیا کی دعوت پر بھیجا گیا، ایک متحدہ عرب امارات کے مطالبہ پر روانہ کیا گیا، لیکن اس سے بڑھ کر ضرورت اس بات کی ہے کہ تحفظ ختم نبوت کے اس کام کو، جو ساری دنیا میں پھیل چکا ہے مزید مستحکم اور وسیع بنیادوں پر منظم کیا جائے، جس کی تدابیر حسب ذیل ہیں:

۱۔ بیرونی ممالک کے نمائندوں کو پاکستان بلایا جائے، انہیں یہاں کچھ عرصہ رکھ کر انہیں قادیانیت کے تمام اسرار و رموز سے واقف کرایا جائے، اور وہ اپنے علاقوں میں جا کر مستقل طور پر تحفظ ختم نبوت کے لائحہ عمل کے مطابق قادیانیوں کا تعاقب کریں، اس منصوبے پر لاگت کا ابتدائی تخمینہ ایک لاکھ روپیہ سالانہ ہے، بحمداللہ رمضانِ مبارک کے بعد سے اس کا آغاز کیا جا رہا ہے۔

۲۔ ختم نبوت کی دعوت کے لیے نئے علماء کرام شریک مجلس کیے جائیں، اور انہیں تربیت دیکر اندرون و بیرون ملک تبلیغی خدمات اور رد قادیانیت کے لیے تیار کیا جائے، اس تربیتی کورس کے لیے فی الحال پندرہ افراد کا انتخاب تجویز کیا جا رہا ہے۔ اس منصوبے پر جماعت کا ۷۵ ہزار روپیہ سالانہ خرچ ہوگا،

۳۔ مجلس کی ضروریات اور اس کا کام اتنا پھیل چکا ہے کہ اس کے لیے مرکزی دفتر کی موجودہ عمارت کافی نہیں اسلیے ملتان ہی میں ایک اچھے موقع پر قطعہ اراضی اڑھائی لاکھ روپے کے مصارف سے خرید لیا گیا ہے۔ اس کی سہ منزلہ عمارت کا نقشہ منظور ہو چکا ہے، اور تعمیر کا آغاز کر دیا گیا ہے، یہ عالمی تبلیغی مرکز ایک عالی شان جامع مسجد

دارالاقامہ، دارالضیوف، پریس، اور دفاتر کی عمارات پر مشتمل ہوگا، اس عظیم ترین منصوبہ کے مصارف کا اندازاً تخمینہ چالیس لاکھ کے قریب ہے،،

۴۔ قادیانیوں کے عالمی مرکز ربوہ میں، جہاں ۴۷ء سے پہلے کسی مسلمان کا گزر بھی ممکن نہیں تھا، وہاں اب مسلمانوں کی آبادی کی صورت کی سکیم تیار کی جا رہی ہے، وہاں مسلمانوں کے لیے سب سے اہم تر مسئلہ یہ ہے کہ ان کی معاش کے لیے صنعتی کاروبار کا انتظام کیا جائے اور وہاں مسلمانوں کے لیے مکانات کی تعمیر کا بندوبست کیا جائے

۵۔ بحمداللہ مجلس تحفظ ختم نبوت کو ربوہ میں تقریباً نو کنال رقبہ حاصل ہو گیا ہے۔ اس میں جامع مسجد، مدرسہ، دارالاقامہ، پریس، دفاتر، عملہ کیلئے کوارٹرز کی تعمیرات کا مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، چونکہ یہ علاقہ (مرزائیوں کے دل کی طرح) بالکل بنجر ہے، نہ پانی ہے، نہ بجلی، نہ سڑک، اسلیئے اس بنجر زمین میں، جو کفر کی نحوست سے بالکل شور ہے، ختم نبوت کا پودا لگانا بہت ہی جفاکشی اور کثیر سرمائے کا محتاج ہے، یہ مجلس کے کام کا مختصر سا خاکہ پیش کیا گیا، جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں مجلس تحفظ ختم نبوت، کسی خاص فرد یا جماعت کا ادارہ نہیں بلکہ مسلمانانِ عالم کا ایک اجتماعی ملی ادارہ ہے اور ناموسِ رسالت کی حفاظت و پاسداری کا فریضہ تمام مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ ہے، اسلیے ہم سب کا فرض ہے کہ مسئلہ ختم نبوت کی حفاظت کے لیے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق کام کریں۔



مجلس تحفظ ختم نبوۃ پاکستان

○ ملتان

سالانہ رد قادیانیت کورس

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام ہر سال ۵ شعبان سے ۲۸ شعبان تک مدرسہ ختم نبوت مسلم کالونی چناب نگر ضلع جھنگ میں "**رد قادیانیت وعیسائیت کورس**" ہوتا ہے۔ جس میں ملک بھر کے نامور علماء کرام ومناظرین لیکچرز دیتے ہیں۔ علماء 'خطباء اور تمام طبقہ حیات سے تعلق رکھنے والے اس میں داخلہ لے سکتے ہیں۔ تعلیم کم از کم درجہ رابعہ یا میٹرک پاس ہونا ضروری ہے.......... رہائش 'خوراک 'کتب ودیگر ضروریات کا اہتمام مجلس کرتی ہے۔

رابطہ کے لئے

(مولانا) عزیز الرحمٰن جالندھری

ناظم اعلیٰ : عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضوری باغ روڈ ملتان

ہفت روزہ ختم نبوت کراچی

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان ہفت روزہ ختم نبوت کراچی گذشتہ بیس سالوں سے تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اندرون وبیرون ملک تمام دینی رسائل میں ایک امتیازی شان کا حامل جریدہ ہے۔ جو شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ و پیر طریقت حضرت مولانا سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم کی زیر سرپرستی اور مولانا مفتی محمد جمیل خان کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے۔

زر سالانہ صرف =/350 روپے

رابطہ کے لئے:

منیجر ہفت روزہ ختم نبوت کراچی

دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت جامع مسجد باب الرحمت

پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی نمبر 3